مرغوب الفقه

۱۳

متفرقات

از

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر

جامعة القراءات، کفلیته

مرغوب الفقہ......ج:۱۳

متفرقات

مختلف اوقات میں، حسب موقع، مختلف موضوع پر مع حوالہ لکھے گئے درج ذیل چھ(۶)
رسائل کا عمدہ مجموعہ:

۱	عیادت کے آداب وفضائل...........	۲	عصبیت کی مذمت....................
۳	سرمہ سنت نبوی ﷺ................	۴	مزاح............................
۵	خط وکتابت کے آداب...............	۶	وعظ وتقریر کے آداب..............

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

اجمالی فہرست رسائل

۱	عیادت کے آداب وفضائل..............	۲۱
۲	عصبیت کی مذمت..............	۷۳
۳	سرمہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم..............	۱۱۸
۴	مزاح..............	۱۳۹
۵	خط وکتابت کے آداب..............	۱۹۰
۶	وعظ وتقریر کے آداب..............	۲۵۵

فہرست مضامین رسالہ ''عیادت کے آداب وفضائل''

تقریظ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ............	۲۲
پیش لفظ............	۲۳
چہل حدیث کی فضیلت............	۲۵
عیادت کے آداب ایک نظر میں............	۲۷
کیا عیادت کے وقت ہدیہ لے جانے کا ثبوت ہے؟............	۲۹
عیادت کے وقت ہدیہ کے ثبوت پر مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کا جواب...	۲۹
مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا بیان............	۳۰
ملفوظ: حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ ''عیادت عبادت سے افضل ہے''............	۳۱
مریض کی عیادت کا حکم............	۳۲
مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق............	۳۴
عیادت کی اہمیت............	۳۶
معارف مثنوی سے حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیادت مریض........	۳۸
عیادت کے فضائل............	۳۹
عیادت کرنے والا جنت کے باغ میں............	۴۲
ستر ہزار فرشتوں کا رحمت کی دعا کرنا............	۴۲
پانچ کام کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت............	۴۴
عرش الٰہی کے سایہ میں رہنے والے تین شخص............	۴۵

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے جنت کی بشارت	۴۶
ہزار سال کی ایسی عبادت کا ثواب جس میں پل بھر گناہ نہ کیا ہو	۴۷
عیادت کی مسنون دعا	۴۸
مریض کے لئے آپ ﷺ کی دعا	۴۹
آنحضرت ﷺ کی علالت اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دعا	۵۱
مریض سے دعا کی درخواست کرنا	۵۱
عیادت کے وقت کیسی بات کی جائے؟	۵۳
مختصر عیادت سنت ہے	۵۵
عیادت میں زیادہ دیر تک بیٹھے رہنے پر چند لطائف	۵۷
وضو کے ساتھ عیادت کی فضیلت	۵۸
عیادت کے وقت شور نہ کرنا	۵۹
عیادت کب کی جائے؟	۶۰
عیادت کے وقت مریض کی دلداری	۶۲
مریض کی خواہش کو پورا کرنا	۶۳
عیادت کے لئے پیدل چلنا	۶۵
آنکھوں کی بیماری میں عیادت کا مسئلہ	۶۸
غیر مسلم کی عیادت	۶۹
یہود و مجوس کی عیادت	۷۰
غیر مسلم کی عیادت میں دعوت کی نیت کرنا	۷۱

فہرست مضامین رسالہ ’’عصبیت کی مذمت‘‘

عرض مرتب.............................	۷۴
ایک اعرابی کی اپنے بچے کو نصیحت.............................	۷۴
تقریظ از: حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی قاسمی مدظلہ............	۷۸
مقدمہ: قومیت کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟.............................	۷۹
۱:......نسل.............................	۸۰
۲:......رنگ.............................	۸۱
۳:......زبان.............................	۸۱
۴:......وطن.............................	۸۲
کیا ’’حب الوطن من الایمان‘‘ حدیث ہے؟.............................	۸۳
عصبیت ایک مہلک مرض.............................	۸۶
﴿ان اکرمکم عند الله اتقاکم﴾ ترجمہ وتفسیر.............................	۸۶
آیت کا شان نزول.............................	۸۷
احادیث مبارکہ۔((لیس منا من دعا الی العصبیة)).............................	۸۹
عصبیت کی مذمت.............................	۸۹
جاہلیت کے دعوی پر ’’لیس منا‘‘ کی وعید.............................	۸۹
’’لیس منا‘‘ کا مطلب.............................	۹۰
عصبیت کس کو کہتے ہیں.............................	۹۲
اپنی قوم کی بیجا حمایت کرنے والے کی مذمت.............................	۹۳

اظہار فخر کی ممانعت	۹۳
اپنے نسب پر گھمنڈ نہ کرو	۹۴
عصبیت پر دخول جہنم اور عذاب کی وعید	۹۵
نسبی فخر کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا عجیب وغریب عمل	۹۵
میری امت میں جاہلیت کی چار باتیں	۹۶
تفاخر بالانساب پر فخر کی وعید	۹۸
آبائی فخر پر جہنم کی وعید	۱۰۱
فخر بالانساب شیطان کا مکر ہے	۱۰۱
خراسانی سید اور حبشی بزرگ کا سبق آموز واقعہ	۱۰۲
"انا النبی لا کذب" سے اعتراض اور اس کا جواب	۱۰۴
مفاخرہ کی دو قسمیں ہیں، مذمومہ اور محمودہ	۱۰۵
عصبیت پر مرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے	۱۰۵
تتمہ	۱۰۷
نسب نامے نہ تو محض بیکار ہیں اور نہ ہی مدار فخر: از حضرت تھانویؒ	۱۰۷
خاتمہ	۱۱۲
اوس اور خزرج میں قومیت کا نعرہ اور آیت کا نزول	۱۱۲
قومیت کی آواز پر آپ ﷺ کی تنبیہ	۱۱۳
ایک پنڈت کا اعتراض کہ اسلام تکبر کی تعلیم دیتا ہے	۱۱۴
نبی کریم ﷺ کے تعدد ازواج کا ایک سبب عصبیت کا عملاً خاتمہ تھا	۱۱۵

فہرست مضامین رسالہ ''سرمہ سنت نبوی ﷺ''

عرض مرتب........................	۱۱۹
آنکھ نعمت عظمی........................	۱۲۱
سرمہ حفاظتِ نظر کا ذریعہ ہے........................	۱۲۱
سرمہ کے دنیوی فوائد جدید سائنس کی نظر میں........................	۱۲۱
موجودہ یورپ اور سرمہ........................	۱۲۲
دنیا میں نابینا افراد کی تعداد........................	۱۲۲
ایک اہم گذارش........................	۱۲۳
سرمہ کے متعلق روایات........................	۱۲۳
اثمد سرمہ کے استعمال کا حکم........................	۱۲۴
اثمد کیا ہے؟ اور اس کے فوائد........................	۱۲۴
کیا اثمد کا استعمال سب کے لئے مفید ہے........................	۱۲۵
اثمد آنکھوں کی روشنی کو بڑھاتا ہے........................	۱۲۶
سرمہ لگانے کا طریقہ........................	۱۲۶
سرمہ کس وقت لگائے؟........................	۱۲۸
رات کو سرمہ لگانے کی حکمت........................	۱۲۹
سفر میں سرمہ کا استعمال........................	۱۲۹
سرمہ کے متعلق ایک موضوع حدیث........................	۱۳۱
یوم عاشورہ کو سرمہ لگانا........................	۱۳۲

سرمہ کے متعلق چند مسائل	۱۳۳
مردوں کو زینت کے لئے سرمہ لگانا	۱۳۳
سرمہ کی تیزی سے نکلنے والا پانی ناقض وضو ہے یا نہیں؟	۱۳۵
روزہ دار کو سرمہ لگانا	۱۳۵
سرمہ دانی اور سلائی سونے چاندی کی ممنوع ہے	۱۳۶
حالت احرام میں سرمہ کا حکم	۱۳۶
عدت میں سرمہ لگانا ممنوع ہے	۱۳۷
سرمہ کے متعلق عوام میں چند مشہور اغلاط	۱۳۸

فہرست مضامین رسالہ ''مزاح''

پیش لفظ....................................	۱۴۰
تقریظ از حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ....................	۱۴۲
مقدمہ از: مرتب....................................	۱۴۳
مزاح کے لغوی معنی واصطلاحی تعریف....................................	۱۴۳
ابن سیرین رحمہ اللہ کا مزاح....................................	۱۴۳
سلف صالحین کا مزاح....................................	۱۴۴
مزاح سنت ہے....................................	۱۴۵
چھ چیزیں مروت ہیں....................................	۱۴۵
مزاح کی ممانعت کی روایت اور اشکال....................................	۱۴۶
مزاح کی مذمت کے اقوال اور ان کا مطلب....................................	۱۴۷
آپ ﷺ کا کثرت مزاح....................................	۱۴۹
آپ ﷺ کا مزاح بھی مبنی برحق ہوتا تھا....................................	۱۴۹
انسان میں ظرافت مطلوب ہے....................................	۱۵۰
ظرافت میں اعتدال ہونا چاہئے....................................	۱۵۱
بعض عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ کا مزاح....................................	۱۵۱
آپ ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگانا....................................	۱۵۲
آپ ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مزاح کا قصہ....................................	۱۵۲
آپ ﷺ کا عجیب مزاحی جملہ....................................	۱۵۳

ایک آدمی کے ساتھ آپ ﷺ کی ظرافت	۱۵۴
ابو عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش طبعی	۱۵۵
حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش طبعی	۱۵۷
ایک بڑھیا کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش طبعی	۱۵۸
ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کا مزاح	۱۵۹
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاح ودل لگی کے واقعات	۱۶۰
عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کے ساتھ مذاق فرمانا	۱۶۰
حضور ﷺ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مزاح	۱۶۰
حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی دل لگی	۱۶۱
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا مزاح	۱۶۱
ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کا مزاح	۱۶۲
حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کو مزاحی جواب	۱۶۲
آپ ﷺ کا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے دل لگی کرنا	۱۶۳
ایک صاحب کا آپ ﷺ کو ہنسانا	۱۶۴
آپ ﷺ کا زاہر رضی اللہ عنہ سے مذاق کرنا	۱۶۴
صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپس میں ایک دوسرے کو بطور مزاح خربوزہ مارنا	۱۶۵
حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کا حضرت سویبط رضی اللہ عنہ سے ہنسی مذاق	۱۶۵
حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کا ایک اعرابی کے ساتھ مزاح	۱۶۷
حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کی خوش طبعی	۱۶۸

حدیث ام زرع..	۱۷۰
اعتراض: تمہارے نبی ﷺ کا مزاح فرمانا خلاف وقار تھا....................	۱۷۴
جواب..	۱۷۴
ملفوظات حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ..................................	۱۷۷
کثرت مزاح کا نقصان..	۱۷۷
ہنسی اور مزاح میں چند ضروری باتوں کا لحاظ..................................	۱۷۷
حق تعالی کا مزاح..	۱۷۸
خاتمہ..	۱۷۹
مضمون: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ............	۱۷۹

فہرست مضامین رسالہ ’’آداب خط وکتابت‘‘

مقدمہ......قلم کی قوت	۱۹۱
کافر قیدیوں سے کتابت سیکھنے کا ذکر	۱۹۴
مکتوب گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام بنام حضرت یوسف علیہ السلام	۱۹۵
دریائے نیل کے نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گرامی نامہ	۱۹۷
خط کی ابتدا کیسے کی جائے؟	۲۰۴
خطوط کی ابتدا ’’بسم اللہ الرحمن الرحیم‘‘ سے کی جائے	۲۰۴
’’بسم اللہ‘‘ اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں؟	۲۰۵
خط میں ’’امابعد‘‘ لکھنا	۲۰۷
ایسی تحریر جس میں کوئی آیت قرآنی لکھی ہو، کیا کسی کافر، مشرک کے ہاتھ دینا جائز ہے؟	۲۰۸
’’بسم اللہ‘‘ کے نزول سے پہلے آپ ﷺ کیا تحریر فرماتے تھے؟	۲۰۸
خط کے شروع میں کس کا نام لکھا جائے؟	۲۰۹
خط کے اخیر میں سلام لکھنا، کاتب کا نام لکھنا، اور تاریخ ڈالنا	۲۱۳
خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے	۲۱۴
کیا خط کا جواب دینا واجب ہے؟	۲۱۵
خط کے سلام کا جواب دینا	۲۱۶
بڑی جماعت کے نام خط لکھنا	۲۱۷
امرد سے خط وکتابت	۲۱۸
عورتوں کے نام خط لکھنا اوران کا جواب دینا	۲۱۸

بیوی کو خط میں سلام لکھنا........................	۲۱۹
خط میں ''قبلہ'' و ''کعبہ'' وغیرہ القاب لکھنا........................	۲۱۹
خط میں ''قبلہ'' و ''کعبہ'' لکھنے پر اشکال اور اس کا جواب........................	۲۱۹
خط پر مہر لگانا........................	۲۲۰
اپنی ضرورت کے لئے خط لکھے تو جوابی لفافہ یا ٹکٹ بھیجنا چاہئے........................	۲۲۱
جوابی ٹکٹ بھیجنے کے سلسلہ میں ایک مفید بات........................	۲۲۲
خط لکھ کر اس پر مٹی چھڑکنے کی خاصیت........................	۲۲۲
حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوی........................	۲۲۵
خط میں ''بسم اللہ'' لکھنا........................	۲۲۵
خط میں نبی کریم ﷺ کا نام مبارک ہو اس کا ادب........................	۲۲۶
جن خطوط پر قرآنی آیات کے مطالب ہوں ان کو کیا جائے؟........................	۲۲۷
مسجد میں بیٹھ کر خط لکھنا........................	۲۲۷
خط میں ''بسم اللہ'' کی جگہ ۷۸۶ لکھنے کے متعلق اکابر کے چند فتاوی........................	۲۲۸
۷۸۶ کا عدد تسمیہ کا قائم مقام نہیں........................	۲۲۹
''بسم اللہ'' کی جگہ ۷۸۶ تحریر کرنا........................	۲۲۹
''فتاوی عثمانی'' کے ایک فتوی پر سوال........................	۲۳۰
راقم کے سوال کا جواب........................	۳۲۲
۷۸۶ کا عدد ''بسم اللہ'' کا نہیں ''ہرے کرشن'' کا ہے........................	۲۰۳
آداب خط و کتابت: منتخب از تصانیف حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ........................	۲۰۵

خط لکھنے کے آداب، ماخوذ از: آداب زندگی	۲۳۶
خط لکھنے کے آداب، ماخوز از: حاشیہ بہشتی زیور......ستر ہ آداب	۲۳۷
حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے ملفوظات سے منتخب آداب	۲۳۹
ڈاک بھی اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے	۲۳۹
خوش خطی کا قحط	۲۳۹
خط کے جواب میں ’’وعلیکم السلام‘‘ یا ’’السلام علیکم‘‘ لکھنا چاہئے	۲۴۰
بچوں کے خط میں سلام کا جواب دینا چاہئے یا دعا؟	۲۴۰
ایک خط میں ایک مضمون ہونا چاہئے	۲۴۰
ایک خط میں مختلف انواع کے سوالات پر تنبیہ	۲۴۱
اوراد اور اصلاح اخلاق کا مضمون ایک ہی خط میں لکھنے پر تنبیہ	۲۴۲
بزرگوں کے خطوط میں اشعار خلاف ادب	۲۴۲
خط میں کتنا اختصار کرے؟	۲۴۳
زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے	۲۴۳
پہلے طویل خط، اب مختصر	۲۴۳
جواب میں اختصار ضروری ہے	۲۴۴
ضرورت کا لحاظ رکھا جائے	۲۴۴
مکتوب الیہ کی زبان میں خط لکھنا چاہئے	۲۴۴
عربی میں خط لکھنے کی مصلحت کی مصلحت کا مشتاق ہوں	۲۴۵
عربی میں درخواست بیعت پر مشتمل خط اور اس پر تنبیہ	۲۴۵

عورت، پیر کو بھی بلا اذن شوہر خط نہیں لکھ سکتی..................	۲۴۶
عورت کے خط پر شوہر کے دستخط ضروری ہیں (عجیب تربیت)..................	۲۴۶
بلاشوہر کے دستخط کے عورت کا خط پڑھنا ایسا ہے جیسے بلاشوہر کی موجودگی میں	۲۴۷
اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنا..................	
شوہر کے دستخط میں بڑی حکمتیں ہیں..................	۲۴۷
ایک عزیزہ کو تعزیت کا خط..................	۲۴۸
پہلا خط ہمراہ منگوانے میں راحت..................	۲۴۸
پہلا خط ساتھ بھیجنے میں دو مصلحتیں ہیں..................	۲۴۹
کسی کا خط نہ پڑھے..................	۲۴۹
کسی کا خط بلا اجازت دیکھنا چند علتوں کے ساتھ ممنوع ہے..................	۲۴۹
مدرسہ کے دوات سے خط نہ لکھنا..................	۲۵۰
اپنی ضرورت کے لئے جوابی لفافہ بھیجنا چاہئے..................	۲۵۰
لفافہ میں خط رکھنے کا انداز..................	۲۵۱
خط صحیح طریقہ سے بند کرنا..................	۲۵۱
بلا پتہ لکھا ہوا سادہ لفافہ بھیجنا..................	۲۵۱
جوابی لفافہ پر پتہ نہ لکھنے پر تنبیہ..................	۲۵۲
منی آرڈر کی کوپن پر مختصر تحریر کی ضرورت..................	۲۵۳
اہل دنیا کو علماء سے مکاتبت کی ضرورت..................	۲۵۴
ایک فاسد عقیدے کی اصلاح..................	۲۵۴

فہرست رسالہ ''وعظ وتقریر کے آداب''

فصل اول: وعظ و نصیحت کی اہمیت' خطبہ کے معنی' قرآن وحدیث سے وعظ و طریقۂ وعظ' آپ ﷺ کا وعظ میں اعلی ترین منہج' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے کی اجازت کب ہے؟ وغیرہ امور کے بیان میں...............	۲۵۶
وعظ ونصیحت کا کام جنت میں بھی ہوا.........................	۲۵۶
خطبہ کے معنی اور زمانۂ جاہلیت میں خطبہ کا رواج.........................	۲۵۷
قرآن کریم سے وعظ اور طریقۂ وعظ	۲۵۸
قرآن کریم کا انداز وعظ ونصیحت.........................	۲۵۹
احادیث اور وعظ	۲۶۱
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے کی اجازت کس وقت ہے.........	۲۶۲
آپ ﷺ کا وعظ ونصیحت میں اعلی ترین منہج وطریقہ.........................	۲۶۵
کثرت وعظ سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ لوگ اکتا نہ جائیں.........................	۲۶۷
آپ ﷺ بلند آواز سے وعظ فرماتے تھے.........................	۲۶۹
وعظ وتقریر میں لاؤڈ اسپیکر کا ناجائز استعمال.........................	۲۷۰
بلند آواز سے وعظ کہنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت.........................	۲۷۲
سامعین متوجہ ہوں تو وعظ کہو' ورنہ رک جاؤ.........................	۲۷۳
واعظ کی آواز اس کی مجلس سے آگے نہ بڑھے.........................	۲۷۳
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد: اپنی آواز کو تھوڑا پست کردو..	۲۷۴
آپ ﷺ تہجد کے لئے آہستہ اٹھتے تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو...	۲۷۴

تہجد میں اور چھت پر بلند آواز سے تلاوت کسی کی تکلیف کا باعث ہو تو جائز نہیں	۲۷۴
فصل دوم: واعظ کے اوصاف کے بیان میں	۲۷۵
واعظ کا قول اس کے فعل کے مطابق ہو	۲۷۵
واعظ مدینہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تین نصیحتیں: دعا میں کافیہ بندی سے بچو، ہفتہ میں ایک دفعہ بیان کرو، باتوں کے درمیان بیان شروع نہ کردو	۲۷۹
واعظ کے لئے چند آداب وشرائط: اپنی اصلاح اور اللہ تعالی کی رضا مقصود ہو، وعظ سے پہلے دعا کا اہتمام ہو	۲۸۰
شیخ الہند رحمہ اللہ کا اخلاص وللہیت کا بے مثال واقعہ	۲۸۱
واعظ: قرآن وحدیث اور سلف کے حالات سے واقف ہو، معصیت سے محترز ہو، نرم گفتار ہو، تعلقات کم رکھتا ہو، ترغیب وترہیب کا جامع ہو، بقدر ضرورت وعظ کہتا ہو	۲۸۲
واعظ کے لئے چند کام کی باتیں: وعظ سے پہلے حمد ودرود اور امابعد کہے، موقع کے مناسب بیان ہو، وقت کا پابند ہو، طویل وعظ نہ کہتا ہو، زیادہ مزاح نہ کرتا ہو، مستورات کے بیان میں زیادہ احتیاط رکھتا ہو	۲۸۵
واعظ ومبلغ کے لئے ضروری ہدایات: اختلافی مسائل بیان نہ کرے، عموما دعوت قبول نہ کرے، سیاسی وذاتی امور میں دخل نہ دے، تعویذ، چندہ، وبیعت لینے سے پرہیز کرے، دینیات کا عالم ہو	۲۸۹
خطیب کو چاہئے کہ سامعین کی ہدایت کی فکر کرے اور ان کے لئے دعا کرے.	۲۹۰
خطیب، طعنہ وطنز سے پرہیز کرے	۲۹۱

واعظ کو نرم مزاج اور خوش اخلاق ہونا چاہئے........................	۲۹۴
ایک واعظ کی سختی پر ابو جعفر منصور کا حکیمانہ جواب........................	۲۹۵
وعظ میں غضب کی گنجائش ہے........................	۲۹۶
فصل سوم: وعظ وتقریر کے آداب میں........................	۲۹۸
وعظ کیسا ہو........................	۲۹۸
وعظ میں اللہ تعالی کی رحمت سے لوگوں کو ناامید نہ کرے........................	۲۹۸
وعظ میں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ علیہم کے واقعات بیان کئے جائیں........................	۲۹۹
خطبۂ جمعہ میں بزرگوں کے ملفوظات سنانے سے احتراز کرنا چاہئے........................	۳۰۰
ہر طرح کی باتیں عوام میں بیان نہ کی جائیں........................	۳۰۱
علماء ہر بات عوام کو نہ بتائیں........................	۳۰۳
اصولوں کی رعایت ضروری ہے........................	۳۰۳
وعظ کے دوران احادیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کی جائے........................	۳۰۵
کیا کذب کی تعریف میں عمد کی قید ملحوظ ہے؟........................	۳۰۶
وعظ وتقریر میں مسائل نہیں بیان کرنے چاہئے........................	۳۰۷
وعظ میں برائی کا زیادہ تذکرہ نہ کریں........................	۳۰۸
جس برائی سے روک رہے ہوں، وہ متفق علیہ برائی اور امر منکر ہونا چاہئے........................	۳۰۸
برائی کا تذکرہ خطاب عام سے ہو........................	۳۰۹
وعظ میں بلاضرورت الفاظ کی تکرار باعث اکتاہٹ ہے........................	۳۰۹

نہی عن المنکر بھی ہواور کسی کا دل بھی نہ توڑ و،اس تعارض کی تطبیق	۳۱۰
فصل چہارم: وعظ ونصیحت کے متعلق اکابر کے چند فتاوی	۳۱۱
فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاوے	۳۱۱
وعظ میں خطاب کا طریقہ	۳۱۱
جلسہ میں غزل ونعت پڑھنا	۳۱۱
تقریر میں سونے والوں کا جگانا	۳۱۱
غیر عالم کا تقریر کرنا	۳۱۲
غیر عالم کی تقریر سننا	۳۱۲
مقرر کو نبی پر قیاس کرنا	۳۱۳
اپنی نصیحت پر خود عمل	۳۱۴
غیر تعلیم یافتہ شخص کی تقریر	۳۱۴
بے عمل واعظ کا حکم	۳۱۴
وعظ کہہ کر چندہ مانگنا	۳۱۵
وعظ ریڈیو،لاؤڈ اسپیکر سے	۳۱۵
بغیر سامعین کے لاؤڈ اسپیکر کا وعظ کہنا	۳۱۵
مردوں کا ٹیپ عورتوں کے لئے ،عورتوں کا مردوں کے لئے	۳۱۶
عورت کی تقریر لاؤڈ اسپیکر پر	۳۱۶
کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا	۳۱۶
وعظ سنتے وقت وظیفہ میں مشغول ہونا	۳۱۷

غیر عالم معتبر کتابوں سے تبلیغ کا کام کرسکتا ہے..........................	۳۱۷
فحش گو فسادی وعظ کرنے کے لائق نہیں..........................	۳۱۸
وعظ کہنے کا حق دار کون ہے..........................	۳۱۸
مبلغین حضرات، بیان و وعظ میں خوب احتیاط کریں..........................	۳۲۰
بعض مبلغین حضرات کے بیان کے غلو آمیز جملے..........................	۳۲۱
ضروری تنبیہ..........................	۳۲۳
دین کے بقیہ شعبے بے کار ہیں، یہ جہالت کفر کی سرحد کو پہنچتی ہے ایسوں کے لئے تبلیغ میں نکلنا حرام ہے..........................	۳۲۳
واعظ کے لئے ضروری شرطیں..........................	۳۲۴
مسجد میں عورت کے وعظ کہنے کا حکم..........................	۳۲۶
وعظ میں موضوع روایات بیان کرنے کا حکم..........................	۳۲۷

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : عودوا المریض۔(بخاری)

عیادت کے آداب وفضائل

اس رسالہ میں مریض کی عیادت کے فضائل وآداب کے متعلق نبی کریم ﷺ کے چالیس ارشادات مع ترجمہ وتشریحات،جمع کئے گئے ہیں

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیہ

تقریظ: حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ

نحمدہ و نصلی

”عیادت مریض“ نفسیاتی طور پر مقاومتِ مرض کی جسمانی قوت و ہمت میں جس طرح اضافہ واز دیاد کا ذریعہ بنتی ہے وہ کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے، لیکن شریعت اسلام نے ہر شریفانہ انسانی عمل کی طرح عیادت مریض کو ایک قابل اجر وثواب عمل مشروع قرار دے کر اس کو اپنے ”دین فطرت“ ہونے کا ایسا مدلل ثبوت بھی بنا دیا ہے کہ جو ہر سلیم فطرت کے لئے نا قابل انکار ہے۔

عیادت مریض کے اس نفسیاتی علم اجمالی کی شرعی تفصیل جو پیش نظر کتاب بعنوان ”عیادت کے آداب وفضائل“ میں عزیز مکرم مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری زادفضلہ نے دلکش انداز میں، موضوع کے تمام پہلوؤں کو جس جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے، اس سے یقین ہے کہ استفادہ کرنے والوں کے قلوب میں تو اس کی عباداتی حیثیت منقح ہو کر شوق فرید اور ذوق سلیم کے ساتھ موجب عمل بنے گی اور مصنف کتاب کے حق میں انشاء اللہ یہ کتاب صدقۂ جاریہ ثابت ہوگی۔ حق تعالی کتاب اور صاحب کتاب کو قبولیت ومقبولیت ابدی ارزانی فرمائے، آمین۔

احقر محمد سالم

مہتمم دار العلوم (وقف) دیوبند

نزیل انگلینڈ

۱۱ر ستمبر ۱۹۹۵ء، یوم الاثنین

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، اما بعد۔

نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری اقوام عالم کی رہنمائی کے لئے تھی ، چنانچہ آپ ﷺ نے گم کردہ راہ انسانیت کو اپنے اقوال وافعال ، عادات واخلاق سے زندگی گذارنے کے ہر ہر شعبہ میں چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی ، معاشی ہو یا معاشرتی ، اجتماعی ہو یا انفرادی ایسے طریقے سکھلائیں جن سے عقل انسانی حیران ہے۔

انہیں شعبوں میں سے ایک شعبہ عیادت مریض ہے ۔ اسلام نے بیمار کی عیادت کو اسلامی حقوق میں سے قرار دیا۔ بیمار کی بیمار پرسی کو مقبول ترین عبادت بتلایا۔ حضور ﷺ نے مریض کی عیادت کے متعلق گراں قدر ارشادات فرمائے۔ نہایت مفید وسود مند ہدایات دیں اور خود اپنا نمونۂ عمل پیش فرمایا۔

مریض کی تیمارداری اور مزاج پرسی کو اسلامی معاشرت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف طریقوں سے عیادت کی ترغیب دی۔

شومئ قسمت آج مسلمانوں میں دین سے بیزاری کی جو حالت ہے وہ سب ہی شعبوں میں ظاہر ہے ، وہی حال عیادت مریض کا ہے ۔ عام مسلمانوں کی عیادت تو درکنار اعزہ واقارب ، پڑوسیوں کی بیمار پرسی کا بھی پاس لحاظ نہ رہا۔

بعض حضرات عیادت تو کرتے ہیں ، مگر آداب عیادت سے ناواقفیت کہئے یا عملی غفلت سے تعبیر کیجئے ، بیمار کو تسلی دینے وراحت رسانی کے بجائے تکلیف کا سبب بن جاتے ہیں۔ ہمارے آقا ﷺ نے اپنے قول وعمل سے عیادت کے مکمل آداب کی تعلیم دی ہے ، جو

ہمارے لئے صحیح رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

عیادت کے معاملہ میں ہماری ایک بری عادت یہ ہے کہ غرباء کی عیادت کو باعث ننگ وعار سمجھا جاتا ہے۔ہاں امراء واصحاب اقتدار کی عیادت کا وہ اہتمام ہوتا ہے کہ اگر اس کے لئے دوردراز کا سفر بھی کرنا پڑے تو اس کے لئے تیار، حالانکہ آپ ﷺ نے ایک یہودی بچے کی جو آپ ﷺ کا خادم تھا اسی طرح اعرابی کی عیادت فرما کر امت کو یہ تعلیم دی کہ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کی عیادت بھی کرنی چاہئے۔

عیادت کے آداب میں ایک بے احتیاطی ہمارے معاشرے میں یہ ہے کہ وقت کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا، جس وقت جی چاہا چلے گئے۔بعض اوقات معالج کی طرف سے ملاقات کرنے پر پابندی ہوتی ہے، خصوصاً ہسپتال کے اوقات کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ہم لوگ بے پرواہی میں ایسے وقت حاضر ہوتے ہیں کہ کام کرنے والوں کو تو تکلیف دیتے ہی ہیں، ساتھ ساتھ مریض کے آرام اور علاج ومعالجہ میں بھی حرج ہوتا ہے۔ایسے وقت میں یہ قرآنی حکم پیش نظر رکھنا چاہئے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتاً غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾۔(سورۂ نور، آیت ۲۷)

ترجمہ:......اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لئے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو)۔

استیذان کے مسئلہ میں ہماری غفلت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔استیذان کا حکم اور اس کے

مصالح وحکمتیں مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں اس کا مطالعہ ہر شخص کے لئے بہت ہی ضروری ہے۔

(معارف القرآن ص۳۷۴ ج۶)

عیادت کے آداب میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ مریض کے گھر یا ہسپتال پہنچیں تو ادھر ادھر تا نکنے سے پرہیز کریں اور احتیاط کے ساتھ اس انداز سے بیٹھیں کہ گھر کی خواتین پر نگاہ نہ پڑے۔ ہمارے معاشرے میں بے پردگی کی وبا عام اور کسی کی بیماری یا وفات پر تو گویا پردے کا حکم ہے ہی نہیں، ایسے وقت عیادت کرنے والے کو خود محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک بیمار کی عیادت کرنے گئے ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے، گھر میں ایک عورت تھی، جسے ان کا ساتھی دیکھنے لگا تو اس سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لَوِ انْفَقَاتْ عَیْنُکَ کَانَ خَیْراً لَک''

اگر تیری آنکھ پھوٹ جاتی تو یہی تیرے لئے (نامحرم کو دیکھنے سے) بہتر تھا۔

(حیاۃ الصحابہ ص۵۱۳، ج۲، اردو ص۷۹۶ ج۲)

عیادت کے آداب بہت زیادہ ہیں، اس رسالہ میں چند فضائل اور آداب کو جمع کیا گیا ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ کہ شریعت کے ان زریں اصول کو اپنائیں اور اختیار کریں تاکہ ہمارا ایک سنت عمل سنت طریقے سے ادا ہو اور شرف قبولیت سے نوازا جائے۔

چہل حدیث کی فضیلت

اس رسالہ کی ترتیب کے وقت خیال آیا کہ عیادت کے موضوع پر چالیس روایات و

احادیث جمع کردوں تا کہ وہ فضیلت بھی حاصل ہوجائے جس کو نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

’’مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِی اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً فِی اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیْهاً وَ کُنْتُ لَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَافِعاً وَ شَهِیْداً‘‘۔

(بیہقی فی شعب الایمان ص۲۷۰ ج۲، باب فی طلب العلم، رقم الحدیث:۱۷۲۶۔ مشکوۃ ص۳۶، کتاب العلم، رقم الحدیث:۲۴۱)

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جوشخص میری امت کے لئے ان کے دینی امور میں چالیس حدیثیں محفوظ کرے گا حق تعالی شانہ اس کو قیامت میں عالم اٹھائے گا اور میں اس کے لئے گواہ اور سفارشی بنوں گا۔

ایک روایت میں یہ حدیث اس طرح آئی ہے:

’’مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِی اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً مِنَ السُّنَّةِ کُنْتُ لَهُ شَفِیْعاً وَ شَهِیْداً یَوْمَ الْقِیَامَةِ‘‘

ایک اور روایت میں ہے:

’’ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِی اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً مِنْ سُنَّتِی اَدْخَلْتُه یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِی شَفَاعَتِی‘‘۔

(فیض القدیر ص۱۵۴ ج۶، حرف المیم، رقم الحدیث:۸۶۳۹/۸۶۴۰)

اس حدیث کی شرح میں علامہ علقمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ’’ حفظ ‘‘ سے مراد کسی شئی کو منضبط کرنا اور ضائع ہونے سے بچانا ہے اور حفظ کبھی سینے میں ہوتا ہے بغیر کتابت کے اور کبھی کتابت سے ہوتا ہے بغیر یاد کئے، دونوں ہی قسمیں بشارت حدیث میں داخل ہیں۔

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں پر قدرے تفصیلی بحث کی ہے۔ (من شاء فلیراجع الی فیض القدیر ص۱۵۴ ج۶)

عیادت کے آداب ایک نظر میں

(۱)......عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے۔

(۲)......عیادت کے لئے باوضو جانا چاہئے۔(دیکھئے! حدیث نمبر:۳۱)

(۳)......عیادت کے لئے پیدل جانا چاہئے۔(دیکھئے! حدیث نمبر:۳۶)

(۴)......عیادت کے وقت مریض کے گھر یا ہسپتال میں احتیاط سے بیٹھنا چاہئے کہ خواتین پر نگاہ نہ پڑے۔جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ص ۲۵ر پر گذرا۔

(۵)......عیادت کے وقت مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اس کی خیریت دریافت کرنا چاہئے۔حدیث میں ہے:

((مِنْ تَمَامِ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ اَنْ يَضَعَ اَحَدُكُمْ يَدَهُ عَلٰى جَبْهَتِهٖ اَوْ عَلٰى يَدِهٖ وَ يَسْاَلُهُ كَيْفَ هُوَ))۔

یعنی مریض کی عیادت کا کامل طریقہ یہ ہے کہ اس کی پیشانی یا ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھو اور اس سے دریافت کرو کہ مزاج کیسا ہے۔

ایک روایت میں ہے:

((من تمام عيادة احدكم ان يضع يده عليه فيساله كيف اصبح و كيف امسى))۔

یعنی مریض کی تیمارداری کا طریقہ یہ ہے کہ تم اس پر ہاتھ رکھو اور اس سے دریافت کرو کہ آپ کی صبح اور شام کیسی گذری۔(كنز العمال ص۱۰۴ج۹، رقم الحديث: ۲۵۱۹۴)

(۶)......عیادت کے وقت مریض کے ساتھ بھلائی کی بات کرنی چاہئے۔(حدیث:۲۷)

(۷)......عیادت کے وقت مریض کی دلداری کرنی چاہئے۔(دیکھئے! حدیث نمبر:۳۴)

(۸)......عیادت کے وقت مریض کو دعا دینی چاہئے۔(دیکھئے!حدیث نمبر:۱۶ سے ۲۳)

(۹)......عیادت کے وقت مریض سے دعا کی درخواست کرنا چاہئے۔(دیکھئے! حدیث نمبر:۲۴/۲۵/۲۶)

(۱۰)......عیادت کے وقت مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھنا چاہئے۔(حدیث ۳۰)

(۱۱)......عیادت کے وقت مریض کے پاس شور وشغف نہ کرنا چاہئے۔(حدیث:۳۲)

(۱۲)......مریض کے متعلقین سے بھی مریض کا حال پوچھنا اور اس (مریض کے متعلقین) کے ساتھ ہمدردی کا خیال رکھنا چاہئے۔

حضرت ابن ابی حبلہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ایک بار میری بیوی بیمار پڑ گئیں، میں ان دنوں حضرت ام درداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جایا کرتا تھا، جب میں ان کے پاس پہنچتا تو فرماتیں: کہو تمہاری بیوی کی طبیعت کیسی ہے؟ میں جواب دیتا: ابھی تو بیمار ہیں، پھر کھانا منگواتیں اور میں ان کے یہاں بیٹھ کر کھانا کھاتا اور واپس آجاتا۔ایک دن جب میں پہنچا اورانہوں نے حال پوچھا تو میں نے بتایا کہ خدا کے فضل سے اب قریب قریب اچھی ہوگئی ہیں۔فرمانے لگیں جب تم کہتے تھے کہ: بیوی بیمار ہیں تو میں تمہارے لئے کھانے کا انتظام کردیا کرتی تھی، اب وہ ٹھیک ہوگئی ہیں تو اس انتظام کی کیا ضرورت ہے۔

(آداب زندگی ص ۳۱۰)

(۱۳)......عیادت کے لئے بڑی جماعت کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں۔ہمارے اسلاف اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عیادت کے لئے جم غفیر کے ساتھ جانا ثابت ہے، جیسا کہ ''ابن ماجہ'' کی روایت میں ہے:

حضرت اسمٰعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہم لوگ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس

عیادت کے لئے گئے، ہماری تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سارا گھر بھر گیا' تو انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ کر فرمایا: ہم لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے گئے' ہماری تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سارا گھر بھر گیا، انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ کر فرمایا: ہم لوگ حضور ﷺ کی عیادت کرنے گئے اور ہماری تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سارا گھر بھر گیا، آپ ﷺ پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے، جب آپ ﷺ نے ہمیں دیکھا تو اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور فرمایا: میرے بعد تمہارے پاس بہت لوگ علم حاصل کرنے آئیں گے تم انہیں خوش آمدید کہنا اور ان سے سلام ومصافحہ کرنا اور انہیں خوب سکھانا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ہمیں تو ایسے لوگ ملے جنہوں نے نہ تو ہمیں خوش آمدید کہا اور نہ ہم سے سلام اور مصافحہ کیا اور نہ ہمیں سکھایا، بلکہ جب ہم ان کے پاس گئے تو ہمارے ساتھ جفا کا معاملہ کیا۔ (حضرت حسن بصری رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد والے لوگوں کی شکایت کر رہے ہیں)۔

(حیاۃ الصحابہ ص۲۰۳، ج۳، اردو ص۳۲۰، ج۳۔ ابن ماجہ ص۲۲، باب الوصايا بطلبة العلم)

کیا عیادت کے وقت ہدیہ لیجانے کا ثبوت ہے؟

ہمارے یہاں عیادت کے لئے جاتے وقت عامۃً پھل یا کوئی مشروب وغیرہ ہدیہ ساتھ لیجانے کا رواج ہے، اس کے متعلق کوئی حدیث یا اثر مجھے باوجود تلاش کے نہ ملا۔ ناظرین کی نظر سے کوئی روایت ایسی گذرے تو احقر کو ضرور مطلع فرمائیں۔

عیادت کے وقت ہدیہ کے ثبوت پر مفتی محمود حسن صاحب کا جواب

حسن اتفاق کہ ان سطور کی تحریر کے وقت فقیہ العصر مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کی برطانیہ تشریف آوری ہوئی۔ راقم نے دار العلوم بری میں حضرت

سے اس بارے میں سوال کیا کہ: عیادت کے لئے ہدیہ لیجانے کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ جواباً فرمایا: ’’الاشباہ والنظائر‘‘ دیکھی؟ میں نے نفی میں جواب دیا، پھر فرمایا: اس کے مقدمہ میں یہ اشعار ہیں ؎

لقد مرضت و عادنی من لیس معه خردلة

تعسا له من زائر و عائد بلا صلة

(غمزعیون البصائر شرح کتاب الاشباہ و النظائر ص۱۸، مقدمه)

جب میں بیمار ہوا تو ایسے آدمی نے میری عیادت کی جس کے پاس دانہ تک نہ تھا۔

افسوس ہے بغیر صلہ (ہدیہ) کے زیارت کرنے والوں اور عیادت کرنے والوں کے لئے۔

بعد میں دوران مطالعہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے’’ اصلاحی خطبات‘‘ میں اس پر صراحت مل گئی، الحمدللہ۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا بیان

مریض کی عیادت کے موقع پر ایک اور رسم ہمارے یہاں جاری ہے وہ یہ کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عیادت کے لئے جائیں تو کوئی ہدیہ، تحفہ ضرور لیکر جانا چاہئے، مثلاً پھل، فروٹ، بسکٹ وغیرہ اور اس کو اتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ بعض لوگ جب تک کوئی ہدیہ لیکر جانے کی استطاعت نہیں ہوتی عیادت کے لئے ہی نہیں جاتے، اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر خالی ہاتھ چلے گئے تو وہ مریض یا مریض کے گھر والے کیا سوچیں گے کہ خالی ہاتھ عیادت کے لئے آ گئے۔ یہ ایسی رسم ہے کہ جس کی وجہ سے شیطان نے ہمیں عیادت کے عظیم ثواب سے محروم کر دیا ہے، حالانکہ عیادت کے وقت کوئی ہدیہ، تحفہ لیکر جانا نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب، پھر کیوں ہم نے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ خدا کے لئے اس رسم کو

چھوڑ دو اور اس کی وجہ سے عیادت کے فضائل اور اس پر ملنے والے اجر وثواب سے محروم مت ہو جاؤ، اللہ تعالی ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے۔(اصلاحی خطبات ص۱۷۹، ج۶)

آخر میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ رسالہ میں اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ کوئی بات بغیر تحقیق وحوالہ کے درج نہ ہو۔رسالہ کی تکمیل پر حضرۃ الاستاذ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ سے نظر ثانی کی درخواست کی ،حضرت نے نظر ثانی فرمائی اور بعض جگہ اصلاح فرمائی۔حق تعالی حضرت کو بہترین بدلہ عطا فرمائیں ،تاہم اپنی کم علمی وکم فہمی سے کوئی لغزش نظر آئے تو اہل علم راقم کو مطلع فرمائیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ملفوظ: حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ ناظم اعلی مظاہر علوم سہارنپور

عیادت عبادت سے افضل ہے

فرمایا:’’العیادة خیر من العبادة ‘‘(بیمار پرسی بہتر ہے عبادت سے)اور فرماتے تھے کہ عیادت میں یاء ہے اور عبادت میں باء ،یاء میں دو نقطے ہیں اور باء میں ایک نقطہ تو عیادت میں ایک نقطہ عبادت سے زائد ہے،اسی طرح ’’ی‘‘ کے عدد دس ہیں اور ’’ب‘‘ کے دو،تو بحساب ابجد عیادت کے عدد عبادت سے آٹھ زائد ہوئے،تو گویا عیادت کی خیر عبادت (نافلہ) سے آٹھ گنے بڑھی ہوئی ہے۔

نیز عیادت میں نفع رسانی (اور دلجوئی) ہے،اور عبادت میں نفع اندوزی ہے،اور ظاہر ہے کہ اول افضل ہے،لہذا ’’ العیادة خیر من العبادة لفظاً و معنیً و عدداً و رتبة ‘‘ عیادت عبادت سے لفظوں میں معنی میں عدد اور مرتبہ میں ہر طرح بڑھی ہوئی ہے۔

(حیات اسعد ص۵۴۸)

اَمَرَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِعِیَادَةِ الْمَرِیْضِ

(۱)...... عن اَبِی موسیَ الاشعرِیّ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَ عُوْدُوْا الْمَرِیضَ وَ فُکُّو العَانِی۔

(رواہ البخاری ، باب وجوب عیادہ المریض ، کتاب المرضی)

مریض کی عیادت کاحکم

ترجمہ:......حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بھوکوں کوکھلاؤ،اور بیماروں کی عیادت کرو،اور ناحق جولوگ قید کردیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔(بخاری ص۸۴۳،ج۲)

تشریح:......اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ عیادت صرف مریض کا حق ہی نہیں، بلکہ ہادی عالم ﷺ کا حکم ہے،جس کی تعمیل ’’ہم خرما وہم ثواب‘‘(وہ کام جس میں لذت بھی ہو اورثواب بھی ہو،مطلب یہ کہ ایسا کام جس میں دوہرا فائدہ ہو) کادرجہ رکھتی ہے۔

محدث عظیم ملاعلی قاری رحمہ اللہ’’عودوا المریض‘‘کے تحت تحریرفرماتے ہیں:

’’امر من العیادۃ‘‘یعنی اس میں عیادت کاحکم ہے۔(مرقاۃ ص۳۴۶ ج۳)

عیادت فرض ہے یا واجب یا سنت؟ اس باب میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’یحتمل ان یکون الامر علی الوجوب‘‘

داؤدظاہری کا یہی مسلک ہےاور جمہور علماء عدم وجوب کے قائل ہیں۔

(حاشیہ بخاری ص۸۴۳،ج۲،حاشیہ۱۵)

صاحب مظاہر حق رحمہ اللہ نے بہت دل کولگتی بات لکھی:

''ایسے ہی اس بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی سنت ہے، جس کا کوئی خبر گیر اور تیمار دار ہو، اور اس بیمار کی عیادت و مزاج پرسی واجب ہے، جس کا کوئی خبر گیر و تیمار دار نہ ہو''۔

(مظاہر حق ص ۲۶ ج ۲)

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد مبارک ''عودوا المریض '' میں صیغہ امر سے عیادت کی جو اہمیت سمجھی جا سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اور شاید اسی اہمیت کو بتلانے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں لفظ وجوب ذکر فرمایا: ''باب وجوب عیادۃ المریض ''۔

اسی طرح ایک صحیح روایت میں جو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''امرنا'' کا لفظ آیا ہے: ''امرنا بعیادۃ المریض ''۔

(بخاری ص ۱۶۶ ج ۱، باب الامر باتباع الجنائز)

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مریض کی عیادت بالاجماع سنت ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ، اور عیادت کے سنت ہونے میں رشتہ دار و اجنبی، متعارف و غیر متعارف سب برابر ہیں:

''واما عیادۃ المریض فسنۃ بالاجماع ، وسواء فیہ من یعرفہ ومن لا یعرفہ والقریب والاجنبی ، واختلف العلماء فی الاوکد والافضل ''۔

(مسلم ص ۱۸۸ ج ۲، باب تحریم استعمال اناء الذھب ، الخ ،کتاب اللباس)

لفظ عیادت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عیادت مریض میں ایک دفعہ کی زیارت پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ متعدد مرتبہ زیارت ہوتا کہ مریض کے احوال کی خبر رہے:

''وقال القرطبی ولفظ العیادۃ یقتضی التکرار والرجوع الیہ مرۃ بعد اخری لیعلم حالہ ''۔ (تکملۃ فتح الملھم ص ۵۷۱، باب فضل عیادۃ المریض ، کتاب البر والصلۃ)

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ

(۲)......عَنْ اَبِی هُرَيْرَة رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم : حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ : رَدُّ السَّلَامِ ' وَ عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ ' وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ ' وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔

(رواه البخاری ، باب الامر باتباع الجنائز ، کتاب الجنائز ، مسلم ، باب من حق المسلم للمسلم الخ ، کتاب السلام)

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق

ترجمہ: ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (ایک) مسلمان کے (دوسرے) مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینکنے والے کا جواب دینا۔

تشریح: ......حدیث بالا میں پانچ حقوق بیان فرمائیں۔علماء نے لکھا ہے کہ: یہ پانچوں حقوق فرض کفایہ ہیں۔''مرقاۃ''میں ہے:

''ای خصال کلهم فروض كفاية'' ۔(ص۳۴۶ج۳)

بیمار کی عیادت اور جنازہ کے ساتھ جانے کے حکم سے اہل بدعت مستثنی ہیں:

''ويستثنى منهما اهل البدع''۔(مرقاۃ)

اسی طرح فاسق کی عیادت کے بارے میں اصح قول یہ ہے کہ''لابأس به''اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''وجاز عيادة فاسق على الاصح ، لانه مسلم والعيادة من حقوق المسلمين''۔

(شامی ص۵۵۶ج۹،مکتبہ دارالباز، کتاب الحظر والاباحة ، فصل فی البيع)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شراب پینے والے جب بیمار پڑے تو ان کی عیادت کے لئے نہ جاؤ۔ (آداب زندگی ص ۳۱۱)

اس حدیث میں پانچ حقوق کا ذکر ہیں۔ مسلم کی ایک روایت میں:

''حق المسلم علی المسلم ست''

کے الفاظ آئے ہیں، اس میں:

'' واذا استنصحک فانصح له ''

کی زیادتی ہے یعنی جب تم سے کوئی خیر خواہی چاہے تو اس کے حق میں خیر خواہی کرو۔

(مسلم ص ۳۱۷ ج ۲، باب فضل عیادة المریض)

اور مسلم ہی کی ایک روایت میں عیادت کے متعلق ہے:

''واذا مرض فعده''

یعنی جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔

یہ مسلمان کا حق ہے، جس کی تشریح ''الترغیب والترھیب'' کے محشی نے یوں کی ہے کہ: مسلمان پر اس حق کی ادائیگی کا حکم وجوبی ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے قیامت کے دن اس پر سوال ہوگا:

'' للمسلم اداؤہ وجوبا بمعنی انه یسأل عنه یوم القیامة کما قال العلماء''

(الترغیب ص ۳۱۶ ج ۴)

اَھَمِیَّۃُ الْعِیَادَۃِ

(۳)......عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی الله علیه وسلم : اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ : یَاابْنَ اٰدَمَ ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِی ، قَالَ : رَبِّ کَیْفَ

اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ؟ قَالَ : اَمَا عَلِمْتَ ؟ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ ' اَمَا عَلِمْتَ ؟ اَنَّکَ لَوْ عُدْتَّہٗ لَوَجَدْتَّنِی عِنْدَہٗ ، یَاابْنَ اٰدَمَ ! اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِی، فَقَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ؟ قَالَ : اَمَا عَلِمْتَ ؟ اَنَّہٗ اِسْتَطْعَمَکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْہُ ، اَمَا عَلِمْتَ ؟ اَنَّکَ لَوْ اَطْعَمْتَہٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِیْ ، یَا ابْنَ اٰدَمَ ! اِسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِی ' قَالَ : یَا رَبِّ کَیْفَ اَسْقِیْکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ؟ قَالَ : اِسْتَسْقَاکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ ' فَلَمْ تَسْقِہٖ ، اَمَا عَلِمْتَ ؟ اَنَّکَ لَوْ سَقَیْتَہٗ لَوَجَدتَّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ۔

(رواہ مسلم ، باب عیادۃ المریض ، کتاب البر الصلہ والادب ،کذا فی المشکوۃ ،کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض)

عیادت کی اہمیت

ترجمہ:......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی قیامت کے دن فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار رہوا اور تو نے میری عیادت نہ کی، بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں آپ کی عیادت کس طرح کرتا کہ آپ تو دونوں جہاں کے رب ہیں؟ اللہ تعالی فرمائیں گے: کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس بیمار بندہ کی عیادت کرتا تو مجھے (یعنی میری رضا) اس کے پاس پاتا۔ (پھر اللہ تعالی فرمائیں گے:) اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں آپ کو کھانا کس طرح کھلاتا آپ تو دونوں جہاں کے رب ہیں؟ اللہ تعالی فرمائیں گے: کیا تجھ سے میرے فلاں بندہ نے کھانا مانگا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا، کیا تجھے علم

نہیں تھا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اسے (یعنی اس کے ثواب کو) میرے پاس پاتا۔ (پھر حق تعالی فرمائیں گے:) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب میں کس طرح آپ کو پانی پلاتا آپ تو دونوں جہاں کے رب ہیں؟ اللہ تعالی فرمائیں گے: تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی مانگا تو نے اسے پانی نہیں پلایا، کیا تجھے خبر نہیں تھی کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے (یعنی اس کے ثواب کو) میرے پاس پاتا۔ (مسلم ص ص ۳۱۸، ج ۲۔ مشکوۃ ص ۱۳۴)

تشریح:......حدیث پاک میں اللہ تعالی نے بندہ کی عیادت کو اپنی عیادت کے مترادف قرار دیا، جب کہ اس کی ذات ان تمام تقاضوں سے پاک ہیں۔ حق تعالی نے اپنے بندوں کے دلوں میں عیادت کی اہمیت اور شوق ورغبت کے خاطر اپنے حبیب پاک ﷺ کی زبانی یہ اعلان فرمایا۔

تیمارداری کے ضمن میں یہ امر بھی بطور خاص قابل ذکر ہے کہ عیادت کا یہ حکم عام ہے، اپنے ہو یا پرائے، امیر ہو یا غریب، قریبی ہو یا اجنبی ہر ایک کی عیادت باعث اجر ہے۔

حدیث بالا کی مذکورہ تینوں صورتوں میں یہ فرق قابل غور ہے کہ عیادت کے معاملہ میں حق تعالی یہ فرمائیں گے: اگر تو مریض کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اور کھانا کھلانے اور پانی پلانے کے متعلق فرمائیں گے: اگر تو کھانا کھلاتا اور پانی پلاتا تو اس کا اجر میرے پاس پاتا۔ اس سے کھلانے اور پلانے پر مریض کی عیادت کی افضلیت ظاہر وعیاں ہے۔

صاحب مثنوی مولانائے روم رحمہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک قصہ نقل کیا ہے، جس میں بیمار کی عیادت کو حق تعالی نے اپنی عیادت فرمایا ہے۔ حضرت مولانا

حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ کی تصنیف ''معارف مثنوی'' سے اس کومن وعن نقل کرتا ہوں۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیادت مریض

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ! تم نے میری بیماری میں میری عیادت نہیں کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

گفت سبحانا تو پاکی از زیاں   ایں چہ رمز ست ایں بکن یارب بیاں
گفت آرے بندۂ خاص گزیں   گشت رنجور او منم نیکش ببیں
ہست معذوریش معذوری من   ہست رنجوریش رنجوری من
در عیادت رفتن تو فائدہ ست   فائدہ آں باز با تو عائد ست
ور عدو باشد ہم ایں احساں نکوست   کہ باحساں بس عدو گشتست دوست
ور نگر دو دوست کینش کم شود   زانکہ احساں کینہ را مرہم شود
بس فوائد ہست غیر ایں ولیک   از درازی خائفم اے یار نیک

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب! آپ پاک ہیں نقصان اور بیماری سے، اور آپ کے اس ارشاد میں کیا راز ہے ظاہر فرما دیجئے۔

غیب سے آواز آئی اے موسیٰ! میرا ایک خاص بندہ جو میرا منتخب ہے بیمار ہو گیا آپ اس کو بنگاہ استحسان دیکھے۔

اس مقرب بارگاہ حق کی معذوری میری معذوری ہے اور اس کی بیماری میری بیماری ہے۔

تمہارا اس کی عیادت کے لئے جانا تمہارا ہی فائدہ ہے، اور اس کا فائدہ ثواب اور قرب اور ثمرہ دعائے خاص اس بیمار کا تمہیں کو لوٹ کر سب کچھ ملے گا۔

اوراگر بیمار کوئی دشمن بھی ہوتو بھی اس کی عیادت بہتر ہے، کیونکہ احسان سے دشمن بھی بسا اوقات دوست ہوجاتا ہے۔

اوراگراس عمل سے دوست نہ بھی ہواتو کم ازکم اس کی عداوت اورکینہ میں کمی ہوجاوے گی،اس واسطے کہ احسان زخم کینہ کے لئے مرہم ہوتا ہے۔

اوربھی احسان میں بہت سے فوائد ہیں اس کے علاوہ،لیکن درازی مضمون سے ڈرتا ہوں میں اے نیک دوست ۔(معارف مثنوی ص۲۵۴)

فَضَائِلُ الْعِيَادَةِ

(۴)......عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : مَنْ عَادَ مَرِيْضاً لَمْ يَزَلْ يَخُوْضُ الرَّحْمَةَ حَتّٰى يَجْلِسَ ، فَإِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيْهَا۔

(رواه مالک واحمد كذا فی المشكوة ، باب عيادة المريض)

عیادت کے فضائل

ترجمہ:حضرت جابررضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جب کوئی شخص کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ بیٹھتا نہیں دریائے رحمت میں داخل رہتا ہے، اور جب بیمار کے پاس بیٹھتا ہے تو دریائے رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔(مشکوۃ ص۱۳۸)

(۵)......عَنْ اَبِی هُرَيْرَة رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : مَنْ عَادَ مَرِيْضاً نَادٰى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاکَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا ۔(رواه ابن ماجة ، باب ماجاء فی ثواب من عاد مريضا)

ترجمہ:......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ تعالی کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ:تو

مبارک اور عیادت کے لئے تیرا چلنا مبارک اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔

(ابن ماجہ ص ۱۰۴۔ مشکوۃ ص ۱۳۷)

تشریح:......اس روایت میں ''نادی مناد فی السماء'' کے الفاظ ہیں، اور ''ابن حبان'' کی روایت میں ہے: '' اذا عاد الرجل أو زاره قال الله تعالى طبت '' الخ، جب کوئی آدمی کسی مریض کی عیادت یا زیارت کرتا ہے تو حق تعالی فرماتے ہیں کہ: تو مبارک اور تیرا چلنا مبارک۔ (الترغيب والترهيب ، تحت رقم الحديث:۵۰۸۹)

(۶)......عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ صلی الله علیه وسلم : عُوْدُوا الْمَرْضٰی ، وَاتْبَعُوْا الْجَنَائِزَ ، تُذَكِّرُكُمُ الآخِرَةَ۔

(رواه احمد والبزاروابن حبان فی صحیحه ، كذا فی الترغیب)

ترجمہ:......حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ: بیماروں کی عیادت کرو، جنازہ کے ساتھ جایا کرو، یہ باتیں تم کو آخرت یاد دلایا کریں گی۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۴۲/۲۳/۳۔ ابن حبان، حدیث نمبر: ۲۹۵۵۔ ترغیب ص ۳۱۸ ج ۴، حدیث نمبر: ۵۰۸۵)

(۷)......عَنْ اَنَسٍ رضی الله عنه قَال : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَقُوْلُ : اَيُّمَا رَجُلٍ يَعُوْدُ مَرِيْضاً فَاِنَّمَا يَخُوْضُ فِی الرَّحْمَةِ ، فَاِذَا قَعَدَ عِنْدَ الْمَرِيْضِ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ ، قَالَ : فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! هٰذَا لِلصَّحِيْحِ الَّذِی يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ فَمَا لِلْمَرِيْضِ ؟ قَالَ : تُحَطُّ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ ۔

(رواه احمد ، ورواه ابن ابی الدنيا والطبرانی فی الصغير والاوسط وزاد : فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم : '' اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ ثَلاَ ثَةَ اَيَّامٍ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ''

ترجمہ: ......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ: جو آدمی مریض کی عیادت کرتا ہے وہ (اللہ کی) رحمت میں داخل رہتا ہے، پس جب مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! (یہ فضیلت تو) بیمار کی عیادت کرنے والے کے لئے ہے، مریض کو کیا ملے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس مریض سے اس کے گناہ ختم ہوجائیں گے۔

(اورایک روایت میں یوں آیا ہے کہ:) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ تین دن بیمار رہتا ہے تو گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ آج ماں کے پیٹ سے آیا ہو۔

(مسنداحمد ص ۲۵۵ ج ۳ ۔ ترغیب ص ۳۲۱ ج ۴، حدیث نمبر: ۵۰۹۵)

(۸)......عَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : مَنْ عَادَ مَرِيْضاً خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ ، فَإِذَا جَلَسَ عِنْدَهُ اسْتَنْقَعَ فِيْهَا۔

(رواه احمد باسناد حسن ، والطبرانی فی الكبير والاوسط ، ورواه فيهما ايضا من حديث عمرو ابن حزم وزاد فيها" وَإِذَا قَامَ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَا يَزَالُ يَخُوْضُ فِيْهَا حَتّٰى يَرْجِعَ مِنْ حَيْثُ خَرَجَ (كذا فی الترغيب)

ترجمہ: ......حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو گویا وہ دریائے رحمت میں داخل ہوتا ہے، اور جب مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو گویا اس نے رحمت باری تعالی کے سمندر میں غوطہ لگالیا۔ (مسنداحمد ص ۴۶۰ ج ۳ ۔ ترغیب ص ۳۲ ج ۴، حدیث نمبر: ۵۰۸۷)

عَائِدُ الْمَرِيْضِ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ

(۹)......عَنْ ثَوْبَان رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : إِنَّ

الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔

(رواه مسلم، باب فضل عيادة المريض، كتاب البر والصلة والادب، مشكوة، باب عيادة المريض)

عیادت کرنے والا جنت کے باغ میں

ترجمہ:......حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بندۂ مؤمن جب اپنے صاحب ایمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (مسلم ص۳۱۷ج۲۔مشکوۃ ص۱۳۴)

دُعَاءُ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ

(۱۰)......عَنْ عَلِيٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِماً غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُونَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ، وَكَانَ لَهُ خَرِيْفٌ فِي الْجَنَّةِ۔

(رواه الترمذى، باب ماجاء فى عيادة المريض، وابو داؤد، باب فى فضل العيادة على وضوء، كتاب الجنائز، ومشكوة، باب عيادة المريض)

ستر ہزار فرشتوں کا رحمت کی دعا کرنا

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو مسلمان دوسرے مسلمان کی دن کے پہلے حصہ میں (یعنی دوسرے پہر سے پہلے پہلے) عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے شام تک رحمت و مغفرت کی دعا

کرتے ہیں، اور جو مسلمان دن کے آخری حصہ میں (یعنی زوال کے بعد) عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے صبح تک رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں، اور بہشت میں اس کے لئے ایک باغ مقرر کردیا جاتا ہے۔ (ترمذی ص۱۹۱ ج۱۔ابوداؤد ص۸۶ ج۲۔مشکوۃ ص۱۳۵)

تشریح: ......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے، بعض میں ہے کہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ما من مسلم ، الخ ''اوراس میں بجائے''صلی علیہ'' کے''یستغفرون له ان کان مصبحا ، الخ'' کے الفاظ ہیں۔

اورایک روایت میں ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا '' اعائدا جئت أم زائرا ؟ ''عیادت کے لئے آئے ہو یا زیارت کے لئے؟ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عیادت کے لئے آیا ہوں ،تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اوپر والی فضیلت سنائی۔ (حیاۃ الصحابہ،ص۱۱۵ ج۲)

اسی طرح اس روایت میں''صلی'' کا لفظ ہے،ایک روایت میں'' خرج معه سبعون'' اورایک روایت میں''یبعث الله الیه سبعون ملک '' کے الفاظ آئے ہیں۔

(الترغیب والترھیب ص۳۲۰، ج۴، تحت رقم الحدیث:۵۰۹۲)

خَمْسٌ لَهُمْ بَشَارَةُ الْجَنَّةِ

(۱۱)......عَنْ اَبِی سعید رضی الله عنه : اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰه صلی الله علیه وسلم يَقُوْلُ : خَمْسٌ مَنْ عَمِلَهُنَّ فِي يَوْمٍ كَتَبَهُ اللّٰهُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ : مَنْ عَادَ مَرِيْضاً ، وَ شَهِدَ جَنَازَةً ، وَصَامَ يَوْماً ، وَرَاحَ اِلَى الْجُمُعَةِ ، وَاَعْتَقَ رَقَبَةً۔

(رواه ابن حبان فی صحیحه ، کذا فی الترغیب)

پانچ کام کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت

ترجمہ:......حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ: پانچ کام ایسے ہیں جوان کوایک دن میں کرے تو اللہ تعالی اس کواہل جنت میں لکھ لے گا: بیمار کی عیادت، جنازہ پر حاضری، روزہ، جمعہ کی نماز، غلام کو آزادکرنا۔(ابن حبان، حدیث نمبر:۲۹۵۵۔ترغیب ص۳۱۸ ج۴، حدیث نمبر:۵۰۸۶)

تشریح:...... پانچ کام پر اللہ تعالی کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے۔علامہ مناوی رحمہ اللہ ’’کتبه الله من اهل الجنة‘‘ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالی ان کام کرنے والوں کے لئے مقدر کرتا ہے یا فرشتوں کوحکم دیتا ہے کہ اس کو اہل جنت میں سے لکھ لو۔ ساتھ ہی اس حدیث پاک میں بیان فرمودہ پانچ کام کرنے والوں کے لئے حسن خاتمہ کی بشارت ہے۔(فیض القدیر ص۶۰۹ ج۳)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ’’جامع صغیر‘‘ میں اس روایت کوتھوڑے سے فرق سے نقل کیا ہے۔اس میں: ’’من صام یوم الجمعة‘‘ کا لفظ ہے۔

کیا اللہ تعالی کی دین ہے کہ کوئی ایک کام ان اعمال میں سے کرلواور جنت کی بشارت حاصل کرلو۔حق تعالی کی اس دین پر بھی ہم لبیک نہ کہیں تو اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوسکتی ہے۔صحیح ہے ع

رحمت حق بہانہ می جوید

(۱۲)......عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : خَمْسٌ مَنْ فَعَلَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ كَانَ ضَامِناً عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ : مَنْ عَادَ مَرِيْضاً ، اَوْ خَرَجَ مَعَ جَنَازَةٍ ، اَوْ خَرَجَ غَازِياً ، اَوْ دَخَلَ عَلٰى اِمَامٍ يُرِيْدُ تَعْزِيْرَهُ وَ تَوْقِيْرَهُ ، اَوْ قَعَدَ فِي

بَيْتِهٖ فَسَلِمَ النَّاسُ مِنْهُ وَسَلِمَ مِنَ النَّاسِ۔

(رواه احمدوالطبرانی ، واللفظ له ، ابو يعلی وابن خزيمة وابن حبان فی صحيحيهما ، وروی ابو داؤد نحوا من حديث ابی امامة ، كذا فی الترغيب)

ترجمہ:......حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ: پانچ کام ایسے ہیں اگران میں سے ایک کام بھی کوئی کرلے تو اللہ تعالی اس کا ضامن ہے: بیمار کی عیادت، جنازہ کے ساتھ جانا، جہاد کے لئے نکلنا، امام عادل کی خدمت میں حاضر ہونا اوراس کی توقیر وعزت کرنا، اپنے گھر میں بیٹھنا تاکہ لوگ اس سے سلامت رہیں اوروہ لوگوں سے سالم رہے۔

(مسند احمد ص ۲۴۱ ج ۵۔ابن حبان ص ۳۷۲۔ترغیب ص ۳۱۹ ج ۴،حدیث نمبر:۵۰۸۷)

ثَلاثَةٌ فِی ظِلِّ الْعَرْشِ

(۱۳)......قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم : ثَلاثَةٌ فِی ظِلِّ الْعَرْشِ : عَائِدُ الْمَرِيْضِ وَمُشَيِّعُ الْمَوْتٰی وَطَائِعُ وَالِدَيْهِ۔(المستطرف فی كل فن مستظرف ص ۳۵۳ ج ۲)

عرش الٰہی کے سایہ میں رہنے والے تین شخص

ترجمہ:......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے: مریض کی عیادت کرنے والا، جنازہ کے ساتھ چلنے والا، والدین کی اطاعت کرنے والا۔

تشریح:......''طبرانی'' کی روایت میں اللہ کے سایہ میں ہونے کی فضیلت بھی آئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمراورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ:

جوکسی مسلمان بھائی کی حاجت پورا کرنے کے لئے چلے تو اللہ تعالی پچھتر ہزار فرشتوں کے ذریعہ اس کو سایہ میں رکھے گا جو اس کے لئے دعا کریں گے اوروہ فراغت تک برابر

رحمت میں رہے گا، پھر جب وہ مسلمان کی حاجت میں مدد کرنے سے فارغ ہوگا تو اللہ تعالی اس کے لئے ایک حج اور عمرہ کا ثواب لکھ لیں گے۔

اور جو کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو پچھتر ہزار فرشتوں کے ذریعہ سایہ میں رکھے گا کہ عیادت کرنے والا جب بھی کوئی قدم اٹھاوے گا تو وہ اس کے لئے ایک حسنہ لکھ لیں گے، اور جو بھی قدم رکھے گا اس پر ایک گناہ مٹا دیا جائے گا، اور اس کا درجہ بلند ہوتا رہے گا یہاں تک کہ وہ منزل مقصود پر جا کر بیٹھ جائے۔ پھر جب مریض کے پاس بیٹھے گا تو اس کو رحمت ڈھانپ لے گی، اور برابر یہ فضیلت حاصل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔ (الترغیب والترہیب ص۳۲۱ ج۴، رقم الحدیث:۵۰۹۴)

خِصَالُ الْجَنَّةِ وَ بَشَارَتُهَا لِاَبِی بَكْرٍ رضی الله عنه

(۱۴)...... عَنْ اَبِی هُرِيرة رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِماً ؟ فَقَالَ اَبُو بكر رضی الله عنه : اَنَا ، فَقَالَ: مَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيناً ؟ فَقَالَ ابو بكررضی الله عنه : اَنَا ، فَقَالَ : مَنْ تَبعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً ؟ فَقَالَ ابو بكررضی الله عنه : اَنَا ، قَالَ : مَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضاً ؟ قَالَ ابو بكر رضی الله عنه : اَنَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : مَا اجْتَمَعَتْ هٰذِهِ الْخِصَالُ قَطُّ فِی رَجُلٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔

(رواه ابن خزيمة فی صحيحه ، كذا فی الترغيب، رقم الحديث:۵۰۸۸)

جنتی کی عادتیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے جنت کی بشارت

ترجمہ:...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: ایک دن سرکار دوعالم ﷺ نے لوگوں سے دریافت فرمایا: تم میں سے آج کون روزہ دار ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ

عنہ نے فرمایا: میں۔آپ ﷺ نے پوچھا: تم میں سے آج کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے۔آپ ﷺ نے سوال فرمایا: تم میں سے آج کون کسی جنازہ کے ساتھ حاضر ہوا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں۔آپ نے ﷺ نے دریافت فرمایا: تم میں سے کس نے آج کسی مریض کی عیادت کی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس کسی میں یہ عادتیں جمع ہوتی ہیں وہ جنت میں جاتا ہے۔(ترغیب ص ج۳۱۹ ج۴)

عَمَلٌ فِیْہِ ثَوَابُ اَلْفِ سَنَةٍ بِغَیْرِ الْمَعْصِیَّةِ

(۱۵)......عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : مَنْ عَادَ مَرِيْضاً ، وَ جَلَسَ عِنْدَهُ سَاعَةً ، اَجْرَى اللّٰهُ لَهُ عَمَلَ اَلْفِ سَنَةٍ لا يُعْصَى اللّٰهُ فِيْهَا طَرْفَةَ عَيْنٍ۔(رواه ابن ابى الدنيا فى كتاب المرضى والكفارات ، كذا فى الترغيب)

ہزار سال کی ایسی عبادت جس میں پل بھر گناہ نہ ہو

ترجمہ:......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے مریض کی عیادت کی اور اس کے پاس ایک گھڑی بیٹھا تو اللہ تعالی اسے ایسے ہزار سال کے عمل کا بدلہ دیں گے کہ اس میں پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ تعالی کی نافرمانی نہ کی ہوگی۔(ابن ابی الدنیا ص ۵۹ ،ترغیب ص۳۲۱ ج۴، حدیث نمبر:۵۰۹۳)

اَلدُّعَاءُ لِلْمَرِيْضِ عِنْدَ الْعِيَادَةِ

(۱۶)......عَنْ عائشة رضی الله عنها قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اِذَا اشْتَكَى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِيَمِيْنِهٖ ، ثُمَّ قَالَ : اَذْهِبِ الْبَأسَ رَبَّ النَّاسِ

وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِی لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ کَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقْماً۔

(متفق علیه ، کذافی المشکوة ، باب عیادة المریض)

عیادت کی مسنون دعا

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ ﷺ اس پر اپنا داہنا ہاتھ پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے: اے لوگوں کے رب! بیماری دور فرمادے اور شفا عطا فرمادے، آپ ہی شفا دینے والے ہیں، بس آپ ہی کی شفا' شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے۔ (مشکوۃ ص ۱۳۴)

(۱۷)......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِماً فَیَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ :" اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَشْفِیَکَ" اِلَّا شُفِیَ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ قَدْ حَضَرَ اَجَلُهٗ۔

(رواہ ابوداؤد ، باب عیادة المریض ، ومشکوة ، باب الدعاء للمریض)

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان کسی بیمار کی عیادت کرے اور سات مرتبہ یوں کہے: میں اللہ بزرگ و برتر سے جو عرش عظیم کا مالک ہے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا دے تو اللہ تعالی اسے شفا دیتا ہے بشرطیکہ اس کی موت کا وقت نہ آ گیا ہو۔ (ابوداؤد ص ۸۶ ج ۲۔ مشکوۃ ص ۱۳۵)

(۱۸)......عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : اِذَا جَاءَ الرَّجُلُ یَعُوْدُ مَرِیْضاً فَلْیَقُلْ : اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَکَ یَنْکَالَکَ عَدُوًّا اَوْ یَمْشِی لَکَ اِلٰی جَنَازَةٍ ۔(رواہ ابو داؤد، باب دعاء المریض، ومشکوة ، باب عیادة المریض)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب کوئی شخص کسی مریض کے پاس عیادت کے لئے آئے تو اسے یہ دعائیہ الفاظ کہنے چاہئے: اے اللہ! اپنے بندے کو شفا دے تاکہ وہ تیرے دشمن کو ایذا پہنچائے (یعنی دشمنان دین سے جنگ و جدال کر کے اسے زخمی کرے) یا تیری خوشی و رضا کے خاطر جنازہ کی طرف (جنازہ کی نماز کے لئے) چلے۔ (ابوداؤد ص۸۷ ج۲۔ مشکوۃ ص۱۳۶)

(۱۹)...... عَنْ سَعَدِ بْنِ اَبِی وَقَاصٍ رضی الله عنه قَالَ : عَادَنِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی الله علیه وسلم فَقَالَ : اَللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا ، اَللّٰھُمَّ اشْفِ سَعْدًا ، اَللّٰھُم اشْفِ سَعْدًا۔

(رواہ مسلم ،کذا فی الریاض الصالحین)

ترجمہ:...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے میری عیادت فرمائی تو (مجھے دعا دیتے ہوئے) فرمایا: اے اللہ! سعد کو شفا دے، اے اللہ! سعد کو شفا دے، اے اللہ! سعد کو شفا دے۔ (ریاض الصالحین ص۳۵۷)

مَاکَانَ یَقُوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلاَمَ عِنْدَ الْمَرْضٰی

(۲۰)...... عَنِ ابْنِ عَبَاسٍ رضی الله عنهما قَالَ : کَانَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم اِذَا عَادَ الْمَرِیْضَ جَلَسَ عِنْدَ رَأْسِہٖ ' ثُمَّ قَالَ سَبْعَ مِرَارٍ: " اَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَشْفِیَکَ " فَاِنْ کَانَ فِی اَجَلَہٖ تَاخِیْرٌ عُوْفِیَ مِنْ وَجْعِہٖ۔

(رواہ البخاری فی الادب ، حیاۃ الصحابۃ)

مریض کے لئے آپ ﷺ کی دعا

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب کسی مریض کی عیادت فرماتے تو اس کے سرہانے تشریف رکھتے، پھر سات مرتبہ یہ دعا پڑھتے: میں بزرگ و برتر اللہ سے جو عرش عظیم کا رب ہے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا دے، پس

(آپ ﷺ کی دعا کی برکت تھی) اگر اس مریض کی وفات میں تاخیر ہوتی تو وہ اپنی بیماری سے عافیت دیا جاتا۔ (حیاۃ الصحابۃ ص۵۱۳ ج۲)

(۲۱)...... عَنْ عَائشة رضی الله عنها قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اِذَا عَادَ مَرِيْضاً يَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْمَكَانِ الَّذِیْ يَأْلَم ، ثُمَّ يَقُوْلُ : بِسْمِ اللّٰهِ لا بَأسَ۔

ترجمہ:...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ جب کسی بیمار کی عیادت فرماتے تو اپنا ہاتھ جسم کے اس حصہ پر رکھتے جہاں تکلیف ہوتی اور یہ دعا پڑھتے ''بِسْمِ اللّٰهِ لَا بَأسَ''۔ (رواہ ابویعلی ، حیاۃ الصحابۃ ص۵۱۲ ج۲)

(۲۲)...... عَنْ سلمان رضی الله عنه : دَخَلَ عَلَيَّ رَسولُ الله صلی الله علیه وسلم يعودني ، فلما اَرَادَ اَن يخرُجَ قالَ : يَا سَلمان ! كَشَّفَ اللّٰهُ ضُرَّكَ وَ غَفَرَ ذَنْبَكَ وَعَافَاكَ فِي دِيْنِكَ وَجَسدِكَ اِلٰى اَجلِك۔

(رواہ الطبرانی ، حیاۃ الصحابۃ ص۵۱۴ ج۲)

ترجمہ: ...... حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضور ﷺ میری عیادت کرنے تشریف لائے ، جب آپ باہر جانے لگے تو فرمایا: اے سلمان ! اللہ تعالی تمہاری بیماری کو دور کردے، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے، اور تمہیں دین میں اور جسم میں مرتے دم تک عافیت نصیب فرمائے۔ (حیاۃ الصحابہ اردو ص۷۹۷ ج۲)

دُعَاءُ جِبْرِيْلَ فِي مَرَضِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم

(۲۳)...... عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِي رضی الله عنه : اَنَّ جِبْرِيْلَ اَتَى النَّبِيَّ صلی الله علیه وسلم فَقَالَ : يَا مُحَمَّد ! اِشْتَكَيْتَ فَقَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَئٍ يُؤْذِيْكَ وَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْك۔

آنحضرت ﷺ کی علالت اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دعا

ترجمہ:......حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور (مزاج پرسی کے طور پر) کہا کہ: اے محمد! (ﷺ) کیا آپ علیل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہاں۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالی کے نام سے آپ پر افسوں (منتر) پڑھتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت پہنچائے، اور ہر اس شخص کی برائی یا حاسد آنکھ سے اللہ تعالی آپ کو شفا دے، اللہ تعالی کے نام سے آپ پر افسوں پڑھتا ہوں۔

(رواہ مسلم ، کذا فی المشکوۃ ، باب عیادۃ المریض۔مشکوۃ ص۱۳۴)

اَلْاِسْتِدْعَاءُ مِنَ الْمَرِیْضِ

(۲۴)......عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم : اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی مَرِیْضٍ فَمُرْہُ یَدْعُوْ لَکَ ، فَاِنَّ دُعَائَہٗ کَدُعَاءِ الْمَلَائِکَۃِ۔

(رواہ ابن ماجہ ، کذا فی المشکوۃ ، باب عیادۃ المریض)

مریض سے دعا کی درخواست کرنا

ترجمہ:......حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ تمہارے لئے دعا کرے، کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے۔(ابن ماجہ ص۱۰۴۔مشکوۃ ص۱۳۸)

(۲۵)......عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم : عُوْدُوا الْمَرْضٰی وَ مُرُوْھُمْ فَلْیَدْعُوا لَکُمْ فَاِنَّ دَعْوَۃَ الْمَرِیْضِ مُسْتَجَابَۃٌ وَ ذَنْبُہٗ مَغْفُوْرٌ۔

ترجمہ:......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مریض کی عیادت کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے، کیونکہ مریض کی دعا بلاشبہ قبول ہوتی ہے اور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ، کذا فی الترغیب ۔ترغیب ص۳۲۲ ج ۴،حدیث نمبر:۵۰۹۹)

(۲۶)......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم : لَا تُرَدُّ دَعْوَۃُ الْمَرِیْضِ حَتّٰی یَبْرَأَ۔

(رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب المرض والکفارات ، کذا فی الترغیب)

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مریض کی دعا شفایاب ہونے تک رد نہیں کی جاتی۔(ترغیب ص۳۲ ج ۴،حدیث نمبر:۵۱۰۰)

تشریح:......ان احادیث سے عیادت کا ایک ادب یہ بھی معلوم ہوا کہ مریض سے اپنے لئے دعا کراؤ، کیونکہ بیمار حالت مرض میں گناہوں سے احتراز کرتا ہے، ہمہ وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اکثر دعا واستغفار میں مصروف رہتا ہے، تو گویا مریض کو ملائکہ کی مشابہت حاصل ہے کہ ملائکہ بھی گناہوں سے پاک، یاد الٰہی میں مصروف اور دعا و بارگاہ الٰہی میں مناجات میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے بیمار کی دعا بھی فرشتوں کی دعا کی طرح مستجاب و مقبول ہوتی ہے حتی کہ آپ ﷺ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمادیا کہ: مریض کی دعا مرض رہنے تک رد ہی نہیں کی جاتی، اس لئے عیادت کرنے والوں کو بطور خاص اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے۔

’’جامع صغیر‘‘ کی ایک روایت میں بھی آیا ہے کہ: پانچ آدمیوں کی دعا قبول کی جاتی ہے: مظلوم کی دعا مدد کئے جانے تک، حاجی کی دعا واپس آنے تک، غازی کی دعا لوٹنے

تک، بیمار کی دعا صحت یابی تک، مسلمان بھائی کی اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا۔

(فیض القدیر ص۶۱۲ ج ۳، حدیث نمبر: ۳۹۷۰)

مَا يُقَالُ عِنْدَ الْمَرِيْضِ اِذَا حَضَرَ

(۲۷)......عَنْ اُمِّ سَلْمَة رضی الله عنها قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ اَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ مَا تَقُوْلُوْنَ۔

(رواه مسلم ، كتاب الجنائز ، باب ما يقال عند من حضر الموت)

عیادت کے وقت کیسی بات کی جائے

ترجمہ:......حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم کسی مریض کے پاس یا قریب المرگ کے پاس جاؤ تو بھلائی کی بات کرو، کیونکہ تمہاری زبان سے جو کچھ نکلتا ہے (دعائے خیر ہو یا دعائے شر) فرشتے آمین کہتے ہیں۔

(مسلم ص۳۰۰ ۔ مشکوۃ ص۱۴۰)

تشریح:......حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مریض کے سامنے خیر و بھلائی کے کلمات کہو، تسلی دو، جیسے آپ ﷺ نے عملاً امت کو اس کی تعلیم دی۔

بیمار سے اچھی بات میں یہ بھی داخل ہے کہ اسے نصیحت کی جائے، یہ بیمار کی صحیح خیر خواہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بیمار کی دنیوی راحت رسانی کا اس قدر خیال رکھا جاتا ہے کہ مریض کی عیادت کرنے والے یا دیکھ بھال کرنے والے نماز تک کہ فوت ہو جانے کو گوارہ کر لیتے ہیں، مثلاً بیمار سویا ہوا ہے اور نماز کا وقت نکل رہا ہے، ہم کہتے ہیں کہ: میاں! بیمار کو تکلیف ہوگی، بیداری کے بعد نیند نہیں آئے گی، نماز بعد میں قضا کر لے گا وغیرہ، مگر وہ اخروی تکلیف جو نماز کے فوت کرنے پر ہوگی اس کا خیال بھی نہیں آتا۔

نبی کریم ﷺ کا طرز عمل اس معاملہ میں ملاحظہ فرمائیے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: مجھے پیٹ کے درد کی شکایت تھی آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا تمہیں درد شکم ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا:

''قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ شِفَاءٌ''

اٹھو نماز پڑھو، کیونکہ نماز میں شفا ہے۔(ابن ماجہ ص ۲۴۷، باب الصلوۃ شفاء)

(۲۸)......عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ : اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عَادَ مَرِيْضاً فَقَالَ : اَبْشِرْ ، فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَقُوْلُ : هِیَ نَارِیْ اُسَلِّطُهَا عَلٰی عَبْدِی الْمُؤْمِنِ فِی الدُّنْيَا لِتَكُوْنَ حَظَّهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(رواه احمد وابن ماجه والبيهقی فی شعب الايمان ، كذا فی المشكوة)

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک بیمار کی عیادت فرمائی اور اس سے فرمایا کہ: تمہیں خوشخبری ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بخار میری آگ ہے، جسے میں اپنے بندہ پر اس لئے مسلط کرتا ہوں تا کہ وہ (بخار) اس کے حق میں قیامت کے دن دوزخ کی آگ کا بدلہ اور حصہ ہو جائے۔

(مشکوۃ ص ۱۳۸، باب عيادة المريض)

(۲۹)......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما : اَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم دَخَلَ عَلٰی اَعْرَابِیٍّ يَعُوْدُهٗ وَ كَانَ اِذَا دَخَلَ عَلٰی مَنْ يَعُوْدُهٗ قَال : لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

(رواه البخاری ، باب عيادة الاعراب)

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کسی اعرابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اور آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی مریض کی

عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو اس سے فرماتے ''لابأس'' کوئی بات نہیں انشاء اللہ (گناہوں سے) پاکیزگی ہوگی۔ (بخاری ص۸۴۴)

حدیث پاک میں جن اعرابی کا تذکرہ آیا ہے ان سے مراد قیس ابن ابی حازم رضی اللہ عنہ ہے۔ (دلیل الفالحین ص۳۸۵ ج۳)

مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيْفُ الْجُلُوسِ عِنْدَ الْعِيَادَةِ

(۳۰)......عَنْ اَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : اَلْعِيَادَة فُوَاقُ نَاقَةٍ ، وَ فِی رِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ رحمه الله مُرْسَلاً : اَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ الْقِيَامِ۔

(رواه البیهقی فی شعب الایمان، فصل فی آداب العیادة ،کذا فی المشکوة، باب عیادة المریض)

مختصر عیادت سنت ہے

ترجمہ:......حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیادت کا افضل مرتبہ اونٹنی کے دو مرتبہ دوہنے کے درمیانی وقفہ کے بقدر ہے۔ اور حضرت سعید ابن مسیّب رحمہ اللہ کی روایت جو بطریق ارسال منقول ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: بہترین عیادت وہی ہے جس میں عیادت کرنے والا جلد اٹھ کھڑا ہو۔

(بیہقی ص۵۴۳ ج۶۔ مشکوۃ ۱۳۸)

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ اونٹنی کو جب دوہتے ہیں تو ایک مرتبہ دوہ کر تھوڑی دیر رک جاتے ہیں، اور بچوں کو تھنوں سے لگا دیتے ہیں تا کہ دودھ خوب اترے، اس طرح دو مرتبہ دوہنے کا درمیانی وقفہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح عیادت میں بھی مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھنا چاہئے۔ علماء نے ''فواق ناقه'' کے مختلف معانی بیان کئے ہیں:

ایک یہ کہ:……اونٹنی کا دودھ دوہا جائے صبح کو اور پھر دوہا جائے شام کو،اس درمیانی وقفہ کو ''فواق ناقة '' کہتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ:……دودھ دوہا جائے ایک برتن میں جب وہ بھر جائے اس کو رکھ کر پھر دوہا جائے دوسرے برتن میں، یہ درمیان کا وقفہ ''فواق''کہلاتا ہے۔

تیسرا یہ کہ:……ایک برتن دوہا جائے پھر ذرا رک کر بچے کو تھنوں سے لگا دیا جائے تا کہ دودھ خوب اترے پھر دوبارہ شروع کردے،اس وقفہ کا نام'' فواق'' ہے۔

چوتھا یہ کہ:……ایک مرتبہ تھن سے دودھ کھینچنے کے بعد دوسری مرتبہ دودھ کھینچنے کے درمیانی وقفہ کو ''فواق ناقة''کہتے ہیں۔(مجمع بحار الانوار ص۱۸۲ج۴)

حدیث کو آخری تینوں معانی میں سے کسی ایک معنی پر حمل کیا جائے گا،اس لئے کہ پہلے معنی کے اعتبار سے وقفہ بہت زیادہ ہے جو اس مقام کے مناسب نہیں۔

(نفحات التنقیح ص۲۲ج۳)

اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ'' و من السنة تخفیف الجلوس فی العیادة'' عیادت میں کم بیٹھنا سنت ہے۔(المستطرف ص۳۵۳ج۲)

امام غزالی رحمہ اللہ نے''احیاء العلوم'' میں حضرت طاؤس رحمہ اللہ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ:''افضل عیادت وہ ہے جو سب سے ہلکی اور جلد ہو''۔(مذاق العارفین ص۳۴۶ج۲)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

مریض کے پاس کم بیٹھنا سنت ہے۔(مشکوۃ ص۱۳۸)

دیلمی کی''مسند فردوس'' میں ہے کہ:

بیمار کی مناسب بیمار پرسی یہ ہے کہ مزاج پرسی کرنے والا اس کے پاس سے جلد اٹھ

جائے۔(اسوۂ رسول اکرم ﷺ ص۴۱۶)

عیادت میں زیادہ دیر بیٹھے رہنے پر چند لطائف

بکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ حالت مرض میں تھے، چند ہم عصر عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور دیر تک بیٹھے رہے تو آپ نے ان سے فرمایا:

''المریض یعاد والصحیح یزار''

مریض کی عیادت کی جاتی ہے اور صحت مند کی زیارت کی جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ مریض کے پاس کم وقفہ ٹھہرنا چاہئے۔(المستطرف ص۳۵۳ ج۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: بعض حضرات مشہور بزرگ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کی عیادت کو گئے اور دیر تک بیٹھے رہے، اور وہ پیٹ کے درد سے بے چین ہورہے تھے، کافی دیر کے بعد انہوں نے حضرت سے کہا: آپ ہمارے لئے دعا فرمادیجئے! ہم رخصت ہوتے ہیں، اس پر حضرت سری رحمہ اللہ نے دعا فرمائی: ''اللھم علمھم کیف یعودون المرضی'' یا اللہ ان کو مریضوں کی عیادت کا طریقہ سکھا دیجئے۔

(مرقاۃ ص۳۸۰ ج۳)

ایسا ہی ایک لطیفہ منقول ہے کہ: ایک شخص کسی بیمار کی عیادت کو گیا اور لمبے وقت تک بیٹھا رہا، بیمار نے کہا آنے جانے والوں کی کثرت نے ہمیں تکلیف میں ڈال دیا (وہ بیچارہ ابھی بھی نہ سمجھا) بولا کہ اگر رائے ہو تو اٹھ کر دروازہ بند کردوں؟ بیمار نے کہا ہاں! مگر باہر سے۔

ایک بیمار کے پاس ایک جماعت بغرض عیادت آئی اور مزاج پرسی میں کافی دیر لگادی پھر جاتے وقت بیمار سے کہا کوئی وصیت فرمادیں! مریض نے کہا جب کسی کی عیادت کے لئے جاؤ تو دیر تک نہ بیٹھا کرو۔

بعض حضرات ایسے بھی گذرے ہیں کہ جو اشارات سے بھی نہیں سمجھتے ان کے لئے صراحت کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے ایک صاحب نے مریض کی عیادت کی اور اٹھنے کا نام نہیں لیا، پھر پوچھتا ہے آپ کو کیا تکلیف ہے مریض نے کہا آپ کے میرے پاس بیٹھے رہنے کی تکلیف ہے۔ (مرقاۃ،حوالہ بالا)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ ان واقعات کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ: اگر آدمی کو یقین ہو کہ میرے زیادہ بیٹھنے سے بیمار کو تکلیف نہیں ہوگی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مقصود عیادت سے راحت رسانی ہے، اگر مریض خود خواہشمند ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اس کے برخلاف عیادت سے مریض کی بیماری میں زیادہ تکلیف ہو تو اس سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ بقول شاعر بعض عیادت کرنے والے خود مرض ثابت ہوتے ہیں ۔

یعدن مریضا هن هیجن داء ہ الا ان بعض العوائد دائیا

وہ اس مریض کی عیادت کرتی ہیں جس کی بیماری کو بھڑکایا ہے، خبردار بعض عیادت کرنے والے خود مرض کا سبب ہوتے ہیں۔

فَضُلُ الْعِیَادَةِ عَلٰی وُضُوْءٍ

(۳۱)......عَنُ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم : مَنُ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَ عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِباً بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِیْرَةَ سِتِّیْنَ خَرِیْفاً ۔(رواه ابو داؤد ، باب فی فضل العیادة علی الوضوء ، ومشکوة ، باب عیادة المریض)

وضو کے ساتھ عیادت کی فضیلت

ترجمہ:......حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اچھے طریقہ سے وضو کیا اور حصول ثواب کے ارادے سے اپنے مسلمان بھائی

کی عیادت کی تو اس کو جہنم سے ساٹھ برس کی مسافت کے بقدر دور کر دیا جائے گا۔

(ابوداؤد ص ۸۵ ج ۲۔ مشکوۃ ص ۱۳۵)

تشریح:......اس حدیث سے عیادت کا ایک ادب وضو کرنا بھی معلوم ہوا، اور وجہ یہ ہے کہ عیادت عبادت ہے، اور عبادت میں وضو وطہارت سنت ہے (نماز ومس قرآن وغیرہ چند مواقع مستثنی ہیں کہ ان میں وضو فرض و واجب ہے) کہ وضو وطہارت سے عبادت کامل و افضل ہوتی ہے، اور عبادت کو علی وجہ الاکمل وعلی وجہ الافضل کرنا مطلوب ومرغوب ہے۔

(مرقاۃ ص ۳۶۲، ج ۳)

قِلَّةُ الصَّيْحَةِ عِنْدَ المرِيضِ

(۳۲)......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ : مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيْفُ الْجُلُوْسِ وَ قِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيْض ۔ (رواه رزين ، كذا فى المشكوة ، باب عيادة المريض)

عیادت کے وقت شور نہ کرنا

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: عیادت کے وقت مریض کے پاس کم بیٹھنا اور شور وغوغا نہ کرنا سنت ہے۔ (مشکوۃ ص ۱۳۸)

تشریح:......سنن عیادت میں مریض کے پاس کم بیٹھنا اس کے متعلق کلام حدیث نمبر: ۳۰ر پر گذر چکا۔

ایک سنت اس حدیث میں یہ بتلائی کہ مریض کے پاس شور وشغف سے احتراز کیا جائے، نہ معلوم مریض کس مصیبت وتکلیف سے گذر رہا ہے۔ عیادت کرنے والے کو اس مشقت کا کہاں احساس ہوسکتا ہے۔ کسی نے صحیح کہا ہے ؎

ما اقصر الليل على الراقد واهون السقم على العائد

رات کتنی مختصر ہے سونے والے پر اور بیماری کتنی آسان ہے عیادت کرنے والے پر اس لئے اللہ کے نبی ﷺ نے یہ ادب سکھلا دیا کہ شور نہ ہونا چاہئے۔ گرچہ حدیث میں ''قلة'' کا لفظ ہے مگر یہاں مراد عدم ہے: فالقلة بمعنی العدم۔ (مرقاۃ ص ۳۷۹ ج ۳)

وَقْتُ الْعِيَادَةِ

(۳۳)......عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لا يَعُوْدُ مَرِيْضاً اِلَّا بَعْدَ ثَلاَثٍ۔

(رواہ ابن ماجہ ، باب ماجاء فی عیادۃ المریض ، ابواب ماجاء فی الجنائز ، والبیھقی فی شعب الایمان ، فصل فی آداب العیادۃ ، والمشکوۃ ، باب عیادۃ المریض)

عیادت کب کی جائے

ترجمہ: ......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ تین دن کے بعد مریض کی عیادت فرماتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۱۰۴۔ بیہقی ص ۶۴۲ ج ۶۔ مشکوۃ ص ۱۳۸)

تشریح: ......حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے پیش نظر امام غزالی رحمہ اللہ وعلامہ بغوی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات کا مسلک یہی ہے کہ عیادت تین دن کے بعد کرنا چاہئے۔ مگر جمہور علماء کے نزدیک ''عودوا المریض'' کے مطلق حکم کی بنا پر عیادت کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں۔

علاوہ ازیں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی ایک دوسری روایت میں پہلے دن کی عیادت کو سنت فرمایا گیا: ''عیادۃ المریض اول یوم سنة وبعد ذلک تطوعا''۔ پہلے دن بیمار کی عیادت سنت ہے اس کے بعد نفل۔ (مزاق العارفین ص ۳۴۶ ج ۴)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے صراحت سے لکھا ہے کہ: مریض کی عیادت کے لئے کوئی

دن مقرر آنحضرت ﷺ کی سنت طیبہ میں نہیں تھا اور نہ اوقات میں کوئی متعین وقت تھا، بلکہ آپ ﷺ دن رات تمام اوقات میں (حسب ضرورت) مریضوں کی عیادت فرماتے۔ (زادالمعاد اردو ص ۱۳۱ ج ۱۔ اسوۂ رسول اکرم ﷺ ص ۵۵۰)

حدیث مذکور میں جو ’’ الا بعد ثلاث ‘‘ کا حکم ہے، اس کا کیا مطلب؟ تو بعض نے کہا یہ حدیث موضوع ہے، مگر یہ صحیح نہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے چند احتمالات بیان فرمائے ہیں:

اول یہ کہ:...... یہ حدیث استحباب پر دلالت کرتی ہے کہ تیسرے دن کے بعد عیادت مستحب ہے۔

دوسرے یہ کہ:...... تین دن تک تاخیر سے جواز بتلانا مقصود ہو۔

تیسرے یہ کہ:...... مریض تین دن اپنے مرض کا کسی کے سامنے اظہار نہ کرے، کیونکہ ایک حدیث قدسی میں یہ مضمون آیا ہے کہ میرے بندے کو کوئی شکایت ہو اور اس کو تین دن سے قبل کسی کے سامنے اظہار کرے تو گویا اس نے میری شکایت کی۔ اس حدیث کی بنا پر مریض کو چاہئے کہ اپنے مرض کا اظہار تین دن تک کسی کے سامنے نہ کرے۔ ممکن ہے کہ اس حدیث کا یہی محمل ہو، واللہ اعلم۔ (مرقاۃ ص ۳۷۹ ج ۳)

اَلتَّنَفُّسُ لِاَجْلِ الْمَرِيْضِ عِنْدَ الْعِيَادَةِ

(۳۴)......عَنْ اَبِی سَعِيدٍ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم : اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوا لَهُ فِي اَجَلِهِ ، فَاِنَّ ذَالِکَ لاَ يَرُدُّ شَيْئاً وَ يَطِيْبُ بِنَفْسِهٖ۔ (رواه الترمذى وابن ماجه ، كذا فى المشكوة ص ۱۳۷، باب عيادة المريض)

عیادت کے وقت مریض کی دلداری کرنا

ترجمہ:......حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو، اس لئے کہ اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی، لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا۔

تشریح:......عیادت کے آداب میں یہ بھی ہے کہ مریض کو نا امید اور مایوس نہ کیا جائے۔ اول تو مریض پہلے ہی سے رنجیدہ و دل شکستہ ہوتا ہے، پھر عیادت کرنے والا ایسی بات کرتا ہے گویا ''زخم پر نمک پاشی کی''۔

بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ ہم عیادت کے وقت مریض کے سامنے الٹی سیدھی باتیں شروع کر دیتے ہیں جس سے مریض کی بے چینی میں اضافہ ہوتا ہے، مثلاً آپ تو بہت کمزور ہوگئے، معلوم ہوتا ہے کہ علاج برابر نہیں ہو رہا ہے، ڈاکٹر بدلنے کی ضرورت ہے، ہم نے فلاں صاحب سے علاج کرایا تھا، فلاں دوا مفید رہے گی۔ ان باتوں سے مریض کی دلجوئی کے بجائے دل شکنی ہوتی ہے۔

قربان جایئے میرے آقا ﷺ نے کیسا ادب سکھلایا کہ:

''نفسوا له في اجله''

یعنی مریض کی عمر کے بارے میں خوش کن بات کرو، مثلاً کوئی فکر کی بات نہیں جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے، انشاء اللہ تمہاری عمر دراز ہوگی۔

خود نبی کریم ﷺ کا عمل بھی ملاحظہ فرمائیں آپ ﷺ مریض کو تسلی دیتے اور فرماتے: ''لا بأس طهور ان شاء الله''

گھبرانے کی کوئی بات نہیں خدا نے چاہا تو یہ مرض جاتا رہے گا، اور یہ مرض گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

اور آپ کی ایسی باتیں جن سے مریض کو تسلی ہو وہ مقدر کو ٹال تو نہیں سکتی جو ہونے والا ہے وہی ہوگا، لیکن ان سے بیمار کا دل خوش ہوگا اور یہی عیادت کا مقصد ہے۔

اِتْمَامُ تَمَنّی الْمَرِیْضِ

(۳۵)......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما : اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَادَ رَجُلاً فَقَالَ لَہٗ : مَا تَشْتَھِی ؟ قَالَ : اَشْتَھِی خُبْزَ بُرٍّ ، قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم : مَنْ کَانَ عِنْدَہٗ خُبْزُ بُرٍّ فَلْیَبْعَثْ اِلٰی اَخِیْہِ ، ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم : اِذَا اشْتَھٰی مَرِیْضُ اَحَدِکُمْ شَیْئاً فَلْیُطْعِمْہُ۔

(ابن ماجہ ص۱۰۴، باب ما جاء فی عیادۃ المریض ۔مشکوۃ ۱۳۸، باب عیادۃ المریض)

مریض کی خواہش کو پورا کرنا

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کی عیادت کی، پھر اس سے پوچھا: کیا چیز کھانے کو تمہارا جی چاہتا ہے؟ اس نے کہا: گیہوں کی روٹی کھانے کو میرا جی چاہتا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس گیہوں کی روٹی ہو اسے چاہئے کہ وہ اپنے بھائی (یعنی اس مریض) کے پاس بھیج دے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی بیمار ہو اور کسی چیز کی خواہش کرے تو اسے وہ چیز کھلا دینی چاہئے۔

تشریح:......خواہش سے مراد ’’خواہش صادق‘‘ ہے، اور وہ صحت کی نشانی ہوتی ہے، چنانچہ بعض مریضوں کو اس چیز کا کھانا جسے کھانے کے لئے مریض کا دل چاہتا ہو نقصان نہیں ہوتا

بشرطیکہ وہ چیز مقدار میں تھوڑی ہواور ایسی نہ ہوجس میں نقصان اور ضرر کا پہلو غالب ہو، لہذا حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث کا حکم کلی اور عمومی طور پر نہیں بلکہ جزئی اور ارادی طور پر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مریض کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ جو بھی چیز مانگے خواہ اس کے مرض کے لئے کتنی ہی نقصان دہ اور مضر کیوں نہ ہو اسے دے دی جائے، بلکہ بعض مخصوص حالات میں اگر کوئی مریض کسی ایسی چیز کے کھانے کی خواہش کرے جس میں نقصان اور ضرر کا پہلو غالب نہ ہو، اور یہ کہ معالج اس کے خلاف نہ ہو تو وہ چیز مریض کو دیدینی چاہئے۔ (مظاہر حق ص٦۳ ج۲)

اور اشیاء میں نفع وضرر مسلم ہے، بلکہ روایت سے بھی ثابت ہے کہ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: آنکھ میں تکلیف ہے اور کھجور کھا رہے ہو؟

(کنز العمال ص۸۸۰ ج۳، حدیث نمبر: ۹۰۲۰۔ مذاق العارفین ص۱۸۳ ج۱۔ سیر الصحابہ ص۱۷۳ ج۲، مہاجرین اول حصہ اول۔ مزاح ص۲۷)

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ توکل یا زندگی سے مایوسی پر مبنی ہے، یعنی جس مریض کی زندگی کی امید باقی نہ ہو اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ جو چیز مانگے اسے کھلا دو۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''فلیبعث الی اخیہ'' کی شرح میں عجیب بات لکھی کہ: اس ارشاد میں آنحضرت ﷺ کی تنگئ معاش اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے فقر کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے:

''فیہ اشارۃ الی ضیق عیشہ علیہ السلام و فقر اکثر اصحابہ رضی اللہ عنہم''۔

یہ تو مریض کی خواہش پر کھلانے کا بیان تھا۔ مریض کی خواہش کے بغیر کھلانے پر مجبور

کرنا کیسا ہے؟اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو، کیونکہ اللہ عزوجل انہیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ، زادالمعاد، کذافی اسوۂ رسول اکرم ﷺ ص ۴۷۷)

اس حدیث (یعنی مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو) کی تشریح دیکھنی ہو تو ''مظاہر حق''ص ۲۶۹ ج ۴/ پر دیکھ لو۔

اَلْمَشْیُ فِی الْعِیَادَةِ

(۳۶)......عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ : جَاءَ نِی النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم یَعُوْدُنِی لَیْسَ بِرَاکِبِ بَغْلٍ وَلاَ بِرْذَوْنٍ۔

(رواه البخاری، باب عیادة المریض راکبا و ماشیا ، و ابو داؤد ، باب المشی فی العیادة)

عیادت کے لئے پیدل چلنا

ترجمہ:......حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اس وقت آپ ﷺ خچر یا گھوڑے پر سوار نہ تھے (بلکہ پیادہ تشریف لائے)۔(بخاری شریف ص ۸۴۵ ج ۲۔ابوداؤد ص ۸۵ ج ۲)

تشریح:......مریض کی عیادت کے لئے پیدل جانا یا سوار ہو کر دونوں طریقے روایت سے ثابت ہیں۔اصل مقصود تو عیادت ہے خواہ کسی بھی طرح ہو۔

''بخاری شریف''ہی کی ایک روایت سے ثابت ہے کہ: حضور ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے سواری پر تشریف لے گئے:

''اَنَّ النبیَّ صلی الله علیه وسلم رَکِبَ علیٰ حمارٍ عَلیٰ اِکَافٍ عَلٰی قَطِیْفَةٍ فَدَکِیَّةٍ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ رضی الله عنه وَرَاءَ هُ یَعُوْدُ سَعدَ بْنِ عُبَادَةَ رضی الله عنه''الخ۔

یعنی نبی پاک ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے اس پر پالان لگائی پھر فدک (ایک مشہور بستی ہے وہاں چادریں بنتی تھیں) کی چادر اس پر ڈالی اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔

(طویل حدیث ہے۔ ص ۸۴۵ ج ۱، باب عيادة المريض راكبا و ماشيا)

اس کے علاوہ چند اور روایات کی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ: عیادت کے لئے پیدل جانا افضل ہے، ایک تو یہی ''بخاری'' کی روایت جس میں ''ليس براكب'' کی تصریح ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ایک مستقل باب قائم فرمایا: ''باب المشي في العيادة'' اس کے تحت یہی روایت نقل کی ہے۔ (ص ۸۵ ج ۲)

(۳۷)......عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰه رضى الله عنه يَقُوْلُ : مَرِضْتُ ' فَاَتَانِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُوْدُنِي وَ اَبُو بَكْرٍ رضى الله عنه وَهُمَا مَاشِيَانِ ' فَوَجَدَانِي اُغْمِيَ عَلَيّ' فَتَوَضَّأ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ صَبَّ وُضُوئَهُ عَلَيَّ ' فَاَفَقْتُ فَإِذَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ، فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! كَيْفَ اَصْنَعُ فِي مَالِي ؟ كَيْفَ اَقْضِي فِي مَالِي ؟ فَلَمْ يُجِبْنِي ' حَتّٰى نَزَلَتْ اٰيَةُ الْمِيْرَاثِ۔ (رواه البخاري ص ۸۴۴ ج ۲، باب عيادة المغمى عليه)

ترجمہ:......حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں سخت بیمار ہوا تو حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لئے تشریف لائے، اور دونوں حضرات پیدل تشریف لائے تھے، انہوں نے مجھے غشی کی حالت میں پایا، حضور ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنے وضو کا پانی مجھ پر ڈالا، مجھے ہوش آ گیا تو میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے مال کا کیا کروں؟ اور اپنے مال کا فیصلہ کیسے کروں؟ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ میراث کی آیت نازل ہوئی۔

(۳۸)......عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبد الله رضی الله عنه یَقُوْلُ : عَادَنِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی الله علیه وسلم مَاشِیاً وَ اَبُو بَکرٍ رضی الله عنه وَاَنَا فِی بَنِی سَلْمَۃَ۔

(رواه ابن ماجة ، باب ما جاء فی عیادة المریض)

ترجمہ:......حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری عیادت فرمائی پیادہ پا تشریف لاکر اور میں بنوسلمہ میں تھا۔(ابن ماجہ ص۱۰۴)

تشریح:......ان روایات کی بناپر علماء فرماتے ہیں کہ: پیادہ پا عیادت افضل ہے۔شیخ عبدالغنی دہلوی رحمہ اللہ ''ابن ماجہ'' کی روایت کی شرح میں فرماتے ہیں:

''فیه استحباب المشی الی امور الخیر من عیادة المریض''

یعنی اس حدیث میں عیادت مریض وغیرہ امور خیر کی طرف پیدل جانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح ''ابن ماجہ'' ہی کی ایک روایت جو پیچھے (حدیث نمبر۵/ پر) گذر چکی ہے، جس میں: ''وطاب ممشاک'' آیا ہے،یعنی عیادت کے لئے تیرا چلنا مبارک ہے،اس پر محدثین فرماتے ہیں کہ: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ عیادت کے لئے پیادہ پا جانا افضل ہے۔(مظاہر حق ص۵۴،ج۲)

اَلْعِیَادَۃُ مِنَ الرَّمَدِ

(۳۹)......عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَم رضی الله عنه قَالَ : عَادَنِی النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم مِنْ وَجْعٍ کَانَ بِعَیْنَیَّ۔

(رواه احمد ، ابو داؤد ، باب العیادة من الرمد ، والمشکوة ، باب عیادة المریض)

آنکھوں کی بیماری میں عیادت کا مسئلہ

ترجمہ: ......حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے میری عیادت فرمائی جب کہ میری آنکھوں میں درد تھا۔(ابوداؤد ص ۸۶ ج ۲۔ مشکوۃ ص ۱۳۵)

تشریح: ......اس حدیث سے آنکھ کے مریض کی عیادت کا ثبوت ملتا ہے، جبکہ دوسری ایک روایت میں ہے کہ: ''**ثلاث لا یعاد صاحبهن : الرمد ، وصاحب الضرس ، و صاحب الدمل** ''۔(فیض القدیر ص ۴۱۱ ج ۳، حدیث نمبر: ۳۴۸۴)

یعنی تین بیماریاں ایسی ہیں جن میں بیمار کی عیادت نہ کی جائے: آنکھیں دکھنے میں، ڈاڑھ کے درد میں، دنبل (پھوڑے) میں۔

چونکہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے اس لئے اس تاویل کے ذریعہ تطبیق پیدا کی جائے گی کہ ان بیماریوں میں بیمار کی عیادت وہ لوگ نہ کریں جن کے لئے بیمار کو تکلیف کرنا پڑے، یا ان کا آنا بیمار کے لئے گراں ہو، کیونکہ اگر وہ لوگ بیمار کی عیادت کے لئے جائیں گے تو آنکھ دکھنے یا آنکھ کی دوسری بیماری کی شکل میں بیمار کو اپنی آنکھ کھولنے پر مجبور ہونا پڑے گا، یا ڈاڑھ دکھنے کی صورت میں اسے گفتگو کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ تکلیف ہوگی، اس طرح اگر دنبل ہوگا تو وہ ان کی وجہ سے ٹھیک طریقہ سے بیٹھنے پر مجبور ہوگا، اور ظاہر ہے پھوڑے کی وجہ سے اس کے لئے کسی ایک اور ٹھیک ہیئت پر بیٹھنا بہت زیادہ تکلیف کا باعث ہوگا، ہاں اگر ایسے لوگ عیادت کے لئے جائیں جن کی وجہ سے بیمار کو تکلیف نہ کرنا پڑے یا ان کا جانا بیمار پر گراں نہ گذرے تو ان بیماریوں میں بھی عیادت کے لئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(مظاہر حق ص ۴۲ ج ۲)

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ نے ''جامع صغیر'' والی حدیث میں ''لا'' سے نفی

استحباب مراد لیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان تین مرض والوں کی عیادت مستحب نہیں ہے۔

(فیض القدیر ص ۴۱۱ ج ۳)

یا مراد نفی سے سنت مؤکدہ کی نفی بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ: مریض کی عیادت سنت مؤکدہ ہے سوائے ان تین قسم کے مرض والوں کے کہ ان کی عیادت سنت مؤکدہ نہیں۔ (مرقاۃ ص ۳۶۲، ج ۳)

عِيَادَةُ الْمُشْرِكِ

(۴۰)......عَنْ اَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ : كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِیٌّ يَخْدِمُ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم ، فَمَرِضَ ، فَاَتَاهُ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم يَعُوْدُهٗ ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهٖ ، فَقَالَ لَهٗ : اَسْلِمْ ، فَنَظَرَ اِلٰی اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ ، فَقَالَ : اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ ، فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم وَهُوَ يَقُوْلُ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(رواہ البخاری ، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه ، والمشکوۃ ، باب عیادۃ المریض)

غیر مسلم کی عیادت

ترجمہ:......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک یہودی لڑکا تھا جو نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، جب وہ بیمار ہوا تو نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے، چنانچہ آپ نے اس کی عیادت کی اور اس کے سر کے قریب تشریف فرما ہوئے اور اس سے فرمایا: تم مسلمان ہو جاؤ، لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا، اس کے باپ نے کہا کہ "ابوالقاسم" (یعنی آنحضرت ﷺ) کا حکم مانو، چنانچہ وہ بچہ مشرف بہ اسلام ہو گیا، آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے کہ: حمد و ثنا اس خدا کی جس نے اس لڑکے کو (اسلام کے ذریعہ) آگ سے نجات دی۔ (بخاری ص ۱۸۱ ج ۱)

تشریح:……اس حدیث پاک میں چند امور قابل غور ہیں:

(۱)……’’ فقعد عند رأسه ‘‘ سے معلوم ہوا کہ عیادت کے وقت مریض کے سرہانے بیٹھنا سنت ہے۔

(۲)……کتب احادیث میں ایسے مختلف واقعات ملتے ہیں جن میں آپ ﷺ غیروں کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، بلکہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی جو آنحضرت ﷺ کا بدترین دشمن تھا اس کے بارے میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

’’خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يعود عبد الله بن ابى فى مرضه الذى مات فيه‘‘

رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، یہ اس بیماری کا واقعہ ہے جس سے وہ مرا۔ (ابوداؤد ص ۸۵ ج ۲، باب فى العيادة)

یہود ومجوس کی عیادت

علماء نے لکھا ہے کہ: یہود کی عیادت کے لئے جانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ مجوسیوں کی عیادت کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ صاحب درمختار رقمطراز ہیں:

’’وفى عيادة المجوس قولان‘‘

علامہ شامی رحمہ اللہ کا رجحان جواز کا ہے:

’’قلت ظاهر المتن كالملتقى و غيره اختيار الاول‘‘

آگے علامہ شامی رحمہ اللہ نے نوادر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: یہودی یا مجوسی، پڑوسی لڑکا یا قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے تو مناسب ہے کہ:

’’اخلف الله عليك خيرا منه و اصلحك‘‘

کے الفاظ سے تعزیت کرے۔(شامی ص ۵۵۶، کتاب الحظر والاباحۃ ، فصل فی البیع)

امام بخاری رحمہ اللہ ’’ باب عیادۃ المشرک ‘‘ کے تحت بھی یہ حدیث لائے ہیں،اس میں یہ بھی ہے کہ: سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے اپنے والد سے نقل کیا کہ: جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ انہیں دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔

(ص ۸۴۴ ج ۲)

غیر مسلم کی عیادت میں دعوت کی نیت کرنا

(۳)......غیر مسلم کی عیادت میں دعوت کی نیت بھی ہونی چاہئے کہ حسب موقع حکمت کے ساتھ اس کو دین حق کی طرف متوجہ کروں گا، جیسے مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ کا عمل بتلا رہا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ’’اعلاء السنن‘‘ میں لکھا ہے کہ: حدیث عیادت اور تبلیغ دونوں مضمون پر مشتمل ہے،اسی لئے علماء کی ایک جماعت کا رجحان یہ ہے کہ عیادت مقصود ہے اور تبلیغ تابع ہے،مگر دوسری جماعت کا تو مسلک ہی یہ ہے کہ تبلیغ مقصود ہے اور عیادت تابع ہے۔(ص ۴۵۴،ج ۱۷، باب عیادۃ الیھودی والنصرانی)

(۴)......بعض حضرات اپنے زعم باطل میں مکتب پڑھانے والے علماء کے متعلق جہالت سے یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ: تمہاری محنت غیر مکلفین پر ہے، یعنی تم نابالغ بچوں کو پڑھاتے ہو، یہ حدیث ان کے قول کی تردید کررہی ہے۔واللہ تعالی اعلم۔

تبصرہ ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی

عیادت کے آداب وفضائل:......مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب ڈیوزبری، انگلینڈ، صفحات:۵۱۔ قیمت: ۵۰ روپئے۔ ناشر: بیت العلم ٹرسٹ، ۹/ای ایس ٹی بلاک، ۸/گلشن اقبال، کراچی۔

مریض کی تیمارداری اور مزاج پرسی کو اسلامی معاشرت میں بڑی اہمیت حاصل ہے، آپ ﷺ نے اپنے فرامین میں مختلف طریقوں سے عیادت کی ترغیب دی ہے۔ پیش نظر کتاب میں اس موضوع سے متعلق چالیس احادیث بمع ترجمہ وتشریح کا انتخاب کیا گیا ہے۔ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے۔ جلد، کاغذ اور طباعت عمدہ ہے۔ ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی۔محرم:۱۴۳۰ھ

تبصرہ ماہنامہ ’’البلاغ‘‘ کراچی

نام کتاب......عیادت کے آداب وفضائل۔

ترتیب......مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب۔

ضخامت......۵۰/صفحات۔عمدہ طباعت۔عام قیمت: ۵۰ روپئے۔

ناشر...... بیت العلم ٹرسٹ، ۹/ای ایس ٹی بلاک، ۸/گلشن اقبال، کراچی۔

مریض کی عیادت اہم دینی فریضہ ہے۔احادیث میں اس کا بہت اجر وثواب ارشاد فرمایا گیا ہے۔زیرنظر رسالہ میں اس عنوان پر آنحضرت ﷺ کے چالیس ارشادات ترجمہ وتشریح کے ساتھ تحریر کردیئے گئے ہیں۔تمام قارئین سے اس کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے۔(ابومعاذ) ماہنامہ ’’البلاغ‘‘ کراچی

ذیقعدہ:۱۴۲۸ھ مطابق دسمبر:۲۰۰۷ء

((لیس منامن دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل علی عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة))،الحدیث

عصبیت کی مذمت

عصبیت وقومیت کے عوامل واسباب اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مہلک مرض کی مذمت،آپ ﷺ کے تعدداز واج کی ایک حکمت عصبیت کا خاتمہ تھا،نسب نامے نہ تومحض بیکار ہیں اور نہ مدارفخر وغیرہ عنوانات پر مشتمل بہترین اور قابل مطالعہ رسالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

عرض مرتب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الناس من ذكر و انثى وجعلهم شعوبا و قبائل ، وخص كل احد بما شاء من الاخلاق والشمائل ، ثم امرهم ان لا يتمنوا ما فضل الله به بعضهم على بعض من المناقب والفضائل ، ونهاهم ان يتفاخروا بالانساب مع الانهماک فی الرذائل، والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وهو صاحب الخصائل ،اما بعد۔

ایک اعرابی کی اپنے بچے کو نصیحت

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے ’’ گلستاں ‘‘ میں ایک اعرابی کی عجیب حکایت لکھی ہے،فرماتے ہیں: میں نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ وہ اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا:

’’یَا بُنَیَّ اِنَّکَ مَسْئُولٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِمَا ذَا اکْتَسَبْتَ وَلَا یُقَالُ بِمَا انْتَسَبْتَ‘‘

یعنی اے بیٹے ! تجھ سے قیامت کے دن نسب کا سوال نہیں ہوگا،اعمال کا سوال ہوگا۔ ع

’’ہنرت چیست ونگویند پدرست کیست‘‘

پھر شیخ رحمہ اللہ نے یہ قطعہ لکھا:

جامۂ کعبہ را کہ می بوسند   او نہ از کرم پیلہ نامی
با عزیزے نشست روزے چند   لا جرم ہمچو او گرامی شد

کعبہ کے غلاف کو جو بوسہ دیتے ہیں وہ ریشم کے کپڑے کی وجہ سے مشہور نہیں ہوا۔

چند دن ایک عزت والے کے ساتھ رہا لامحالہ اس کی طرح باعزت ہوگیا۔

(گلستاں ص ۲۲۰، باب ۷، حکایت ۸)

زمانۂ سابق کے دیہاتی کی نصیحت پر غور کیجئے! اور ہمارے اس زمانہ کے دیہاتی نہیں، بلکہ شہری کو سامنے رکھئے اور دونوں کی ذہانت کا اندازہ لگایئے کہ موجودہ زمانہ کے وہ افراد جنہیں اپنی علمی صلاحیت پر اعتماد وافتخار ہے، ان میں اور اس دیہاتی میں کس درجہ تفاوت ہے، وہاں ایک ان پڑھ اعرابی کو قیامت کا استحضار اور اعمال صالحہ کی فکر، اور یہاں دیندار طبقہ میں بھی اعمال سے غفلت اور نسبی شرافت پر کبر ونخوت، ع۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

اس عقل وسمجھ پر رونا چاہئے

افسوس اسلام کے نام لیوا، بلکہ اسلامی تعلیم وتبلیغ کے علمبردار، جن کا فرض تو یہ تھا کہ پوری انسانیت کو یہ حضرات اس مرض سے بچاتے اور اسلام کی وہ پاکیزہ تعلیم، جس میں دینی اخوت اور بھائی چارگی کی تعلیم ہے اور رنگ، نسل، زبان اور وطنی عصبیت سے بیزارگی کا سبق ہے سکھاتے، خود ہی اس کے شکار ہوگئے، فالی اللہ المشتکی۔

یہاں برطانیہ میں اشاعت دین کے مکاتب و مدارس کے بعض ذمہ دار واساتذہ، خانقاہوں ومراکز سے منسلک بعض حضرات سے عصبیت کے وہ مناظر دیکھنے میں آئے اور قومیت کی ایسی باتیں سننے کو ملیں جن کا تصور بھی ناممکن لگتا تھا۔

مدارس کے بہت سے فضلاء نہ صرف یہ کہ اس مرض میں مبتلا، بلکہ اس مہلک بیماری کے داعی نظر آئے۔ اکابر ومشائخ سے منسلک خلفاء بھی اس جال میں پھنس ہی گئے، بلکہ عوام کو پھنساتے دیکھے گئے۔ (مثلاً فلاں شیخ سے بیعت نہ ہونا ہمارے شیخ سے بیعت ہوجاؤ، یہ تو تھانوی گروپ کے آدمی ہیں اور یہ تو حضرت شیخ کے گروپ کے ہیں) دعوت وتبلیغ میں قربانی دینے والے وہ افراد جن کی قربانیوں پر اس دور پرفتن میں بھی کچھ نہ کچھ دینی جھلک

نظر آرہی ہے اور جن سے امید تھی کہ ان کی یہ عظیم محنت اس مرض کے لئے تریاق ثابت ہوگی' ان میں بھی عصبیت وقومیت کے وہ نظارے نظر آئے کہ الامان والحفیظ۔ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

یہاں کی قومیت کے چند نعرے ملاحظہ فرمائیں: پاکستانی' گجراتی' پٹھان' سورتی' بھروچی' پھر ان کی فروعات میرپوری' عالیپوری' لاجپوری وغیرہ ان گنت۔

پھر یہ اختلاف وعصبیت صرف دنیوی امور تک نہیں دینی معاملات میں بھی قدم بقدم، مساجد سورتیوں کی علیحدہ، بھروچیوں کی علیحدہ، پاکستانیوں کی علیحدہ، اور حد یہ ہے کہ ہر مسجد کے ممبر اور کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں اس میں بھی کیا مجال پاکستانی گجراتی مسجد کا ممبر یا گجراتی پاکستانی مسجد کا ممبر بن جائے، بلکہ ایک علاقہ گجرات میں بھی سورتی اور بھروچی کے مابین دوری۔غنیمت ہے کہ ابھی تک یہ قانون نہیں بنا کہ ایک دوسرے کی مساجد میں نماز بھی نہیں پڑھ سکتے۔(مستقبل میں کیا ہوگا؟ واللہ اعلم) مکاتب، مدارس، مراکز کے احوال کو اسی پر قیاس کرلیں ۔

جس ملک میں گنے چنے مسلمان آباد ہوں اور ان میں آپس کی یہ حالت ہو ان کا وجود ہی اللہ کی نعمت نہیں تو کیا کہا جائے، لہذا اس ملک کے باشندوں کو بہت زیادہ اس مرض کے ازالہ کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، ورنہ خطرہ ہے کہ یہ مرض ہمارے زوال کا سبب نہ بن جائے۔

مدارس اسلامیہ کے اساتذہ و مہتمین، مساجد و مکاتب کے کارکن و منتظمین، مراکز دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار و مبلغین، ممبر و محراب کے خطباء وواعظین پر اس کی دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ان حضرات کو خاص طور پر وہ وسائل واسباب اختیار کرنے چاہئے جس

سے اس مرض کاری سے امت کی حفاظت ہوسکے۔

پیش نظر رسالہ میں اسی موضوع پر کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے۔اللہ تعالی ان سطروں کو کار آمد ومفید بنائیں،اورہمیں ملت ابراہیمی کا ایسا نمونہ بنائے جس کے متعلق کہا گیا ہے ۔

ملت بیضا نے قوموں کی مٹا دی تھی تمیز

تھے بلالؓ وجعفرؓ وسلمانؓ برادر محترم

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ کسی مستقل رسالہ یا تصنیف کے انداز پر لکھی گئی تحریر نہیں ہے، بلکہ چند مضامین لکھے گئے تھے۔بعد میں ان مضامین کو رسالہ کی شکل پر مرتب کردیا گیا ہے،اس لئے بعض جگہ مضمون میں تکرار محسوس ہوتو معاف فرمائیں،فقط۔

آخر میں راقم حضرت مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ (استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ موصوف نے رسالہ کو بغور ملاحظہ فرمایا اور قابل اصلاح مواقع پر اصلاح فرمائی اور تقریظ تحریر فرما کر مزید احسان فرمایا۔اللہ تعالی ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

نوٹ:......تقریظ بہت بعد میں لکھی گئی۔رسالہ کئی سال پہلے تیار ہو چکا تھا،اس لئے تقریظ اور رسالہ کی تاریخ میں بین فرق ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲۳؍جمادی الاولی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴؍ستمبر ۱۹۹۷ء

بروز چہارشنبہ

تقریظ از: حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی مدظلہ العالی

عصبیت امت مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والا سب سے مہلک ہتھیار رہے۔خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے جاہلی عصبیت کا خاتمہ اور تکریم انسان کا فروغ بھی ہے، لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ دور حاضر میں ہمارے مسلم سماج میں عصبیت کا عفریت بہت خوفناک صورت اختیار کر چکا ہے۔قومی' علاقائی' لسانی' مسلکی' جماعتی' اداری عصبیتیں پروان چڑھ کر اس امت کے جسم و جان کو لہولہان کر رہی ہیں۔

مرض کی شدت اور سنگینی کی نوعیت یہ ہے کہ وہ طبقہ جس سے اس سنگین مرض کے علاج کی امید تھی اس میں بھی یہ مرض بری طرح سرایت کر چکا ہے۔

اس موضوع پر ہمارے دوست جناب مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری (ڈیوزبری' برطانیہ) نے قلم اٹھایا اور حق یہ ہے کہ پوری جرأت و بے باکی سے موضوع کا حق ادا کر دیا۔ زیر نظر رسالہ انہیں کی علمی کاوش ہے، جس میں عصبیت کے بارے میں آیات و احادیث و آثار نیز اقوال فقہاء کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور عصبیت کا مرض جو اس امت مسلمہ کے لئے ناسور بن چکا ہے اس سے باز آنے کی مؤثر دعوت دی گئی ہے۔اللہ تعالی اس رسالہ کو نافع بنائے اور قبولیت سے نوازے۔

عتیق احمد قاسمی بستوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سکریٹری مجمع الفقہ الاسلامی انڈیا

وارد حال ڈیوزبری، برطانیہ

۲۱/ جون ۲۰۰۵ء

مقدمہ

ہمارے معاشرے میں قومیت وعصبیت کی وبا روز افزوں ہے،اوراس وبائے عام میں سب ہی مبتلا ہورہے ہیں،ایک عامی سے لے کرتعلیم یافتہ طبقہ تک ہرگروہ قومیت کے نعرے لگانے میں مصروف ہے،حالانکہ اسلام نے اس مہلک مرض سے بچنے کی ازحدتاکید کی ہے،اور نبی پاک ﷺ نے انسانی وحدت اور دینی اخوت کا وہ قیمتی نمونہ دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے پیش کیا کہ اپنے پرایوں میں امتیاز نہ رہا،حتی کہ حجۃ الوداع کے عظیم الشان اور یادگار خطبہ میں بھی اس بات کو نظر انداز نہیں فرمایا،اور نہایت بلیغ اور مؤکد الفاظ میں یہ اعلان فرمایا:

((ایها الناس ربکم واحد ' لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ' ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر ' الابالتقوی ان اکرمکم عند الله اتقاکم))۔

اے لوگو! تمہارا مالک ایک ہے،کسی عربی کو عجمی پراور عجمی کو عربی پراور گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر کوئی فضیلت سوائے فضیلت تقوی کے نہیں ہے۔

(اسلام اور نسبی امتیازات ص ۷۷)

قومیت کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟

اب ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ قومیت کو پیدا کرنے والے اسباب وعوامل کیا ہیں؟ یہاں مختصراً چار اہم عوامل کی نشاندہی کی جاتی ہیں:

(۱)......نسل۔

(۲)......رنگ۔

(۳)......زبان۔

(۴)......وطن۔

نسل

ایک نسل کے لوگ اپنے آپ کو ایک قوم سمجھتے ہیں۔ان کی قومیت کی بنیاد وحدت نسل ہے۔جرمنی کا نازی ازم اور یہودیت کو اس کی تمثیل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔نازی ازم جرمنی قومیت کا دعویدار ہے۔یہودی مذہب کی بنیاد بھی دراصل نسل پر مبنی ہے جو بنی اسرائیل میں محدود ہوکر رہ گئی۔اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ نسل کی بنیاد پر کوئی قوم نہیں بنتی۔اس کی نگاہ میں سب انسان حضرت آدم علیہ السلام وحضرت حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں:

﴿ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّ اُنۡثٰى ﴾۔(سورۂ حجرات،آیت نمبر:۱۳)

(ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا) سے اس کو واضح فرمادیا۔

الغرض اتحاد نسل سے کسی قوم کی تشکیل نہیں ہوسکتی،اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ خاندان اور قبیلے کا تعلق کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔اسلام نے صلہ رحمی کی ترغیب دے کر اور قطع رحمی سے منع کر کے اس کی اہمیت کو دوبالا کردیا ہے،مگر اسلام اس خونی رشتہ کو قومیت کے لئے بنیادی عامل تسلیم نہیں کرتا اور نہ اس کو مرکزیت کا مقام دیتا ہے،اگر یہی نسلی اتحاد قومیت کا حامل ہوتا تو آزر و کنعان (یا''یام'') کو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام سے الگ نہیں کیا جاتا۔شیخ سعدی رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے ؎

چو کنعان را طبیعت بے ہنر بود   پیمبر زادگی قدرش نیفروز
ہنر بنمائی اگر داری نہ گوہر   گل از خارست ابراہیم از آزر

چونکہ کنعان کی طبیعت بے ہنر تھی پیغمبر کی اولاد ہونے نے رتبہ نہ بڑھایا۔

اگر تو ہنر رکھتا ہے تو دکھا نسب نہ دکھا،اس لئے کہ پھول کانٹے سے اور حضرت ابراہیم

علیہ السلام آزر سے پیدا ہوئے۔

رنگ

کچھ قومیں رنگ کی بنیاد پر قومیت کو فروغ دیتی ہیں۔ برسوں تک جنوبی افریقہ میں کالے اور گورے کی جو تفریق رہی وہ ظاہر ہے کہ رنگ کی بنیاد پر تھی۔ اسلام کسی خاص رنگ کو وجہ امتیاز نہیں ٹھہراتا، اس کے نزدیک کالا یا گورا ہونا یکساں ہیں۔ ہاں اسلام نے وجہ امتیاز اور فضیلت کا معیار صورت کے بجائے سیرت کو ٹھہرایا ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک ”گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں، اگر ایک حبشی غلام بھی تم پر حاکم مقرر کیا جائے تو اس کی بھی اطاعت کرو“ اسلامی تعلیم کے عدل و مساوات پر شاہد عدل ہے۔

رنگ کی بنیاد پر انسانی تفریق خلاف عقل اور غیر فطری فعل ہے، بلکہ اس سے حسد، بغض، عداوت کا بازار گرم ہوتا ہے اور وہ بالآخر خونریزی وقتل و غارت گیری کے واقعات کا سبب بنتا ہے۔

زبان

قومیت کا ایک بڑا سبب لسانیت کو معیار بنانا بھی ہے۔ اسلام اسے بھی قومیت کی بنیاد قرار نہیں دیتا۔ انسانی افکار و آراء کی اہمیت زبان سے زیادہ ہے۔ زبان ان کے اظہار کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

دو عربی شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور امراؤ القیس کے افکار کو دیکھ لیجئے! ایک افکار صحیحہ کی وجہ سے جنتی اور دوسرا بلند پایہ شاعر اپنے فن کمال کی وجہ سے ”ملک الشعراء“ کا خطاب یافتہ، مگر افکار باطلہ کے سبب نہ صرف جہنمی، بلکہ دوزخیوں کا امام کہا گیا۔ افصح

العرب ﷺ نے فرمایا:

''اشعر الشعراء قائدهم الى النار''

سب سے بڑا شاعر مگر جہنمیوں کا امام۔

کوئٹہ میں پشتو اور بلوچ کے نام سے خانہ جنگی، اور مغربی و مشرقی پاکستان کی تقسیم لسانی تعصب ہی کا نتیجہ ہے۔

وطن

ایک خاص وطن میں سکونت بھی قومیت کی بنیاد قرار دی گئی ہے، بلکہ قومیت کے جملہ اسباب میں وطنیت کا جذبہ، بیجا حمایت وعصبیت کا غالبا سب سے بڑا ذریعہ ہے، مگر اسلام نے وطنیت کو بھی قومیت کا ذریعہ و بنیاد قرار نہیں دیا، بلکہ عقائد کے اتحاد پر وطن کو خیر باد کروایا۔ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت فرما کر اس کی زندہ مثال قائم فرما دی۔

وطن سے محبت ایک فطری چیز ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وطن ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے جس سے انبیاء علیہم السلام تک بھی مستثنیٰ نہیں رہے۔ بوقت ہجرت آپ ﷺ نے وطن عزیز مکہ مکرمہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

''ما اطيبک من بلد واحبک الی ، ولولا ان قومی اخرجونی منک ما سکنت غيرک''۔

ترجمہ:......تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھے کس قدر عزیز ومحبوب ہے، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

(ترمذی ص۲۳۰ ج۲، باب فضل مكة)

کیا ’’حب الوطن من الایمان ‘‘ حدیث ہے؟

بعض حضرات کو وطنی عصبیت میں بطور دلیل کہتے ہوئے سنا گیا کہ حضور ﷺ فرمارہے ہیں: ’’حب الوطن من الایمان ‘‘ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کی تحقیق جو راقم نے اپنے جد بزرگوار حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے ’’مرغوب الفتاویٰ‘‘ کے حاشیہ پر کی ہے من وعن نقل کردوں:

سوال:......حب الوطن من الایمان حدیث ہے یانہیں؟

جواب:......حدیث نہیں۔

حاشیہ از مرتب:......شیخ محمد درویش الحوت رحمہ اللہ (یہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، م ۱۲۷۶ھ) ’’اسنی المطالب فی احادیث مختلفة المراتب ‘‘میں تحریر فرماتے ہیں:

’’حب الوطن من الایمان حدیث موضوع ‘‘۔(ص ۱۰۳، حدیث نمبر:۵۵۱)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ’’ حب الوطن من الایمان ‘‘ قال الزرکشی : لم اقف علیه ، وقال سید معین الدین الصفوی : لیس بثابت ، وقیل انه من کلام بعض السلف ، وقال السخاوی : لم اقف علیه ومعناه صحیح۔(الموضوعات الکبریٰ ص ۱۱۰)

علامہ منوفی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا ہے:

’’قال المنوفی رحمه الله : ما ادعاه من صحة معناه عجیب‘‘۔

(البسط فی الموضوعات ص ۱۱۰)

مگر ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا معنی صحیح ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ: یہ بھی ممکن ہے کہ وطن سے مراد جنت ہو:

’’ثم الاظهر في معنى الحديث ان صح مبناه أى يحمل على ان المراد بالوطن الجنة‘‘۔(حوالۂ بالا)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:’’واما حديث حب الوطن من الايمان فموضوع ، وان كان معناه صحيحا ، لاسيما اذا حمل على ان المراد بالوطن الجنة ، فانها المسكن الاول‘‘۔(مرقاۃ ص۵ ج۴ حدیث:’’كن في الدنيا كانك غريب‘‘ کے تحت)

صاحب کشف الخفاء رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’حب الوطن من الايمان ، قال الصغاني : موضوع‘‘۔(کشف الخفاء ص۳۴۵ ج۱)

شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’حديث حب الوطن من الايمان لم اقف عليه‘‘۔

(الدرر المنتثرة فى احاديث المشتهرة ص۹۷)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’لم اقف عليه و معناه صحيح‘‘۔(مقاصد الحسنة ص۱۸۳، رقم الحديث:۳۸۶)

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اس جملہ کا حدیث مرفوع ہونا ثابت نہیں، ہر شخص کو اپنے وطن سے محبت ہوا ہی کرتی ہے، اس اعتبار سے اس کے معنی کو صحیح کہا ہے۔(ماخوذ از: مکتوب بنام مولانا ایوب صاحب)

حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

’’حب الوطن من الايمان‘‘ زبان زد ہے، اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ایک مقام پر حدیث کر کے لکھا ہے، لیکن یہ لفظ ثابت نہیں۔(ماخوذ از: مکتوب)

انتہی تحقیق حدیث’’حب الوطن من الايمان‘‘۔

خلاصہ یہ کہ قومیت کے یہ چند بنیادی عوامل واسباب ہیں، ان عوامل کی بنیاد پر جو قوم بنتی ہے وہ غیر فطری ہے۔ ان میں الفت ومحبت کے بجائے حسد وعداوت کارفرما نظر آتی ہے۔ اسلام اپنے متبعین کو قومیت سے نفرت اور وحدت سے محبت کی دعوت دیتا ہے۔ جو آدمی اپنی قوم کے سوا دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا روادار نہیں ہوتا اسلام اس کے سراسر خلاف، حتی کہ نبی کریم ﷺ نے خدا کی مخلوق کو خدا کی عیال وکنبہ فرما کر قومیت کی بیخ کنی کی انتہا کردی۔ فرمایا:

''الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله''۔

مخلوق خدا کا کنبہ ہے، خدا کے نزدیک مخلوق میں کا بہترین وہ شخص ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرے۔

(مشکوۃ، باب الشفقة و الرحمة على الخلق۔ مظاہر حق ص۵۵۹ ج۴)

اسلام جو ایک آفاقی پیغام کا علمبردار ہے وہ قومیت کی بنیاد صرف اسلام پر رکھتا ہے جو اس دعوت پر لبیک کہتا ہے وہ اس کی قومیت میں شامل ہوجاتا ہے، اور جو اس سے انکار کرتا ہے وہ حقیقی بھائی یا بیٹے ہونے کے باوجود بھی ﴿ لَيْسَ مِنْ اَهْلِکَ ﴾ کا مصداق سمجھا جاتا ہے۔

دامن تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دین ہے تو مصطفوی ہے
مرغوب احمد

عصبیت ایک مہلک مرض

اس امت کی تباہی و بربادی، ذلت وپستی کے اسباب میں ایک بڑا سبب اختلاف و تفرقہ ہے، اگر امت مسلمہ میں اخوت و بھائی چارگی کی صفت پیدا ہوجائے تو انشاء اللہ ہماری پستی بلندی سے، ذلت عزت سے بدل سکتی ہے۔

اختلافات کی وجوہ کثیرہ میں اگر غور کیا جائے تو اس کا سرچشمہ قومیت، لسانیت، عصبیت سمجھ میں آتا ہے، لہذا ضرورت ہے کہ اس مہلک مرض کے ازالہ کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

ان اوراق میں اس مرض کی قباحت پر قرآن وحدیث کی روشنی میں چند باتیں ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں۔حق تعالی ان سطور کو راقم وناظرین کے لئے نافع بنائیں آمین۔

﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾ ترجمہ وتفسیر

﴿ یَـٰٓأَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾۔(سورۂ حجرات، آیت نمبر:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے (پس اس میں سب برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (سو محض اس لئے) تا کہ دوسرے کو شناخت کر سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو (اور پرہیزگاری ایسی چیز ہے کہ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو محض) اللہ خوب جاننے والا (اور وہی اس سے) پورا خبردار ہے (پس اس پر بھی شیخی مت کرنا، کما قال تعالی : ﴿ فَلَا

تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ۔(بیان القرآن)

قرآن کریم کی اس آیت نے کیسے حکیمانہ انداز میں اس مرض کا علاج کیا کہ نسب اور خاندان کی بناء پر فخر وغرور درحقیقت کوئی تفاخر کی چیز نہیں ، کیونکہ تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو، کسی کو کسی پر نسبی برتری حاصل نہیں۔نسبی اور قومی تفاخر بے بنیاد ہے اور باہمی منافرت وعداوت کا پیش خیمہ ہے، اصل مدار شرافت تو تقوی ہے۔

آیت کا شان نزول

اس آیت کا شان نزول بھی یہ بتلا رہا ہے کہ قومیت ونسبیت کوئی بزرگی اور بڑائی کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایمان اور تقوی باعث شرافت ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے عباد بن اسید رضی اللہ عنہ نے اذان سن کر کہا: اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ روز بد دیکھنا نہیں پڑا۔حارث بن ہشام نے کہا: محمد ﷺ کو اس کالے کوے (معاذ اللہ) کے سوا کوئی اور آدمی نہیں ملا جو مسجد حرام میں اذان دے۔سہیل بن عمر نے کہا: اگر خدا چاہے گا تو یہ حالت بدل دے گا۔ابوسفیان نے کہا: میں کچھ نہیں کہتا، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمان کا مالک ان کو خبر دے دے گا، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کو ان تمام گفتگو کی اطلاع دی۔آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر اس کی باز پرس کی۔انہوں نے اقرار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے بتلایا کہ فخر وعزت کی چیز درحقیقت ایمان وتقوی ہے جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آراستہ ہیں، اس لئے وہ تم سے افضل ہیں۔

الغرض عزت کا مدار اللہ تعالی کے نزدیک صرف تقوی اور اتباع شریعت وسنت پر ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا ارشاد خداوندی سے صاف ظاہر ہے۔عارف جامی رحمہ اللہ کا یہ شعر اس مضمون کو بخوبی ظاہر کر رہا ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

البتہ انساب وقبائل کی تقسیم میں متعدد مصلحتیں اور حکمتیں پنہاں ہیں۔منجملہ ان میں خاندان کے تفاوت سے ایک نام کے متعدد افراد میں امتیاز وفرق، اعزہ واقارب کی صلہ رحمی کے حقوق ادا کرنا، تقسیم میراث میں حقدار کو حق ملنا وغیرہ۔معلوم ہوا کہ قبائل کی تفریق تفاخر کے لئے نہیں بلکہ تعارف کے لئے ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے صحیح لکھا:

خلاصہ یہ ہے کہ نسبی تفاوت کو تعارف کے لئے استعمال کرو تفاخر کے لئے نہیں۔

(معارف القرآن ص ۱۲۵ ج ۸)

احادیث مبارکہ

لیس منا من دعا الی عصبیة

(۱)......عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی الله عنه : اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی الله علیه وسلم قَالَ : لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّةٍ ، وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلٰی عَصَبِیَّةٍ ، وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰی عَصَبِیَّة۔ (ابوداؤد ص۳۴۲ ج۲، باب العصبیة ، کتاب الادب)

عصبیت کی مذمت

ترجمہ:......حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے اہل ملت یا ہمارے اہل طریقہ میں سے نہیں ہے) جو لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے (یعنی لوگوں کو کسی ناحق معاملہ میں حمایت کرنے پر آمادہ کرے) نہ وہ شخص ہم میں سے ہے جو عصبیت کے سبب جنگ کرے، اسی طرح وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی حالت میں مرجائے۔

(ترجمہ از: مظاہر حق ص۵۰۵ ج۴)

جاہلیت کے دعوی پر ''لیس منا'' کی وعید

(۲)......عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : لیس منا من ضرب الخدود ، وشق الجیوب ، ودعا بدعوی الجاهلیة ، متفق علیه۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہمارے راستے پر چلنے والوں میں سے نہیں جو رخساروں کو پیٹے، گریبان چاک

کرے اور ایام جاہلیت کی طرح آواز بلند کرے۔

یعنی رونے کے وقت زبان سے ایسے الفاظ اور ایسی آواز نکالے جو شرعاً ممنوع ہے، جیسے واویلا کرنا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں رخساروں کو پیٹنے اور گریبان چاک کرنے والے کے لئے جو وعید بیان فرمائی جارہی ہے، یہی وعید اس شخص کے لئے بھی ہے جو سر سے پگڑی وٹوپی اتار پھینکے یا سر اور ڈاڑھی کے بال نوچنے لگے، کیونکہ اس چیزوں کا ایک ہی حکم ہے۔ (مظاہر حق ص۱۴۶ ج۲)

’’لیس منا‘‘ کا مطلب

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’لیس منا کے معنی ہیں: ’’ہم میں سے نہیں ہے‘‘ یعنی ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے طرز تکلم وخطاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ’’لیس منا‘‘ وعید کا ایسا جملہ تھا جو ان موقعوں پر آپ ﷺ استعمال فرماتے جہاں صریح وقطعی کفر کی جگہ سے کوئی بہت ہی قریب اور اسلامی زندگی سے بہت ہی بعید حالت کا بتلانا مقصود ہوتا تھا۔ عام معاصی وفسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعی سے کم ہوتی تھی۔

جن جن احادیث میں یہ لفظ آیا ہے ان سب پر غور کیا جائے اور ایمان وفکر کے عملی مراتب کی حقیقت بھی پیش نظر ہو جو اوپر گذر چکی تو یہ بات واضح ہوجائے گی، پس کچھ ضروری نہیں ہے کہ ’’لیس منا‘‘ کے یہ معنی کئے جائیں کہ ’’لیس علی ھدینا‘‘ یا ظاہر منطوق کو چھوڑ کر اور کوئی تاویل کی جائے یا نفی کو کمال نفی پر محمول کیا جائے۔

صاحب شریعت نے جن کاموں کے لئے جو احکام دیئے ہیں اور جو الفاظ استعمال کئے ہیں، حق نہیں ہے کہ تاویل، توجیہ کر کے ان کے لغوی مفہوم کا اصلی زور واثر گھٹانے کی کوشش

کریں۔ایسی کوششیں جن لوگوں نے کیں انہوں نے مسلمانوں کو اسلام کی عملی زندگی سے محروم کر دیا، ائمۂ سلف نے ہمیشہ ایسی تاویلوں سے انکار کیا، اوران تمام راہوں سے بچتے رہے جورائے اور تعمق کی بدعتوں تک لے جانے والی تھیں۔

اسی حدیث کی نسبت امام نووی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ وغیرہ لکھتے ہیں:

''وكان سفيان بن عيينة رحمه الله يكره قول من يفسره بليس على هدينا ويقول : بئس هذا القول ، يعنى بل يمسك عن تاويله''۔

(شرح مسلم ص۲۹۔فتح الباری ص۱۲/۱۳)

یعنی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ ''ليس منا'' کی تفسیر یوں کی جائے کہ ''ليس على هدينا''اوراس تفسیر کی نسبت کہا کرتے تھے کہ: کیا ہی برا قول ہے۔ مقصود ان کا یہ تھا کہ ان نصوص کی تاویل نہ کرنی چاہیے۔

اسی طرح شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے میزان میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے:

''ومن الارب اجراء الاحاديث التى خرجت مخرج الزجر والتنفير على ظاهرها من غير تاويل ، فانها اذا ولت من مراد الشارع كحديث :'' من غشنا فليس منا '' '' وليس منا من لطم الخدود وشق الجيوب ودعى بدعوة الجاهلية '' فان العالم اذا ولها بان المراد ليس منا فى تلك الخصلة فقط أى وهو منا فى غيرها هان على الفاسق الوقوع فيها وقال مثل المخالفة فى خصلة واحدة امر سهل''۔

''ليس منا'' کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی مسلمانوں میں سے نہیں۔(معارف مدنی ص۴۹۵)

عصبیت کس کو کہتے ہیں

(۳)......عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الاَسْقَع رضی الله عنه قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا الْعَصَبِيَّةُ ؟ قَالَ : اَنْ تُعِيْنَ قَوْمَکَ عَلَى الظُّلْمِ۔

(ابوداؤد،ص۳۴۲ج۲، باب العصبية ، کتاب الادب، مشکوۃ ص۴۱۸، باب المفاخرة والعصبية)

ترجمہ:......حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عصبیت (یعنی جاہلیت) کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عصبیت یہ ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم و جماعت کی حمایت کرو۔

تشریح:......ایک دوسری روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ سے سوال کیا گیا ’’امن العصبية ان يحب الرجل قومه ‘‘یعنی کیا عصبیت اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی قوم کو عزیز رکھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

’’لا ولكن من العصبية ان يعين الرجل قومه على الظلم‘‘

یعنی نہیں، لیکن عصبیت اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص ظلم کے معاملہ میں اپنی قوم کی حمایت و مدد کرے۔(احمد،ابن ماجہ، باب العصبية۔مشکوۃ،ص۴۱۸، کتاب الفتن)

اس روایت نے بہت صاف انداز میں عصبیت کے مفہوم کو واضح کردیا کہ اپنی قوم اور جماعت کی ایسی بیجا حمایت، جس میں دوسروں پر ظلم وتعدی ہو اور اپنی برادری کی ایسی معاونت جس میں سراسر زیادتی ہو، شریعت مطہرہ کی نظر میں ایسی حمایت ونصرت قابل مواخذہ اور مذموم ترین معصیت ہے، جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے۔

حدیث پاک کے الفاظ:’’ان تعين قومک على الظلم‘‘ سے پتہ چلتا ہے کہ حق کے معاملہ میں اپنی قوم و جماعت کی حمایت ورعایت کی جائے تو یہ مطلوب و پسندیدہ ہے، جیسا

کہ ایک اور حدیث میں حضرت سراقہ ابن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: ''خیر کم المدافع عن عشیرته ما لم یأثم''۔

یعنی تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی جماعت کا دفعیہ کرے جب تک کہ اس دفعیہ کی وجہ سے ظلم کے گناہ کا خود مرتکب نہ ہو۔ (ابوداؤد ص ۳۴۲، مشکوۃ ۴۱۸)

اپنی قوم کی بیجا حمایت کرنے والے کی مذمت

(۴)......عَنْ ابنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه : عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ : مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِى رَدٰى فَهُوَ يَنْزِعُ بِذَنْبِهٖ۔

(ابوداؤد ص ۳۴۲، باب العصبية ، کتاب الادب ، مشکوۃ ص ۴۱۸، باب المفاخرة والعصبية)

ترجمہ:......حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنی قوم کی ناحق حمایت کرے وہ اس اونٹ کے مانند ہے جو کنویں میں گر پڑے اور پھر اس کی دم پکڑ کر اسے کھینچا جائے۔

تشریح:......مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کنویں میں گر کر ہلاک ہوجاتا ہے اور اس میں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں پاتا ایسے ہی اپنی قوم کی بیجا حمایت کرنے والا گناہ کے کنویں میں گر کر روحانی طور پر تباہ ہوجاتا ہے۔

اظہار فخر کی ممانعت

(۵)......عَنْ عِيَاض بن حِمَار المجاشِعِّي رضی الله عنه : اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ : اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَر اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَبْغِى اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ۔ (مسلم، مشکوۃ ص ۴۱۷۔ باب العصبية والمفاخرة)

ترجمہ:......حضرت عیاض ابن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے بذریعہ وحی مجھے حکم دیا ہے کہ عاجزی اور فروتنی اختیار کرو، یہاں تک کہ کوئی شخص کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی شخص کسی پر ظلم کرے۔

اپنے نسب پر گھمنڈ نہ کرو

(٦)......عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : اَنْسَابُكُمْ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِمَسَبَّةٍ عَلٰى اَحَدٍ ، كُلُّكُمْ بَنُوا اٰدَمَ طَفَّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَؤُهُ ، لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِيْنٍ وَتَقْوىً ، كَفٰى بِالرَّجُلِ اَنْ يَكُوْنَ بَذِيًّا فَاحِشاً بَخِيْلاً ۔

(رواہ احمد والبیهقی فی شعب الایمان،مشکوۃ ص۴۱۸، باب العصبیة والمفاخرة)

ترجمہ:......حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نسب کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے سبب تم کسی کو برا کہو اور عار دلاؤ، تم سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو جس طرح ایک صاع دوسرے صاع کے برابر ہوتا ہے جس کو تم نے بھرا نہ ہو، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں علاوہ دین اور تقوی کے، آدمی کی برائی کے لئے پس اتنا کافی ہے کہ وہ زبان دراز، فحش گوئی اور بخل کرنے والا ہو۔

تشریح:......ارشادگرامی کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ایک صاع اپنے ہی جیسے صاع کے برابر ہوتا ہے یا ان دونوں میں جو چیزیں بھری ہوتی ہیں وہ یکساں اور مقدار و وزن میں برابر ہیں کہ ان کو ایک دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں، اسی طرح انسان ایک باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی حیثیت میں برابری کا درجہ رکھتے ہیں، کسی کو کسی پر محض باعتبار نسب کے کوئی فوقیت و برتری حاصل نہیں۔

عصبیت پر دخول جہنم وعذاب کی وعید

(۷)......عَنِ ابْنِ عُمَر رضی الله عنهما قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم : سِتَّةٌ یَدْخُلُوْنَ النَّارَ بِغَیْرِ حِسَابٍ : اَلاُمَرَاءُ بِالْجُوْرِ ' وَالْعَرَبُ بِالْعَصَبِیَّةِ ' وَالدَّهَاقِیْنُ بِالْکِبَرِ ' وَالتُّجَّارُ بِالْکِذْبِ ' وَالْعُلَمَاءُ بِالْحَسَدِ ' وَالاَغْنِیَاءُ بِالْبُخْلِ۔

ترجمہ:......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: حضرت ﷺ نے فرمایا: چھ قسم کے لوگ بغیر حساب کے جہنم میں داخل ہوں گے: امراء ظلم کی وجہ سے، اور عرب عصبیت کی بنا پر، اور دہاقین (چودھری) تکبر کے باعث، اور تجار جھوٹ کے سبب، اور علماء حسد کر کے، اور مالدار بخل کی وجہ سے۔ (کنز العمال ، رقم الحدیث:۴۴۰۳۰)

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

(۸)......ستة یعذبهم الله بذنوبهم یوم القیامة : الامراء بالجور ' والعلماء بالحسد' والعرب بالعصبیة ' واهل الاسواق بالخیانة ' والدهاقین بالکبر ' واهل الرساتیق بالجهل۔

ترجمہ:...... چھ قسم کے لوگوں کو اللہ تعالی قیامت کے دن ان کے گناہوں کے سبب عذاب دے گا: امراء کو ظلم اور علماء کو حسد اور عرب کو عصبیت اور بازار والوں (یعنی تجار) کو خیانت اور دہاقین کو تکبر اور اہل دیہات کو جہل کی وجہ سے۔ (کنز ، رقم الحدیث :۴۴۰۳۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو معمولی الفاظ کے فرق سے نقل کیا ہے۔

(منهاج العابدین ص۱۲۰۔احیاء العلوم ص۱۶۸ج۲، کتاب ذم الغضب والحسد)

نسبی فخر کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا عجیب عمل

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھ میں اور ایک شخص میں آنحضرت ﷺ

کے سامنے تکرار ہوگئی میں اس کو کہہ بیٹھا ’’یـا ابـن السـوداء ‘‘ او کالی عورت کے بچے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر!

’’طف الصاع طف الصاع ، لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل ‘‘

یعنی دونوں پلے برابر ہیں گوری عورت کے بچے کو کالی عورت کے بچے پر کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ سن کر میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا تو میرے رخسار کو پامال کر۔

امام غزالی رحمہ اللہ اس واقعہ کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کس طرح آگاہ فرمایا جب معلوم کیا کہ یہ اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں اس نظر سے کہ گوری عورت سے پیدا ہوئے ہیں اور یہ ان کی خطا اور نادانی ہے۔

اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے کیسی توبہ کی اور اپنے نفس سے کبر کی جڑ کس طرح اکھاڑی کہ جس پر تکبر کیا تھا اسی سے کہا کہ اپنا تلوا میرے رخسار پر مل، کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ عزت کی جڑ بدون ذلت کے نہیں جاتی۔

(مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین، ص۵۳۴ ج۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ہمارے لئے قابل تقلید ہے کہ اپنی خطا پر کیسی توبہ کی۔ آج ہم قومی محبت میں ایک دوسرے پر کیسے کیسے نامناسب کلمات و الفاظ بک دیتے ہیں اللھم احفظنا اور اس پر ہمیں کوئی افسوس و ندامت بھی نہیں ہوتی۔

میری امت میں جاہلیت کی چار باتیں

(۹)......عـن ابـی مـالک الاشـعـری رضـی الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عـلـيـه وسـلـم : اربـع مـن امتـی من امر الجاهلية لا يتر كهن : الفخر فی الاحساب ،

والطعن فی الانساب ، والاستسقاء بالنجوم ، والنیاحۃ ، رواہ مسلم۔

(مشکوۃ ص۱۵۰، باب البکاء علی المیت)

ترجمہ:...... حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: زمانۂ جاہلیت کی چار باتیں ایسی ہیں جنہیں میری امت کے (کچھ) لوگ نہیں چھوڑیں گے: ایک حسب پر فخر کرنا، دوسرا نسب پر طعن کرنا، تیسرے ستاروں کے ذریعہ پانی مانگنا، چوتھا نوحہ کرنا۔

تشریح:...... ''حسب'' ان خصلتوں کو کہتے ہیں جو اگر کسی انسان میں موجود ہوں تو وہ ان کی موجودگی کی وجہ سے اپنے کو بہتر و اچھا سمجھتا ہے، جیسے بہادری اور فصاحت وغیرہ۔

''نسب پر طعن کرنے'' کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے نسب میں اس طرح عیب جوئی کی جائے کہ فلاں شخص کا باپ برا تھا اور فلاں شخص کا دادا کمتر تھا۔

چونکہ حسب پر فخر کرنے اور نسب پر طعن کرنے کی وجہ سے اپنی تعظیم و بڑائی اور دوسرے لوگوں کی حقارت لازم آتی ہے اس لئے دونوں چیزیں ہی مذموم ہیں۔

''ستاروں کے ذریعہ پانی مانگنے'' سے مراد یہ ہے کہ ستاروں کی تاثیر پر بارش کی امید رکھنا یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ اگر فلاں ستارہ فلاں منزل میں داخل ہو جائے گا تو بارش ہوگی۔

اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں ستارے کے فلاں منزل میں داخل ہونے کی وجہ سے بارش ہوگی' حرام ہے، بلکہ جب بارش ہو تو یہ کہنا واجب ہے کہ اللہ تعالی نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں بارش سے سیراب کیا ہے۔

''نوحہ کرنے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے تو اس پر واویلا کیا جائے اور میت کی اچھی خصلتیں رو رو کر اس طرح بیان کی جائیں کہ'' ہائے وہ کتنا بہادر تھا، ہائے وہ

ایسا تھا اور ہائے وہ ایسا تھا‘‘۔(مظاہر حق ص ۱۴۶ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ’’رحمۃ اللہ الواسعۃ‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’نبی ﷺ نے فراست نبوت سے یہ بات سمجھ لی کہ لوگ مذکورہ باتوں سے کنارہ کش نہیں ہوں گے، کیونکہ وہ باتیں بشری طبیعت کی حد اعتدال سے نکل جانے کا لازمی نتیجہ ہیں۔اور یہ ایسا ہی تقاضا ہے جیسا شدت شہوت کا تقاضا، جس سے شہوت پرست جدا نہیں ہوسکتا۔اسی طرح بعض لوگ ڈینگ ہانکنے اور لاف زنی کے خوگر ہوتے ہیں، جس سے پہلی دو برائیاں جنم لیتی ہیں۔ڈینگیا اپنی خاندانی خوبیوں پر اتراتا ہے اور دوسرے کی خوبیاں اس کو ایک آنکھ نہیں بھاتیں اور وہ اس کے حسب ونسب میں کیڑے نکالتا ہے۔

فائدہ:......حدیث کا منشا یہ ہے کہ ان چار برائیوں کا ازالہ چونکہ مشکل ہی سے ہوتا ہے، اس لئے لوگ ان سے پیچھا چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کریں جیسے کپڑے پر کوئی ایسی چیز لگ جائے جس کا ازالہ دشوار ہو تو لوگ مختلف تدبیروں سے داغ چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں،

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ اپنی خاندانی خوبیوں پر شیخی نہ بگھاریں، بلکہ خدا کا شکر بجا لائیں اور دوسروں کی خاندانی خوبیوں کے سلسلہ میں لوگ عالی ظرفی اور سیر چشمی کا مظاہرہ کریں۔(رحمۃ اللہ الواسعۃ ص ۶۹۰ ج ۳)

تفاخر بالانساب پر وعید

(۱۰)......عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی الله عنه : عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ : لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَآئِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا ، اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ ، اَوْ لَيَكُوْنَنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِىْ يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِاَنْفِهٖ ، اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ

اَلْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ ، اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوۃ ص۴۱۸)

ترجمہ: ......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: (لوگ اپنے) باپ دادا پر فخر کرنا چھوڑ دیں جو مر چکے ہیں، اور جن کی حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ دوزخ کا کوئلہ بن گئے ہیں، ورنہ (اگر فخر کرنے سے باز نہ آئے تو) وہ خدا کے نزدیک گوہ (غلاظت) کے ایک کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوں گے جو غلاظت کو اپنی ناک سے ہٹاتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالی نے تم میں سے جاہلیت کی نخوت کو اور باپ دادا پر فخر کرنے کی عادت کو دور کر دیا ہے (یاد رکھو) آدمی (اب) یا مؤمن متقی ہے یا فاجر وبدکار، تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔

تشریح: ......حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

تکبر بالعموم پانچ خوبیوں میں ہوتا ہے..... (ان میں ایک) نسب کی شرافت پر کہ ہم قریش ہیں، اور ظاہر ہے کہ وہ نومسلم تھے اور ان کے باپ دادا کافر، پس بیٹا جب تکبر کے سبب بزرگی سے خود محروم ہے تو باپ پر فخر کرنا ایسا ہے جیسے افیونی ڈینگ مارے کہ میرا باپ رستم پہلوان تھا، اور خود منھ سے مکھی بھی نہ اڑا سکے، اور اگر باپ دادا کفر پر مرے ہیں اور ان کا نطفہ ہونے پر فخر کرتا ہے تو ایسا ہے جیسے کہ گوہ کا کیڑا کہ نجاست کو ناک سے دھکیلتا ہے اور اپنے آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا ہے۔ (جمع الفوائد مترجم، ص۹۴)

حاصل یہ ہے کہ اپنے باپ دادا کے متعلق فخر وغرور کو آنحضرت ﷺ نے غلاظت کے کیڑے سے تشبیہ دی ہے۔

اورفرمایا: آدمی دوقسم پر ہیں: مؤمن ومتقی ،یعنی ایمان وتقوی اوراعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال ہےتو وہ خود قابل تکریم،اس کوکیا ضرورت اپنے آباء پرفخر کرے۔دوسری قسم فاجروبدکار،یعنی اگرفاجر ہےتو وہ خدا کےنزدیک ذلیل وخوار ہےاس صورت میں اس کوکیا حق ہے کہ تکبر وگھمنڈ کرے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے محض حسب ونسب پرفخر کرنے والے کی عجیب مثال دی ہے،تحریرفرماتے ہیں:

وہ شخص جوکوئی ذاتی کمال نہیں رکھتااورمحض شرافت نسب پرفخر کرتا ہےاس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے، یاکسی سڑے ہوئے مردار کی گردن میں گراں قدر جواہرات کا ہار لٹکا دے،تواس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی اورنہ مردار میں کوئی زینت۔(اسلام اورنسبی امتیازات ص۳۴۔جواہرالفقہ ص۱۰۲ج۲)

حدیث کےآخرمیں فرمایا:''الناس کلھم بنو آدم'' کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں،کما قیل ؎

الناس من جهة التمثال اکفاء	ابو هم آدم والام حواء

''وآدم من تراب''اورحضرت آدم علیہ السلام کی ولادت مٹی سے ہوئی ا،ورمٹی چونکہ ایک بے حیثیت اورکم درجہ کی چیز ہے لہذا مٹی سے بنائے گئے انسان کے لئے یہ غیر مناسب بات ہے کہ اپنی بڑائی اور عظمت کا دعوی کرتا پھرے۔شیخ سعدی رحمہ اللہ نے خوب کہا ؎ (بوستاں ص۱۳۶،باب چہارم درتواضع)

زخاک آفریدت خداوند پاک	پس اے بندہ افتادگی کن چوخاک

اللہ تعالی نے تجھے خاک سے پیدا فرمایا ہے،تواے بندے خاک کی طرح عاجزی کر۔

آبائی فخر پر جہنم کی وعید

(۱۱)......ایک روایت میں ہے کہ: دو شخصوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے باہم فخر کیا، ایک نے دوسرے کو کہا میں فلاں شخص فلانے کا بیٹا ہوں، بتلا تو کون ہے؟ پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دو شخصوں نے اسی طرح فخر کیا تھا ایک نے دوسرے سے کہا میں فلانے کا بیٹا اور فلانے کا پوتا اور فلانے کا پڑپوتا ہوں، اسی طرح نو پیڑھی تک گن گیا۔ اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ جو شخص فخر کرتا ہے اس سے کہدو کہ وہ نو کے نو دوزخ میں ہیں اور تو دسواں۔ (مذاق العارفین ص ۵۳۴ ج ۳)

فخر بالانساب شیطان کا مکر ہے

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فخر بالانساب کو شیطان کے مکر میں سے شمار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”عوام کے لئے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ کسی کا کوئی نسب ہوتا ہے تو اپنے نسب پر مغرور ہو جاتا ہے۔ ایک کہتا ہے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں۔ دوسرا کہتا ہے: میں اولاد علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ تیسرا کہتا ہے میرا نسب فلاں عالم یا فلاں زاہد سے ملتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اس معاملہ کی بنیاد دو باتوں پر رکھتے ہیں: ایک تو یہ کہ جو شخص کسی آدمی سے محبت رکھے گا اس کی اولاد اور اس کے گھر والوں کو بھی چاہے گا، دوسرے یہ کہ بزرگوں کے لئے شفاعت ہے اور ان کی شفاعت کی زیادہ حق دار ان کی اولاد ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ رہی محبت سو اللہ تعالی کی محبت ایسی نہیں جیسی آدمیوں کی محبت ہے، وہ تو اس شخص سے محبت رکھتا ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اہل کتاب بھی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں ان کو اپنے باپ دادا سے کچھ نفع نہیں۔ اور اگر باپ کی محبت اثر کرتی ہے تو بغض بھی ضرور اثر کرتا ہے، باقی رہی شفاعت تو اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ یعنی شفاعت اسی کی کریں گے جن کے لئے اللہ تعالی راضی ہوگا۔نوح علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو کشتی میں بٹھانا چاہا تو ارشاد ہوا: ﴿اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ یعنی اے نوح! یہ تمہارا لڑکا تمہاری اہل میں سے نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شفاعت اپنے باپ کے حق میں اور ہمارے نبی ﷺ کی شفاعت اپنی ماں کے حق میں مقبول نہ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: خدا کے یہاں میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے باپ کی نجات سے اس کی بھی نجات ہوجائے گی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یوں سمجھ بیٹھے کہ اس کے باپ کے کھانے سے اس کا بھی پیٹ بھر جائے گا۔ (ابلیس اردو ص ۴۵۱، باب ۱۲)

خراسانی سید اور حبشی بزرگ کا سبق آموز واقعہ

مفتیٔ بغداد صاحب روح المعانی علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ ایک خراسانی بزرگ کا واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک سید زادہ شریف النسب تھے، لیکن جدی اخلاق اور اعمال کے متاع گرانمایہ کو لہو ولعب کی نظر کر چکے تھے، اور طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا تھے، اور اسی جگہ ایک حبشی عالم متقی تشریف فرما تھے، جو نسب کے اعتبار سے بھی آزاد کردہ غلام ہونے کی حیثیت رکھتے تھے، لوگ ان کی انتہائی تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔ ایک روز اتفاقاً یہ بزرگ مسجد کی طرف جا رہے تھے خلق اللہ کی ایک بہت بڑی جماعت پیچھے تھی، یہ سید زادہ اچانک سامنے آگئے، نشہ پیئے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو بزرگ صاحب کے راستہ سے ہٹانا چاہا، مگر یہ نہ ہٹے اور مجمع کو چیر پھاڑ کر شیخ کے پاس پہنچے، اور ان کا دامن پکڑ لیا اور نہایت سخت اور متکبرانہ لہجہ میں خطاب کیا:

''اے سیاہ ہونٹ اور سیاہ سموں (آواز) والے کافر بن کافر! میں رسول اللہ ﷺ کا بیٹا ہوں مجھے ذلیل کیا جاتا ہے اور تیری عزت کی جاتی ہے، مجھے دھکے دیئے جاتے ہیں اور تیری ہر قسم کی مدد کی جاتی ہے''۔

لوگوں نے یہ کلمات سنے تو ان کو مارنے کے لئے دوڑے، شیخ نے بمشکل بچایا اور کہا کہ میں ان کی یہ سب باتیں ان کے جدامجد ﷺ کی خاطر برداشت کرتا ہوں اور معاف کرتا ہوں۔(یہاں ایک بات بطور جملہ معترضہ کے نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ شیخ کا یہ عمل بھی اتباع نبوی میں تھا، اس لئے کہ حدیث میں فرمایا رسول اللہ ﷺ: نے میرے اہل بیت اور انصار کے نیک بختوں سے نیک کام قبول کرو اور ان میں جو گنہگار ہیں ان سے درگذر کرو ''سفینة النجات فی ذکر مناقب السادات ''مؤلفہ حضرت مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری) اور اس کے بعد ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ:

میں نے اپنے باطن کو سفید کرلیا اور تم نے اپنے باطن کو سیاہ کر ڈالا اس لئے میرے دل کی سفیدی میرے سیاہ چہرے پر دیکھی گئی اور لوگوں کو بھلی معلوم ہوئی اور تمہارے دل کی سیاہی تمہارے سفید چہرہ پر دیکھی گئی جو لوگوں کی نفرت کا سبب بنی میں نے تمہارے والد کی صفت اختیار کرلی اور تم نے میرے والد کی تو لوگوں نے مجھے تمہارے والد کی صفت و حالت میں دیکھا اور تمہیں میرے والد کی صفت میں، اس لئے انہوں نے مجھے تمہارے والد کا بیٹا سمجھا اور تم کو میرے والد کا، اور تمہارے ساتھ وہ معاملہ کیا جو میرے باپ کے ساتھ کرنا تھا، اور میرے ساتھ وہ معاملہ کیا جو تمہارے والد کے ساتھ کرنا تھا۔(اسلام اور نسبی امتیازات ص ۳۹)

خلاصہ یہ کہ اس وقت شدید ضرورت ہے کہ ہم قومی، نسلی، لسانی تعصّبات سے اور علاقائی و خاندانی تنگ نائیوں سے ہٹ کر اسلامی اخوت کا بیان اور محبت کی زبان کا عملی

نمونہ بنیں اور بنانے کی حتی الوسع کوشش و محنت کریں ۔

ہوس نے کر دیا ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو

اخوت کا بیاں ہوجا محبت کی زباں ہوجا

’’انا النبی لا کذب‘‘ سے اعتراض اور اس کا جواب

سطور بالا سے عصبیت کی قباحت و مذمت نیز اپنے آباء واجداد پر افتخار کی حرمت ظاہر ہوگئی۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں تو آپ ﷺ سے تفاخر بالا جداد ثابت ہے۔ غزوۂ حنین میں جب آنحضرت ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تو آپ ﷺ جس خچر پر سوار تھے اس سے اتر پڑے اور فرمانے لگے: ۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

کہ میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا سپوت ہوں۔

(مشکوۃ ص ۴۱۷، باب المفاخرۃ و العصبیۃ)

علماء نے اس اعتراض کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔صاحب مظاہر حق کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ: آپ ﷺ کا ارشاد ’’انا النبی لا کذب‘‘ دین کی طاقت اور شان و شوکت بڑھانے اور کفار کے مقابلہ میں اپنا رعب ظاہر کرنے کے لئے تھا اور اس طرح کا فخر جائز ہے۔(مظاہر حق ص ۵۵۰ ج ۴)

علامہ بغوی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ جو افتخار ممنوع ہے وہ جہاد کے علاوہ ہے اور آپ ﷺ نے جہاد کے موقع پر اس کی رخصت دی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی خیبر کے دن یہ رجز ثابت ہے ’’انا الذی سمتنی امی حیدرہ‘‘۔

(شرح السنۃ ص ۵۰۸ ج ٦، کتاب البر و الصلۃ ، باب الافتخار بالنسب)

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ نے خوب لکھا:

''ہاں شرافت نسبی وغیرہ وہبی نعمتوں پر فخر اگر براہ تکبر نہ ہو بلکہ تحدیث نعمتِ رب اور شکر منعم کے لئے ہو، یا جہاد میں کفار کے مقابلہ پر ہو تو مستحسن ہے کہ ''انا النبی لا کذب'' کا رجز آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، اور یہ ایسا ہے جیسا قتل نفس کہ ظلم ہے، مگر جہاد میں مامور۔

اسی طرح تقوی و دیگر کسبی نعمتوں پر تکبر حرام ہے، مگر خوش ہونا کہ اللہ نے توفیق خیر بخشی اور فاجر و محروم نہ بنایا اور ﴿اِنَّ اَکرَمَکُمْ عندَ اللهِ اَتقاکُمْ﴾ پر ایمان لانا ہے، اور فرق یہ ہے کہ تکبر ہے یا فرح بالنعمة ہے، اثرات سے معلوم ہوگا کہ تکبر میں تحقیر خلق اور اترانا ہوگا، اور فرح میں خشوع و مسکنت اور بقا کی دعا وزاری۔ (جمع الفوائد مترجم ص ۹۵)

مفاخرہ دو قسموں پر ہیں: مذمومہ اور محمودہ

ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: مفاخرہ دو قسموں پر ہیں: ایک مذمومہ، دوسرا محمودہ۔ باپ دادا پر فخر کرنا ریاء کے طور پر ہو تو مذموم ہے، اور شکر نعمت کے لئے ہو تو محمود۔

(مرقاۃ ص ۱۸۰ ج ۹)

عصبیت پر مرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے

فقہاء نے عصبیت پر لڑائی میں مرنے والی کی نماز جنازہ تک پڑھنے سے منع فرمایا۔

''ولا یصلی علی باغ وقاطع طریق قتل فی حالة المحاربة وقاتل بالخنق غیلة ومکابر فی المصر لیلا بالسلاح ومقتول عصبیة''۔

(نورالایضاح مع طحطاوی ص ۲۰۲، قبیل : فصل فی حملها ودفنها)

اور نماز نہیں پڑھی جائے گی باغی پر اور ڈاکو پر جو مقابلہ کی حالت میں قتل کر دیا گیا ہو اور

خفیہ طور گلہ گھونٹ کر لوگوں کو قتل کرنے والے پر، یا رات کو ہتھیار لے جا کر شہروں میں ڈاکہ ڈالنے والے پر، یا عصبیت میں جنگ کرتا ہوا مارا گیا ہو اس پر۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ عصبیۃً قتل کئے جانے سے کیا مراد ہے؟ تو جواب میں تحریر فرمایا کہ:

ج:...... جو شخص اپنے کسی عصبہ کی غلط حمایت کرتا ہوا مر جائے وہ مراد ہے: **وفی نهاية ابن الاثير : العصبية والتعصب المحاماة والمدافعة ، والعصبى من يعين قومه على الظلم والذى يغضب لعصبة ومنه ، الحديث " ليس منا من دعا الى عصبية او قاتل عصبية " قال فى شرح درر البحار : وفى النوازل : وجعل مشايخنا المقتولين فى العصبية فى حكم اهل البغى على هذا التفصيل ۔** (ردالمحتار ص۵۸۴ ج۱۔ فتاوی محمودیہ ص۴۵۷ ج۱۶)

خدا کرے یہ چند اوراق مفید ثابت ہوں اور عصبیت وقومیت کے ازالہ کے سبب اور اتحاد و یکتائی، اخوت و بھائی چارگی کا ذریعہ بنیں آمین۔ اقبال مرحوم کے کلام پر اس مختصر رسالہ کو ختم کرتا ہوں ۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصاں بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

تتمہ

عصبیت کے متعلق یہ صفحات لکھے ہی تھے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ’’اشرف الجواب‘‘ میں مضمون ’’نسب نامے نہ تو محض بیکار ہیں اور نہ ہی مدار فخر ہیں‘‘ نظر سے گذرا۔ یہ مفید مضمون بطور تتمہ کے شریک کر رہا ہوں کہ حضرت رحمہ اللہ کے ارشادات ہمارے لئے دین و دنیا میں فلاح کا سبب ہوں۔

نسب نامے نہ تو محض بیکار ہیں اور نہ ہی مدار فخر ہیں

از: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

حق تعالی نے مختلف خاندانوں اور قوموں کے بنانے میں یہ حکمت بتلائی ہے کہ اس سے تعارف اور شناخت ہو جاتی ہے، اور ایک دوسرے کا پتہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قریشی ہے یہ انصاری ہے یہ صدیقی ہے یہ فاروقی ہے، اگر یہ تفاوت نہ ہوتا تو امتیاز سخت دشوار ہوتا، کیونکہ ناموں میں اکثر توارد ہوتا ہے، ایک ہی نام کے بہت سے آدمی ہوتے ہیں، تو کسی قدر تو جائے سکونت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک دہلوی ہے ایک لکھنوی ہے، پھر ایک شہر میں بھی ایک نام کے بہت سے ہوتے ہیں تو محلوں کے نام سے امتیاز ہو جاتا ہے، ایک محلّہ کا رہنے والا ہے اور ایک محلّہ خیل کا، پھر وہاں بھی ایک نام کے دو تین ہوتے ہیں تو قبائل کی طرف نسبت سے امتیاز ہو جاتا ہے، یہ حکمت ہے اختلاف قبائل کی۔

مگر آج ہمارے بھائیوں نے اس کو مدار فخر بنا لیا ہے۔ اب یہاں دو قسم کے لوگ ہو گئے: بعض نے تو نسب و شرف کی جڑ ہی اکھاڑ دی۔ ان کو اس سے شبہ ہوا کہ اس آیت میں اختلاف قبائل کی حکمت صرف تعارف بتلائی گئی ہے، اور حکمتوں سے سکوت کیا گیا ہے

توانہوں نے یہ سمجھ لیا کہ بس اس میں اور کچھ حکمت نہیں ہے ’’لان السکوت فی موضع البیان بیان ‘‘اس پر نظر کر کے بعض نے تو شرافتِ نسب ہی کا انکار کر دیا کہ اس سے شرف کچھ نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح دہلوی' لکھنوی' ہندوستانی' بنگالی یہ سب نسبتیں تعارف کے لئے ہیں اوران سے کچھ شرف حاصل نہیں اسی طرح قریشی' انصاری' سید' فاروقی' عثمانی وغیرہ یہ نسبتیں بھی شناخت کے لئے ہیں ان سے بھی کچھ شرف حاصل نہیں ہوتا۔اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس شرف عرفی سے محروم ہیں ان میں سے بعض نے تو اپنے کو شریف ثابت کرنا چاہا ہے، چنانچہ ایک قوم نے اپنا عرب ہونا ثابت کیا ہے، اور کہا کہ ہماری اصل راعی ہے، چونکہ یہ لوگ جانور پالتے ہیں اس لئے ان کو راعی کہا گیا، پھر خلط عوام سے لفظی تغیر ہو گیا۔

اسی طرح بعضوں نے اپنے آپ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے، اور اسی طرح وہ عرب بننا چاہتے ہیں، مگر اس ترکیب میں تکلف تھا، کیونکہ تاریخ سے اس کا کچھ ثبوت نہیں ملتا محض قیاسات بعیدہ سے کام لینا پڑتا ہے، جس سے ہر شخص کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات بنائی ہوئی ہے، اس لئے بعض نے اپنے نقص کو یوں دور کرنا چاہا کہ اہل شرف ہی سے اس شرف کی نفی کر دی کہ شرافتِ نسبت کوئی چیز نہیں۔

بعض نے اس نفی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے ؎

الناس من جهة التمثال اكفاء   ابوهم آدم والام حواء

ما الفخر الا لاهل العلم انهم   على الهدى لمن استهدى ادلاء

آدمی صورت کے اعتبار سے سب برابر ہیں، کیونکہ سب کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ماں حضرت حواء علیہا السلام ہیں۔

پس اہل علم کے سوا کسی کے لئے فخر نہیں ہے، کیونکہ وہی ہدایت پر بھی ہیں اور طالب

ہدایت کی طرف رہنمائی بھی کرتے ہیں۔

اس سے بھی بعض وہ حضرات جونسبی شرف نہیں رکھتے اور علم حاصل کر چکے ہیں، اس پر استدلال کرتے ہیں کہ شرف نسب کوئی چیز نہیں، بس شرف اگر ہے تو علم سے ہے۔

سواول تو یہی معلوم نہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا نہیں؟ پھر جس کا بھی قول ہے مطلب نفی فخر ہے کہ نسب پر فخر نہ کرنا چاہئے، کیونکہ وہ امر غیر اختیاری ہے اور اس پر فخر نہ کرنا چاہئے، مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حسن صورت اور سوانکھا ہونا نعمت بھی نہیں، یقیناً اعلی درجہ کی نعمت ہے، اسی طرح یہاں سمجھو کہ گو شرف نسب بوجہ امر غیر اختیاری ہونے کے سبب فخر نہیں، مگر اس کے نعمت ہونے میں شبہ نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے قریش کی فضیلت بیان فرمائی ہے، انصار کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

اور ایک حدیث میں ہے:

''الناس معادن کمعادن الذهب والفضة ، خيارهم فی الجاهلية خيارهم فی الاسلام اذا فقهوا''۔

کہ جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں اسی طرح آدمیوں کی بھی مختلف کانیں ہیں جن میں بعض سونے کے مشابہ ہیں، بعض چاندی کے، بعض دوسرے معادن کے مثل ہیں، پھر آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: جو خاندان جاہلیت میں اچھے شمار ہوتے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے ہیں جب کہ علم حاصل کرلیں۔

بعض نے یہ سمجھا ہے کہ اس میں قید'' اذافقهوا'' اہل انساب کو مضر ہے کہ اس میں مدار فضل فقہ کو فرمایا، مگر کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ حضور ﷺ ''فقہ'' کے بعد ''خيار فی الجاهلية''

کو ’’خیار فی الاسلام‘‘ فرمارہے ہیں، تو فقہ کے بعد مساوات نہ رہی، بلکہ حاصل یہ ہوا کہ فقیہ غیر صاحب نسب فقیہ صاحب نسب کے برابر نہیں، بلکہ فقیہ صاحب نسب افضل ہوگا، تو کوئی تو بات ہے جس سے وہ خیار ہوئے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ صاحب نسب جاہل سے غیر صاحب نسب عالم افضل ہے اس کا ہم کو انکار نہیں، مگر حدیث سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ شرف نسب بھی کوئی چیز ضرور ہے جس کے ساتھ علم و فقہ مل جائے تو صاحب نسب غیر صاحب نسب سے بہتر ہوگا۔

نیز حدیث میں ہے: ’’الائمة من قریش‘‘ کوئی تو وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے امارت کو قریش کے ساتھ مخصوص فرمایا۔معلوم ہوا کہ اہل انساب میں شان متبوعیت دوسروں سے زیادہ ہے۔

انا النبی لا کذب   انا ابن عبد المطلب

جب جنگ حنین میں حضرات صحابہ کے پیر اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ: میں نبی ہوں یہ جھوٹ بات نہیں (اس لئے میرا غلبہ یقینی ہے) اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں، یعنی میں خاندانی اور صاحب نسب ہوں، ہرگز پسپا نہ ہوں گا، تو اس میں حضور ﷺ نے اپنے صاحب نسب ہونے پر فخر کیا ہے اور دشمن کو ڈرایا ہے کہ تو اپنے مقابل کو کم نہ سمجھنا، وہ بڑا خاندانی ہے، جس کی بہادری سب کو معلوم ہے۔اگر شرف نسب کوئی چیز نہیں تو آپ ﷺ نے ’’انا ابن عبد المطلب‘‘ کیوں فرمایا۔

نیز ایک حدیث میں ہے: ’’ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسمٰعیل ، واصطفی من ولد اسمٰعیل بنی کنانة ، واصطفی قریشا من کنانة ، واصطفی من قریش بنی

هاشم ،واصطفانی من بنی هاشم‘‘۔(رواہ مسلم والترمذی)

یعنی حق تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسمٰعیل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا (اس سے عرب کی فضیلت عجم پر ثابت ہوئی ، کیونکہ اسمٰعیل علیہ السلام ابوالعرب ہیں اور ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے:

’’اختار الله العرب من بین الانام‘‘۔

اور اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا، اور کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا، اور قریش میں سے بنو ہاشم کو، اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب کیا۔

اور ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم (أی الانس) ثم جعلهم فرقتین : فجعلنی فی خیرهم فرقة (ای العرب) ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیرهم قبیلة، (أی قریش) ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرهم بیتا (أی بنی هاشم) فانا خیرهم نفسا وخیرهم بیتا‘‘۔(رواہ الترمذی)

اس نص سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نسب مطلق کرم سے خالی نہیں گو اکرم ہونے کو مستلزم نہ ہو، کیونکہ اکرمیت کا مدار تقوی ہے:﴿ان اکرمکم عند الله اتقاکم﴾۔

مگر اس کرم بالنسب کا یہ مطلب نہیں کہ سارے کرم کو نسب ہی میں منحصر کردیا جائے جیسا کہ اہل قصبات کی عادت ہے، یہ دوسری جماعت ہے جس نے نسب کے بارے میں افراط وغلو کیا ہے جیسا کہ پہلی جماعت نے تفریط کی تھی۔اہل قصبات نے فخر بالانساب ہی پر قناعت کرلی ہے۔

(اشرف الجواب ص ۵۹۰،حصہ چہارم،اعتراض نمبر ۶۶)

خاتمہ

اوس وخزرج میں قومیت کا نعرہ اور نزول آیت

اوس وخزرج ایک ماں باپ کی نسل سے تھے،لیکن ایک مقتول کی وجہ سے دونوں میں دشمنی ہوگئی اور اتنی بڑھی کہ ایک سوبیس برس تک باہم جنگ ہوتی رہی،آخر اسلام کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کی باہمی عداوت کی آگ بجھادی،اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ان میں اتفاق ہوگیا۔ان دونوں قبیلوں میں الفت کی ابتدا کیسے ہوئی اس کی تفصیل دیکھنا ہوتو ’’تفسیر مظہری‘‘ آیت: ﴿ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ﴾سورۂ آل عمران،آیت نمبر:۱۰۳ر کے تحت ملاحظہ فرمایئے!ص ۳۲۱ ج ۲۔

کچھ مدت کے بعد ثعلبہ بنی غنم اوسی اور اسعد بن زرارہ خزرجی میں باہم قبائلی برتری کے متعلق نزاع ہوگیا،اس نے کہا: ہم میں ہی سے تھے وہ خزیمہ بن ثابت جن کی گواہی کو دو گواہیوں کے برابر مانا گیا تھا،اور ہم میں ہی سے تھے حنظلہ رضی اللہ عنہ جن کو ملائکہ نے غسل دیا،اور ہم میں ہی سے تھے عاصم بن ثابت افلح رضی اللہ عنہ،اور ہم میں ہی سے تھے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جن کی وفات پر عرش الہی میں لرزہ آگیا تھا،اور بنی قریظہ کے متعلق ان کے فیصلہ کو اللہ تعالی نے پسند کیا تھا۔

خزرجی نے کہا: ہم میں بھی چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کریم کو محکم کرلیا ہے (یعنی قرآن کے حافظ اور لفظ لفظ کے قاری اور معانی کے عالم ہیں)ابی بن کعب‘ معاذ بن جبل‘ زید بن حارث اور ابوزید رضی اللہ عنہم۔اور ہم میں سے ہی ہیں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو انصار کے خطیب اور سردار ہیں،غرض اسی طرح گفتگو بڑھی اور دونوں کو غصہ آگیا اور دونوں نے فخریہ اشعار پڑھے،آخر دونوں قبیلے اوس اور خزرج ہتھیار لے کر آگئے،پھر رسول اللہ

ﷺ تشریف لائے (اور آپ نے فرمایا: میرے ہوتے ہوئے تم آپس میں خون خرابہ کرو گے؟ پھر آپ ﷺ نے بہت مختصر مگر درد سے بھرا ہوا خطبہ دیا، اس پر دونوں فریقوں نے محسوس کرلیا کہ ہمیں شیطان نے ورغلایا' دونوں روئے' گلے ملے) اوراللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾۔

(تفسیر مظہری اردو ص ۳۱۶ ج ۲، آیت نمبر ۱۰۲)

قومیت کی آواز پر آپ ﷺ کی تنبیہ

غزوۂ مریسع یا غزوۂ بنی المصطلق (مریسع ایک چشمہ یا تالاب کا نام ہے جہاں قبیلۂ بنی المصطلق سے مقابلہ ہوا) میں ایک پانی کے چشمہ پر ایک مہاجر جہجاہ بن مسعودی رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری سنان بن وبرا الجہنی رضی اللہ عنہ میں پانی بھرنے کے ڈول کے متعلق تکرار ہوگئی۔ جہجاہ رضی اللہ عنہ نے سنان رضی اللہ عنہ کو ایک لات یا پتھر مار دیا، اس پر سنان رضی اللہ عنہ نے ''یا للا نصار '' کہہ کر انصار کو اور جہجاہ رضی اللہ عنہن ے ''یاللمهاجرين'' کہہ کر مہاجرین کو اپنی اپنی مدد کے لئے آواز دی۔

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آوازیں سنیں (چونکہ اس میں قومیت کا جذبہ تھا) تو ارشاد فرمایا: یہ جاہلیت کی سی آوازیں کیسی؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک مہاجری نے ایک انصاری کو لات ماردی، آپ نے ارشاد فرمایا: ''دَعُوهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ'' یعنی ان باتوں کو چھوڑ دو یقیناً یہ باتیں گندی اور بدبودار ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد مبارک: ''دعوها فانها منتنة'' پر قیمتی فائدہ دیکھنا ہو تو سیرۃ المصطفی ﷺ ص ۲۸۳، ج ۲ کا مطالعہ کیجئے۔

(سیرۃ المصطفی ﷺ ص ۲۸۲، ج ۲، اصح السیر ص ۱۷۶)

ایک پنڈت کا اعتراض کہ اسلام تکبر کی تعلیم دیتا ہے

راقم الحروف کے آبائی وطن لاجپور میں ایک پنڈت آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اسلام پر یہ اعتراض کیا کہ تمہارا مذہب اسلام تکبر کی تعلیم دیتا ہے۔ میرے نانا حضرت مولانا ابراہیم صاحب ڈابارحمہ اللہ نے اس سے دلیل کا مطالبہ کیا کہ بتلاؤ! کوئی آیت یا کوئی حدیث جس میں تکبر کی تعلیم ہو؟ وہ خاموش۔ پھر مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تمہاری کتاب سے اس بات کا ثبوت دیتا ہوں کہ تمہارے مذہب میں تکبر کی تعلیم ہے۔ ہمیں تو اسلام نے یہ تعلیم دی ہے:

﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾۔

لواب تمہارے مذہب کی سنو! منوجی مہاراج نے ''منواسمرتی'' میں لکھا ہے ۔

برہم ہاسی شرمانت   ورمانت ڈھا کرم
ویشی سے گپتانت   شودرسی چا کرم

برہمن کو اپنے نام کے اخیر میں ''شرما'' اور راجپوتوں ''کو ورما'' لکھنا چاہئے۔

ویشی (لوہاری، درزی وغیرہ) کو چاہئے کہ ''گپتا'' لکھے، چاکروں کو چاہئے کہ ''شودر'' لکھے۔ (یہ سنسکرت زبان کا شعر ہے)

ان اشعار کو سنا کر مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا: دیکھو تمہارے مذہب نے یہ سکھایا کہ ہر مذہب کا ایک خطاب ہو، صاحب نسب کا اعلی اور کم درجہ والے کا ادنی ﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ اس پر پنڈت نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیراتے ہوئے کہا: مولانا! یہ سب اس کی خاطر ہے۔

(ذکر صالحین ص۲۰۶ ج۲)

نبی کریم ﷺ کے تعدد ازواج کا ایک سبب عصبیت کا عملاً خاتمہ تھا

نبی اکرم ﷺ کی ایک سے زائد شادیوں کا ایک سبب خاندانی‘ علاقائی‘ نسلی اور قبائلی عصبیت کا عملاً خاتمہ تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے مختلف قبائل اور خاندانوں کی عورتوں سے شادی کر کے امت کے سامنے عملی نمونہ پیش کر کے ان تمام لعنتوں کا جو عرب کا سرمایۂ افتخار سمجھی جاتی تھیں خاتمہ فرمادیا۔

آپ ﷺ نے بزرگی اور تقرب کے تصور پارینہ کو پارہ پارہ اور نسلی اور قومی احساس برتری کو پاش پاش کر دیا، مروجہ امتیازات مٹ گئے، اختلاف قومیت، تخصیص رنگ و نسل، خاندانی و قبائلی بت فنا ہو گئے۔

آپ ﷺ نے جاہلی کبر و نخوت پر ضرب کاری لگاتے ہوئے انسانی غرور و عصبیت کو کچل کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”وہ قومیں جو اپنے مردہ آباء واجداد پر فخر کرتی ہیں ان کو اس سے باز آنا چاہئے وہ جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں ورنہ پھر اللہ تعالی کے نزدیک نجاست کے ان کیڑوں سے بھی ذلیل تر ہوں گے جو اپنی ناک سے نجاست کو دھکیلتے ہیں اللہ تعالی تم سے یقینی طور پر جاہلیت کی عصبیت اور باپ دادا پر فخر کرنے کو مٹا چکے ہیں۔ (مشکوۃ، باب المفاخرۃ ص ۴۱۷)

ظہور اسلام کے وقت مذاہب عالم اور اقوام و امم پر عصبیت، قومیت اور علاقائی و قبائلی اثرات چھائے ہوئے تھے جو انسان کے فکر و نظر پر غالب اور اس کے شعبۂ حیات پر حاوی تھے اور انسان کی زندگی کا لازمی عنصر بن کر رہ گئے تھے، یہودی اور نصرانی خود کو اللہ کی چہیتی اولاد قرار دیتے تھے، فراعنۂ مصر سورج کے اوتار کی صورت اختیار کئے ہوئے تھے، شاہان ایران اپنی اپنی رگوں میں خدائی خون کے دعویدار تھے، چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا فرزند

تصور کرتے تھے، اور ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی نسبت سورج اور چاند سے قائم کی گئی تھی، ایرانی اپنے رنگ کے فخر سے اتنے مغلوب تھے کہ وہ حبشیوں اور ہندوؤں کو ''کوے'' کہتے تھے۔ عرب اپنی نخوت اور شوکت کے مدنظر ساری دنیا کو عجم یا بے زبان سمجھتے تھے، اور ہندوؤں نے طبقاتی تفوق کے لئے ذات پاک کا نظام وضع کر رکھا تھا۔

جہاں تک عرب کا حال تھا وہاں بھی یہی صورت حال پوری شدت کے ساتھ نظر آتی تھی، عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب اتنا شدید تھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اس کے اثرات گہرے تھے، پھر عدنانیوں میں مضر اور ربیعہ کی کشاکش اتنی ہی شدید تھی، اسی طرح قریش اور غیر قریش کی کشمکش ایک مستقل مسئلہ تھا، اور خود قریش کے اندر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتیں قدیم تھیں۔

اس باہمی تعصب نے نہ صرف آپس کی جنگ وخونریزی کو روا رکھا ہوا تھا بلکہ نفرت و حقارت کا ایک ایسا سیلاب جاری کیا ہوا تھا جو تھمتا نہ تھا۔ اس حالت نے عربی قبائل کے اندر انفرادیت پسندی اتنی بڑھادی تھی کہ ازدواجی تعلقات عموماً قبیلہ کے اندر ہی قائم کئے جاتے تھے۔

رسالت مآب ﷺ نے مختلف قبائل واقوام میں شادیاں کر کے صدیوں سے جاری مذاہب واقوام کی ان جاہلی اور خود ساختہ اقدار وروایات اور عصبیت کا قدیم حصار خاک آلود کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ نما عرب کے مختلف قبائل کی نمائندگی کر رہی تھیں، ساتھ ہی اعلی نسب اور بڑے رتبے والے خاندانوں کے فرد ہونے کی حیثیت سے اہم اقتدار واثرات کی حامل تھیں، چنانچہ مکہ معظمہ

میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنوتمیم سے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنوعدی سے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنومخزوم سے، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا تعلق بنواسد ابن خزیمہ سے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنو امیہ سے تھا، اور مکہ میں ان سے زیادہ بااثر کوئی خاندان نہ تھا۔

مکہ سے باہر ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دونوں کا تعلق یمن کے طاقت ور قبیلہ صعصعہ سے تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا وسط عرب کے بنی مصطلق کے سردار کی اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا شمالی عرب کے بنونضیر کے سردار کی بڑی بیٹی تھیں۔

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زائد شادیاں قبائلی عصبیت کے خاتمہ اور پورے عرب اور مسلمان قوم کو وحدت اسلامی کی لڑی میں پرو کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے راہیں ہموار کرنے کے لئے تھیں، اور آپ ﷺ کی یہ کوشش پوری طرح بارآور ثابت ہوئی۔ (ماہنامہ ’’الفاروق‘‘ کراچی شعبان ۱۴۱۷ھ)

ماہنامہ ’’الفاروق‘‘ (کراچی) کا تبصرہ

عصبیت کی مذمت (قوم پرستی اور اس کے نقصانات):......۴۶ رصفحات کے اس رسالے میں مولانا مرغوب احمد لاجپوری نے قوم پرستی اور عصبیت پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی ہے، اور ملک وملت کے لئے اس کے نقصانات اور مضر نتائج کو بیان کیا ہے۔ کارڈ ٹائٹل کے ساتھ اس رسالے کو ’’بیت العلم ٹرسٹ‘‘ (گلشن اقبال، کراچی) نے چھاپا ہے۔

ماہنامہ ’’الفاروق‘‘ کراچی

شعبان ۱۴۲۸ھ

”کان یکتحل کل لیلۃ“ الحدیث

الاکتحال سنۃ صاحب الجمال

یعنی

سرمہ سنت نبوی ﷺ

اس رسالہ میں سرمہ کے دنیوی فوائد، جدید سائنس کا نظریہ، سرمہ کے متعلق روایات، اثمد کے فوائد وفضائل، سرمہ لگانے کا طریقہ اور وقت وغیرہ امور کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق النساء والرجال ، واختار لعبدہ الدین الکامل والکمال، وصلی اللہ علی نبیہ الذی ھو صاحب الجمال، من سننہ احدی السنن الاکتحال، اما بعد۔

نبی پاک ﷺ کی سیرت طیبہ میں اور آپ ﷺ کے معمولات مبارکہ میں ایک اہم معمول سرمہ کے استعمال کا تھا۔بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ: آپ ﷺ ہر رات سرمہ لگاتے تھے حتی کے سفر میں جو چیزیں آپ کے ساتھ رہتی تھیں ان میں بھی سرمہ دانی کا تذکرہ ہے۔اس سے اس سنت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔مگر آج یہ سنت امت سے ایسی متروک ہوگئی کہ دیندار سمجھا جانے والا طبقہ بھی اس سنت پر خال خال ہی عمل پیرا نظر آیا۔

اس وقت امت کا ایک معتد بہ طبقہ جدید سائنس کی تحقیق پر فریفتہ ہے،اہل سائنس کسی کام میں نفع بتلا دیں تو آنکھیں بند کر کے اس پر عمل شروع۔عجیب بات ہے کہ سرمہ کے دنیوی فوائد بھی جدید سائنس کی نظر میں مسلم ہیں، اس کے باوجود اس سنت کا رواج عام نہیں، اس لئے خیال آیا کہ سرمہ کے متعلق آپ ﷺ کے ارشادات کے ساتھ ساتھ جدید سائنس کے بتلائے ہوئے فوائد بھی ایک مختصر رسالہ میں جمع کر دوں۔

الحمد للہ اس مختصر رسالہ میں سرمہ کے متعلق روایات،اس کے دنیوی فوائد،اثمد کی تحقیق، سرمہ کے استعمال کا طریقہ،اس کا وقت وغیرہ امور کے متعلق قدرے تفصیلی بحث کتابوں کے حوالوں کے ساتھ کی گئی ہے۔

رسالہ کے آخر میں ایک موضوع روایت کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے جو اثمد کے متعلق ہے، اسی طرح مردوں کے لئے بقصد زینت سرمہ کا استعمال فقہاء کے نزدیک کیسا ہے اس کا خلاصہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔آخر میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی ''اغلاط العوام'' سے سرمہ کے متعلق بعض عوام میں مشہور چند اغلاط ہیں ان کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

حق تعالی اس مختصر رسالہ کو شرف قبولیت سے نوازے، اور راقم وناظرین کے لئے مفید و نافع بنائے آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

آنکھ نعمت عظمی

آنکھ حق تعالی کی وہ عظیم نعمت ہے جس کی وقعت وعظمت نہ زبان سے بیان کی جاسکتی ہے نہ قلم لکھ سکتا ہے۔اس نعمت عظمی کی قدر انہیں کو ہوسکتی ہے جو اپنی قوت بصارت کھو چکے ہیں یا پیدائش ہی سے دولت بینائی سے محروم ہیں۔انسان پر ضروری ہے کہ اس نعمت پر شکر کے ساتھ اس کی حفاظت کا پورا اہتمام کرے،اور جو اسباب ووسائل شرعی حدود میں اختیار کیئے جاسکتے ہوں اسے اپنائیں۔

سرمہ حفاظتِ نظر کا ذریعہ ہے

حفاظت نظر کا ایک بڑا ذریعہ سرمہ کا استعمال ہے۔اہل علم نے لکھا ہے کہ: سرمہ آنکھوں کی حفاظت کا ضامن ہے اور نور نظر کے لئے تقویت ہے اور اس کے لئے جلاء ہے۔اور وہ مادۂ ردیہ کو کم کرتا ہے اور اس کو باہر نکال پھینکتا ہے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ آنکھوں کو زینت بخشتا ہے۔(طب نبوی ﷺ اردو ص ۵۲۷)

سرمہ نبی پاک ﷺ کی سنت ہے،اس لئے امت پر سنت کے ناتے ہی یہ حق ہے کہ وہ اسے اپنائے،ساتھ ہی ساتھ اس میں دنیوی فوائد بھی بیشمار ہیں۔

سرمہ کے دنیوی فوائد جدید سائنس کی نظر میں

اطباء وحکماء نے جدید سائنس کی روشنی میں سرمہ کے درج ذیل فوائد بتلائے ہیں:

(۱)......سرمہ اعلی درجہ کا دافع تعفن (یعنی انٹی سپٹک anti septic) ہے۔

(۲)......جدید تحقیق کے مطابق جب آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا ہے تو سورج کی تیز شعائیں (الٹراوئیلٹ) آنکھوں کی پتلی (retina) کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے،اس کے

برعکس الٹراوئیلیٹ ان آنکھوں کی پتلیوں کونقصان پہنچاسکتی ہے جن آنکھوں میں سرمہ نہ ہو۔
(۳)......سرمہ سے آنکھوں کے اوپر پھنسی (لیڈ انفکشن lead infection)اور ککرے بالکل نہیں ہوتے۔
۴:......آشوب چشم (دردآنکھ) کے مریض کے لئے سرمہ بہت مفید ہے، حتی کہ جو سرمہ مستقل استعمال کرتا ہے اسے آشوب چشم کا مرض کم ہوگا۔
(۵)...... ماہرین چشم کے کہنے کے مطابق سرمہ آنکھوں کو ان امراض سے بچاتا ہے، جن امراض کا جدید سائنس میں علاج ناممکن ہے۔
(۶)......آنکھوں کے زخم اور سوزش کے لئے سرمہ بہت مفید ہے۔ یہ ہر قسم کے چھوٹے جراثیم (contagious germs) ختم کردیتا ہے۔

موجودہ یورپ اور سرمہ

اہل سائنس کے تحقیق کردہ ان دنیوی منافع وفوائد کے باوجود موجودہ یورپی تمدن (اور جدید تعلیم یافتہ مسلمان جو یورپ کی تقلید میں کامیابی پر یقین جمائے بیٹھے ہیں) میں سرمہ لگانے کا رواج کم ہے۔ قدرت کی عطا کردہ قوت بینائی میں اگر کمی واقع ہوجائے تو اسے مصنوعی ذرائع یعنی چشمۂ بلوری کے استعمال سے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر سہل، کم خرچ اور مفید طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا۔

دنیا میں نابینا افراد کی تعداد

بین الاقوامی مجلس (یواین او) کے ادارہ یونیسکو کے فراہم کردہ اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں اسی لاکھ نابینا ہیں، اوران میں سے اسی فیصد ایشیا اور افریقہ میں پائے جاتے ہیں۔ حفاظت بصارت سے لاپرواہی بھی ان دونوں براعظموں میں بہت زیادہ پائی جاتی

ہے۔(سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس ص ۳۴۶)

ایک اہم گذارش

ان دنیوی فوائد کے بعد احادیث نبویہ پڑھئے ، چونکہ ہمارا اصل مقصود اتباع نبوی ﷺ ہے نہ کہ اتباع سائنس ،اور آخرت کا اجر بھی اتباع سنت پر ہے۔درمیان میں یہ مختصر بات اس لئے لکھدی کہ انسان طبعًا حریص ہے، اور اسلام نے اسے ہر عمل پر نفع کا وعدہ فرمایا ہے، ورنہ حضور اقدس ﷺ کی سنتیں سائنس کی قطعی محتاج نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''سرمہ آنکھ میں ڈالنا مستحب ہے۔آدمی کو چاہئے کہ ثواب کی نیت سے سرمہ ڈالے کہ اس میں آنکھ کو فائدہ پہونچنے کے علاوہ اتباع کا ثواب بھی ہے۔

(خصائل نبوی ترجمہ شمائل ترمذی ص ۳۲: ''باب ما جاء فی کحل رسول الله صلی الله علیه وسلم'')

سرمہ کے متعلق روایات

()......عن ابن عباس رضی الله ان النبی صلی الله علیه وسلم قال : اکتحلوا بالاثُمِد ، فانه یجلو البصر و ینبت الشعر ، وزعم ان النبی صلی الله علیه وسلم کانت له مکحلة یکتحل بها کل لیلة ، ثلا ثة فی هذه و ثلا ثه فی هذه۔

(ترمذی، ابواب اللباس ، باب ماجاء فی الاکتحال ، وفی الشمائل)

ترجمہ:......ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اثمد سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو،اس لئے کہ وہ روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی کہتے ہیں کہ: حضور ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی

تھی جس میں سے ہر رات تین بار اس آنکھ میں اور تین بار اس آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔

اثمد سرمہ کے استعمال کا حکم

حضور پاک ﷺ نے مختلف روایات میں اثمد کے استعمال کی ترغیب دی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ’’علیکم ‘‘ جیسے تاکیدی لفظ سے ارشاد فرمایا :

()......**علیکم بالا ثمد عند النوم ، فانه یجلوا البصر و ینبت الشعر۔**

ترجمہ:......کہ سوتے وقت اثمد سرمہ ضرور لگایا کرو، وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔(شمائل، باب ما جاء فی کحل رسول الله صلی الله علیه وسلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک روایت میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

()......**ان خیر اکتحالکم الا ثمد۔**

یعنی تمہارے سب سرموں میں اثمد سب سے عمدہ سرمہ ہے۔

(شمائل، سنن ابوداؤد، کتاب الطب ، باب فی الکحل)

ایک روایت میں فرمایا: اثمد آلائشوں کو ختم کرتا ہے اور آنکھوں کو نور بخشتا ہے۔

(رواہ ابو نعیم فی الحلیة والطبرانی فی الکبیر، بحوالۂ طب نبی ﷺ ص ۵۲۸)

ان قولی روایات کے ساتھ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا اس پر عمل بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ: حضور ﷺ سونے سے پہلے ہر آنکھ میں تین سلائی اثمد کے سرمہ کی لگایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

اثمد کیا ہے؟ اور اس کے فوائد

اثمد سیاہ سرمہ کا ایک پتھر ہوتا ہے جو اصفہان سے حاصل کیا جاتا ہے، اثمد کا اعلیٰ ترین

پتھر وہ ہوتا ہے جسے مغرب کے دوسرے ممالک سے بھی حاصل کیا جاتا ہے۔اثمد کی اعلیٰ قسم وہ ہے جو بہت جلد ریزہ ریزہ ہوجائے، اور اس کے ریزوں میں چمک ہو، اور اس کا اندرونی حصہ چکنا ہواور گرد وغبار سے پاک ہو۔اس کا مزاج بارد یابس ہے۔نظر کے لئے نفع بخش اور مقوی ہے، اور آنکھ کے اعصاب کو مضبوط کرتا ہے، اور اس کی صحت کا ضامن ہے، اور زخموں کو مندمل کر کے پیدا شدہ گوشت کو نکال دیتا ہے، اور اس کے میل کچیل کو ختم کر کے اس کو جلا بخشتا ہے، اور اگر پانی آمیزہ شہد میں سرمہ کو ملا کر استعمال کیا جائے تو دردسر ختم ہوجاتا ہے۔اگر اس کو باریک کر کے تازہ چربی آمیز کر کے آتش زدہ حصہ ملا جائے تو خشک ریشہ نہیں ہوگا، اور جلنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے آبلے کو ختم کرتا ہے، اور یہ خاص طور پر بوڑھوں اور کمزور نگاہ والے لوگوں کے لئے اکسیر ہے، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا مشک ملا کر استعمال کیا جائے تو ضعیف البصر کے لئے تریاق کا کام کرتا ہے۔

(طب نبوی، فصل ۱۱۴، ص ۵۲۹)

کیا اثمد کا استعمال سب کے لئے مفید ہے

طبی نقطۂ نظر سے یہ بات مسلم ہے کہ ہر آدمی کا مزاج یکساں نہیں ہوتا۔ایک چیز کا استعمال کسی آدمی کے لئے مفید ہے تو وہی دوسرے کے لئے مضر بھی ہوسکتی ہے۔یہاں بھی اثمد کے استعمال کے متعلق علماء فرماتے ہیں: کہ اس سے مراد تندرست آنکھوں والے اور وہ لوگ ہیں جن کو موافق آجائے، ورنہ مریض آنکھ اس سے زیادہ دکھنے لگتی ہے۔

(خصائل ترجمہ شمائل)

ایسے حضرات کو اثمد استعمال نہ کرنا چاہئے۔

ف:......الاثمِد : بکسر الهمزة والمیم"۔(فیض القدیر ص ۲۴۳ ج ۴)

اثمد آنکھوں کی روشنی کو بڑھاتا ہے

حدیث پاک کا جملہ ہے " فانه یجلوا البصر"

کہ وہ آنکھوں کی روشنی کو بڑھاتا ہے، یہ بھی مختلف روایات میں آیا ہے۔آپ ﷺ کا معمول مبارک بھی گذر چکا کہ آپ ﷺ اثمد کا استعمال فرماتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آخری دم تک آپ ﷺ کی بینائی میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔

حکیم محمد طارق صاحب لکھتے ہیں:

بہت سے ایسے عمر رسیدہ لوگ دیکھنے میں آئے ہیں جو اس ارشاد نبوی ﷺ پر عمل کر کے اپنی نظر قائم رکھتے ہیں اور ستر، اسی بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر میں کڑوے تیل کے چراغ کی روشنی میں رات کو لکھتے پڑھتے یا کوئی اور باریک کام مثلاً کشیدہ کاری وغیرہ کرتے ہیں۔(سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس ص ۳۴۶)

سرمہ لگانے کا طریقہ

()......عن ابی هريرة رضی الله عنه :عن النبی صلی الله عليه وسلم قال : من اكتحل فليؤتر من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج۔(ابوداؤد، باب الاستتار فی الخلاء)

ترجمہ:......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص سرمہ لگائے تو طاق مرتبہ لگائے، جو ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو ایسا نہ کرے اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

تشریح:......آپ ﷺ سے بعض روایات میں دونوں آنکھوں میں تین تین مرتبہ سلائی لگانے کا ذکر آیا ہے:" ثلاثة فی هذه و ثلاثة فی هذه " آیا ہے۔

(ترمذی، باب ماجاء فی الاکتحال و شمائل)

ایک روایت میں ہے: قبل ان ینام بالاثمد ثلثا فی کل عین۔

(شمائل، باب ماجاء فی کحل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اور ایک روایت میں: " عند النوم ثلثا فی کل عین"وغیرہ الفاظ منقول ہیں۔

(شمائل، باب ماجاء فی کحل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

بعض روایات میں ہے کہ: آپ ﷺ جب سرمہ لگاتے تو دائیں آنکھ میں تین بار لگاتے ،اوراسی سے شروع فرماتے اوراسی پرختم فرماتے اور بائیں آنکھ میں دومرتبہ لگاتے:

" کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اکتحل یجعل فی الیمنی ثلا ثا یبتدئ بھا ویختم بھا وفی الیسری ثنتین"۔(طب نبی ص۵۲۶)

ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ دائیں آنکھ میں تین باراور بائیں آنکھ میں دوبار اثمد سرمہ لگاتے تھے۔

(اخلاق النبی ﷺ ص۱۸۳،اس کی سند عمدہ ہےاوراس کے تمام راوی ثقہ ہیں بحوالہ طب نبوی ص۵۲۶)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ جب سرمہ لگاتے تو دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دوسلائی پھیرتے تھے۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ص۱۱۹ج۳،طب نبوی ص۵۲۶)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے دونوں طریقے منقول ہیں،اس لئے گاہےایک پڑ گاہے دوسرے پرعمل کرنا چاہئے کہ دونوں طریقوں پرعمل ہوجائے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

سلائی کے بارے میں بھی مختلف روایات ہیں،بعض روایات میں دونوں آنکھ میں تین تین وارد ہوئی ہیں،اوربعض روایات میں دائیں آنکھ میں تین بائیں آنکھ میں دووارد ہوئی

ہیں، یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں کہ بعض مرتبہ حضور ﷺ ایسا فرماتے تھے اور بعض مرتبہ ایسا۔(خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی، باب حضور ﷺ کے سرمہ کا بیان)

سرمہ کس وقت لگائے

()......عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : کان النبی صلی الله علیه وسلم یکتحل قبل ان ینام بالاثمد ثلثا فی کل عین۔(شمائل ترمذی)

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:حضوراقدس ﷺ سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین سلائی اثمد کے سرمہ کی ڈالا کرتے تھے۔

تشریح : ......ایک اور روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے منقول ہے کہ: حضور ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے سونے کے وقت تین تین سلائی آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔(شمائل ترمذی)

ایک اورروایت میں ہے:

’’کان یکتحل کل لیلة‘‘ آپ ﷺ ہررات سرمہ لگاتے۔

(فیض القدیر شرح جامع الصغیر ص۳۰۶ج۵، رقم الحدیث:۱۷۳۹)

امام ابوداؤدرحمہ اللہ نے اپنی سنن میں مستقل ایک باب قائم فرمایا ہے’’ باب فی الکحل عند النوم‘‘سوتے وقت سرمہ لگانا،اوراس کے تحت ایک روایت نقل کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے سوتے وقت مشک ملا ہوا سرمہ لگانے کا حکم فرمایا،مگراس روایت کے متعلق امام ابوداؤدرحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’قال لی یحیٰ بن معین وهو حدیث منکر یعنی حدیث الکحل ‘‘یعنی یحیٰ بن معین رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا کہ: یہ سرمہ والی روایت منکر ہے۔(ابوداؤد، کتاب الصوم)

رات کو سرمہ لگانے کی حکمت

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو سرمہ لگانا سنت ہے، اور علماء نے اس میں چند حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ علامہ ابن قیم جوزیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور سوتے وقت سرمہ لگانے میں خاص بات یہ ہوتی ہے کہ اس سے سرمہ آنکھوں میں باقی رہتا ہے، اور اس طرح آنکھ پورے طور پر سرمہ کو سمو لیتی ہے، اور آنکھیں نیند کے وقت حرکت سے بھی باز رہتی ہیں، اس لئے حرکت سے جو نقصان ہوتا ہے نیند کے وقت اس سے آنکھیں محفوظ رہتی ہیں''۔ (طب نبوی ص ۵۲۷)

صاحب مظاہر حق رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''رات میں سونے سے پہلے سرمہ لگانے میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ سرمہ کے اجزاء آنکھوں میں زیادہ عرصہ تک رہتے ہیں، اور اس کے اثرات آنکھ کے اندرونی پردوں اور جھلیوں تک اچھی طرح سرایت کرتے ہیں''۔ (مظاہر حق ص ۲۳۴ ج ۴)

حکیم محمد طارق محمود صاحب لکھتے ہیں:

''رات کو سرمہ لگانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دن بھر کا گرد وغبار سرمہ لگانے کے ساتھ پانی کے ہمراہ گوشۂ چشم سے باہر نکل آتا ہے، اور صبح آنکھیں دھو دینے سے چہرے پر سرمہ کی سیاہی کا کوئی نشان نہیں رہتا۔ لکھنے پڑھنے اور باریک کام کرنے والوں کے لئے روز سرمہ ازبس ضروری ہے، اس سے آنکھوں کی تھکاوٹ اور ضعف بشرطیکہ اس کا استعمال باقاعدہ کیا جائے دور ہو جاتا ہے''۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس ص ۳۴۶)

سفر میں سرمہ کا استعمال

عن عائشة رضی الله عنها : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سافر حمل

خمسة اشياء : المرآة ' والمكحلة ' والمقراض ' والسواک ' والمشط۔

(احیاء العلوم ص۱۱۴، کتاب آداب السفر ، ما یطلب استصحابه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ جب سفر کیا کرتے تو اپنے ساتھ پانچ چیزیں لے جاتے: آئینہ، سرمہ دانی، قینچی، مسواک اور کنگھی۔

(احیاء العلوم اردو ص۴۱۹ ج۲، دسواں ادب)

نوٹ:...... مذاق العارفین ص۴۱۹ ج۲ رمیں اس روایت کے ترجمہ میں سہو ہوا ہے۔

مترجم رحمہ اللہ نے آئینہ، سرمہ دانی، مسواک، کنگھی، اور "مدری"، یعنی "دانتا" ترجمہ فرمایا ہے، حالانکہ "احیاء العلوم" کی روایت میں "مدریٰ" کا لفظ نہیں ہے۔

اور "احیاء العلوم" کی دوسری روایت جس میں "ستة" کا لفظ ہے اس میں "قارورہ" کی زیادتی ہے واللہ اعلم، مرغوب۔

تشریح:...... ایک دوسری روایت میں چھ چیزوں کا ذکر ہیں: آئنہ، شیشی، قینچی، مسواک، سرمہ دانی، کنگھی۔ (احیاء العلوم)

ایک صحابیہ حضرت ام سعد انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ سفر میں دو چیزیں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتی تھیں: آئینہ اور سرمہ دانی۔

" وقالت ام سعد الانصاریه رضی الله عنها : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يفارقه فی السفر المرآة والمكحلة " ۔(احیاء العلوم)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "جامع صغیر" میں ان الفاظ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے:

" كان لا يفارقه فی الحضر ولا فی السفر خمس : المرآة ، والمكحلة ، والمشط ' والسواک ' والمدری"۔(فیض القدیر ص۲۳۹ ج۵، رقم الحدیث:٦٩٠٦)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سرمہ کتنے اہتمام سے استعمال فرماتے‘ حتیٰ کہ سفر میں بھی اس معمول کو ترک نہ فرماتے۔

سرمہ کے متعلق ایک موضوع حدیث

من اکتحل بالا ثمد یوم عاشوراء لم یرمد ابدا۔

(فیض القدیر ص۱۰۶ج۶، رقم الحدیث:۸۵۰۶)

عاشورہ کے دن جو اثمد سرمہ لگائے گا اس کی آنکھوں میں کبھی درد نہ ہوگا۔ یہ حدیث موضوع ہے۔

سرمہ کے متعلق اس مختصر رسالہ میں اس کی تحقیق مناسب معلوم ہوئی۔ چند محدثین کے اقوال کا خلاصہ درج کرتا ہوں:

قال السخاوی : قلت بل موضوع (المقاصد الحسنة ص۶۳۳، رقم الحدیث : ۱۰۸۵) قال محمد ابن السید درویش الحوت رحمه الله : رواه الحاکم وقال : انه منکر واورده ابن اجوزی فی الموضوع۔

(اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب ص۲۲۰، رقم الحدیث:۱۳۴۶)

مزید تفصیل کے لئے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائے:

" الموضوعات الکبری " ص۲۲۲، رقم الحدیث : ۸۷۸۔"کشف الخفاء" ص ۲۰۹،ج۲ رقم الحدیث: ۲۴۰۸۔" الفوائد المجموعه "ص۱۳۱ج۱، رقم الحدیث : ۲۸۵۔" الآلی المنثورة " ص۱۵۹، آخر باب الرابع ،" تمییز الطیب من الخبیث " ص ۱۸۰،رقم الحدیث :۱۳۵۲۔" الآ لی المصنوعة " ص۱۱۱ج۲، " فیض القدیر" ص۱۰۶ج ۶،رقم الحدیث :۸۵۰۶۔

یوم عاشورہ کو سرمہ لگانا

سوال:......کیا عاشورہ کے دن سرمہ لگانا جائز ہے؟

جواب:......کہا گیا ہے کہ اس کا چھوڑنا واجب ہے، اس لئے کہ یزید نے دس محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خون سے سرمہ لگایا تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''قنیہ'' میں جو یہ لکھا ہے کہ:

عاشورہ کے دن سرمہ کا ترک واجب ہے یہ قول غیر معتبر ہے، اس لئے کہ ''قنیہ'' مذہب کی کتب معتمدہ میں سے نہیں ہے۔

قلت: مصنف علام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ جو مشہور ہے کہ ۱۰ ر محرم کو یزید نے حضرت حسین رضی اللہ کے خون سے اپنی آنکھوں میں سرمہ لگایا' یہ روافض کی من گھڑت بات ہے، اس کو ترک کے وجوب کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اس بات کے کذب کی کھلی دلیل یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ عاشورہ کے دن کربلا میں زوال کے بعد شہید کئے گئے، اور یزید وہاں موجود نہیں تھا، بلکہ وہ اس وقت شام میں تھا، پس کیونکر متصور ہو سکتا ہے کہ یوم عاشورہ میں اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا سرمہ لگایا کہ اس کا ترک کرنا ہمارے لئے واجب ہو۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ یزید (یا اس کی ماں) نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی خوشی میں عاشورہ کے دن روزہ رکھا تھا۔ العیاذ باللہ! حق بات یہ ہے کہ یوم عاشورہ میں سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(کمافی جامع الرموز)

لوگوں نے اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی ذکر کی ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یوم عاشورہ میں سرمہ لگانا جائز ہے، اس کی بابت مستحب ہونے کی کوئی روایت میرے

علم کے مطابق کسی حدیث میں منقول نہیں ہے۔

(ذخیرۃ المسائل ترجمہ نفع المفتی والسائل ص۳۱۶)

سرمہ کے متعلق چند مسائل

مردوں کو زینت کے لئے سرمہ لگانا

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: سیاہ سرمہ اگر زینت کے واسطے ہو تو بالاتفاق مکروہ ہے، اگر زینت مقصود نہ ہو تو اختلاف ہے، عامۂ مشائخ کے نزدیک مکروہ نہیں:

'' ویکرہ الکحل الاسود بالا تفاق اذا قصد به الزینة ، واختلفوا فیما اذا لم یقصد به الزینة عامتهم علی انه لا یکرہ ''۔

(فتاوی عالمگیری ، کتاب الکراھیۃ ص۱۱۴ ج۴، اردو ص۹۷ ج۷، بیسواں باب)

''فتاوی عالمگیری'' کے اس جزئیہ سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں کے لئے زینت کی نیت سے سرمہ لگانا مکروہ ہے، حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''زینت کے مفہوم میں بناؤ سنگار معلوم ہوتا ہے، اور جمال کے مفہوم میں یہ بات نہیں ہے، بس زینت کی نیت سے سرمہ لگانا مکروہ ہے، اور جمال کی نیت سے سرمہ لگانا مکروہ نہیں بلکہ بلا کراہت جائز ہے''۔ (فتاوی احیاء العلوم ص۲۸۰ ج۱)

بہار شریعت میں ہے:

مسئلہ:......پتھر کا سرمہ استعمال کرنے میں حرج نہیں، اور سیاہ سرمہ یا کاجل بقصد زینت مرد کو لگانا مکروہ ہے، اور زینت مقصود نہ ہو تو کراہت نہیں۔

(بہار شریعت ص۱۲۹ حصہ ۱۶ از ینت کا بیان)

مگر حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے قدرے تفصیلی بحث فرما کر ثابت کیا ہے کہ مردوں کے لئے بھی بقصد زینت سرمہ کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:

''حضور اکرم ﷺ عادت مستمرہ کے طور پر سرمہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی 'علیکم' جیسے الفاظ دوام و استمرار والتزام سے تاکید فرماتے تھے، اگر مردوں کے لئے قصد زینت میں کوئی کراہت ہوتی تو آپ ﷺ اس پر ضرور تنبیہ فرماتے، موقع تنبیہ میں سکوت دلیل عدم کراہت ہے''۔

کچھ تفصیل کے بعد رقمطراز ہیں:

''معہذا نہ تو حضور ﷺ سے قصد زینت کی کراہت منقول ہے نہ کسی صحابی سے اور نہ ہی حضرت امام رحمہ اللہ سے، بلکہ اس کے برعکس امام ابن العربی رحمہ اللہ سے جواز بلا کراہت کی تصریح منقول ہے:

'' الکحل يشتمل على منفعتين احدا هما زينة و الثانية تطبب فاذا استعمل للزينة فهو مستثنى من التصنع الذى يلبس الصنعة بالخلقة ، الخ ''

رسالہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

''تحریرات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سرمہ لگانا، تیل لگانا، کنگھی، خضاب (غیر اسود) اور ثیاب جمیلہ وغیرہ اسباب آرائش و زیبائش کا ایک ہی حکم ہے، یعنی بغرض زیبائش مباح بلکہ مندوب اور بغرض نمائش ناجائز وحرام، واللہ تعالی اعلم۔

(الاکتحال للرجال، احسن الفتاوی ص ۲۶۶ ج ۸)

سرمہ کی تیزی سے نکلنے والا پانی ناقض وضو ہے یا نہیں؟

سوال:......سرمہ کی تیزی یا سلائی کی چوٹ سے جو پانی آنکھ سے نکلتا ہے وہ ناقض وضو ہے یا نہیں؟

الجواب:......ناقض وضو نہیں ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند ص ۱۰۷ ج ۱، سوال نمبر:۳۲)

روزہ دار کو سرمہ لگانا

( )......عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اشتکت عینی افاکتحل و انا صائم قال نعم۔

(سنن ترمذی، ابواب الصوم ، باب ماجاء فی الکحل للصائم)

ترجمہ:......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: میری آنکھیں خراب ہوگئی ہیں' کیا میں روزے کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح:......امام ترمذی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کی سند قوی نہیں۔ یوں تو ''کحل الصائم'' سے متعلقہ تمام روایات ضعیف ہیں، لیکن چونکہ اس مضمون کی متعدد روایات مروی ہیں، اس لئے ان کا مجموعہ قابل استدلال ہے۔

(درس ترمذی ص ۵۷۲ ج ۲)

فقہی مسئلہ بھی اس روایت کی بنا پر یہی ہے کہ سرمہ لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگر چہ سرمہ کا اثر یعنی ذائقہ حلق میں محسوس ہو یا سرمہ کی سیاہی کا اثر و رنگ تھوک میں ظاہر ہو، یہی اصح ہے اور یہی اکثر کا قول ہے۔

اس لئے کہ حلق میں اس کا وہ اثر ہے جو مسامات کے راستے سے جذب ہو کر داخل ہوا

ہے خود سرمہ نہیں، کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے، آنسو بھی آنکھوں سے پسینہ کی طرح رس کر نکلتے ہیں، اور مسامات کے ذریعہ سے کسی چیز کا داخل ہونا روزہ کے خلاف نہیں ہے یعنی روزہ کو نہیں توڑتا...... اور خوشبو وغیرہ ملا ہوا سرمہ آنکھ میں لگانا بھی روزہ دار کو مکروہ نہیں ہے، اور فقہاء نے کسی قسم کے ساتھ اس کو مخصوص نہیں کیا یعنی خوشبو ملا ہوا ہو یا کوئی اور سرمہ ہو سب کا یہی حکم ہے کہ مکروہ نہیں۔ (عمدۃ الفقہ ص ۲۶۰ ج ۳)

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے دیکھئے! ''فتاوی رحیمیہ'' ص ۱۶ ج ۲۔ ''فتاوی عالمگیری'' ص ۸۹ ج ۱، الباب الرابع فیما یفسد و مالا یفسد۔ ''فتاوی دارالعلوم'' ص ۴۱۲ ج ۶۔ ''مظاہر حق'' ص ۳۳۶ ج ۲۔

سرمہ دانی اور سلائی سونے چاندی کی ممنوع ہے

سونے اور چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا اور سرمہ دانی سونے اور چاندی کی استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے: ''وکذلک (ای لا یجوز) الاکل بملعقة الذهب والفضة والاکتحال بمیل الذهب والفضة وما اشبه ذلک کالمکحلة والمرآة وغیرهما۔

(ہدایہ ص ۴۵۳ ۴ کتاب الکراهیة)

حالت احرام میں سرمہ کا حکم

صاحب عمدۃ الفقہ رحمہ اللہ نے مباحات احرام میں لکھا ہے کہ:

بغیر خوشبو کا سرمہ لگانا' جب کہ سنت پر عمل کرنے اور قوتِ باصرہ کو قوت دینے کے لئے ہو' زینت کے قصد سے نہ ہو، پس جس سرمہ میں خوشبو ملی ہوئی نہ ہو' اس کے لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر خوشبو دار سرمہ ایک یا دو دفعہ لگایا تو اس پر صدقہ واجب ہے، اور اگر زیادہ یعنی تین دفعہ یا اس سے زیادہ لگایا تو اس پر دم واجب ہوگا۔ (عمدۃ الفقہ ص ۱۵۳ ج ۴)

عدت میں سرمہ لگانا ممنوع ہے

قالت زینب رضی الله عنها : وسمعت امّی امّ سلمة رضی الله عنها ، تقول : جاءتِ امرأة الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت : یا رسول الله ! اِنّ ابنَتِی تُوفِّیَ عنها زوجُها ، وقد اشتکت عینَیها ، اَفنَکحَلُهَا ؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :" لا " مرتین أو ثلاث مرات ، کل ذلک یقول :" لا " ثم قال : انّما هی اربعة اشهر وعشرا ! وقد کانت اِحداکنّ فی الجاهلیّة ترمِی بِالْبَعْرةِ علٰی رأسِ الْحَوْل۔

(ترمذی، باب ما جاء فی عدة المتوفی عنها زوجها ، ابواب الطلاق واللعان)

ترجمہ:......حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے اپنی امی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ: ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے داماد کا انتقال ہوگیا ہے اور میری بیٹی کی آنکھیں دکھتی ہیں، تو کیا ہم اس کے سرمہ لگا سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس نے دو یا تین مرتبہ آ کر یہی مسئلہ پوچھا، آپ ﷺ ہر مرتبہ یہی فرماتے تھے کہ نہیں، پھر آخری مرتبہ ارشاد فرمایا: عدت کے چار ماہ دس دن ہی تو ہیں (اتنے دن بھی تم صبر نہیں کرسکتیں) اور زمانۂ جاہلیت میں تم میں سے ایک سال پورا ہونے پر مینگنیاں پھینکتی تھی (وہ دن بھول گئیں)۔

تشریح:......زمانۂ جاہلیت میں عدت کا دستور یہ تھا کہ بیوہ کسی تنگ و تاریک کمرے میں بدترین کپڑے پہن کر سال بھر مقید رہتی تھی، اور ہر طرح کی زینت سے احتراز کرتی تھی، نہاتی تک نہیں تھی، پھر سال پورا ہونے پر اس کو کبوتر کے مانند کوئی پرندہ دیا جاتا تھا، جس کو وہ اپنی شرمگاہ پر ملتی تھی تا آنکہ وہ پرندہ مرجاتا تھا، پھر ٹوکری بھر کر مینگنیاں دی جاتی تھیں، جس کو وہ محلّہ محلّہ اور گلی گلی پھینکتی تھی، تب اس کی عدت پوری ہوتی تھی۔ (تحفۃ الالمعی ص۹۱ ج۴)

مسئلہ:......مطلقہ پر عدت کے زمانہ میں سوگ ضروری ہے اور سوگ میں جو چیزیں ممنوع ہیں اس میں سرمہ کا استعمال بھی ہے۔ ہدایہ میں ہے: ''والحداد ان تترک الطیب الزینۃ''۔

(ہدایہ اولین ص ۴۰۷/۴۰۸)

مسئلہ:......عذر کی صورت میں معتدہ رات کو سرمہ لگا سکتی ہے اور تکلیف زیادہ ہو تو دن میں بھی لگا سکتی ہے۔ اور آپ ﷺ نے اس عورت کو اجازت اس لئے نہیں دی تھی کہ آپ ﷺ کے خیال میں اس عورت کا مرض اس درجہ کا نہیں تھا کہ سرمہ لگانا ضروری ہو۔

(تحفۃ الالمعی ص ۹۱ ج ۴)

سرمہ کے متعلق عوام میں چند مشہور اغلاط

مسئلہ: اکثر عوام کی عادت ہے کہ میت کو نہلا کر آنکھوں میں سرمہ ڈالتے ہیں، اور کسی حاجی سے سرمہ لے کر حج کا سرمہ ڈالنے کو بہت ثواب سمجھتے ہیں، سو شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ (''اغلاط العوام'' جدید اضافہ شدہ ایڈیشن ص ۲۲۴)

مسئلہ:...... یہ بات مشہور ہے کہ طور تجلی حق سے سرمہ ہو گیا تھا اور وہی سرمہ آج تک مستعمل ہے، یہ شہرت محض غلط ہے۔ سرمہ تو ایک معدنی (کان کی) شئی ہے جو پہلے سے ہے۔

(''اغلاط العوام'' جدید اضافہ شدہ ایڈیشن، ص ۲۲۷)

مسئلہ:......بعض عوام کہتے ہیں کہ: سرمہ کی سلائی پر تین مرتبہ سورۂ اخلاص دم کر کے آنکھوں میں سرمہ لگانا چاہئے، یہ بے اصل بات ہے۔ ('اغلاط العوام' جدید اضافہ شدہ ایڈیشن ص ۲۵۶)

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''بعض لوگ میت کی آنکھوں میں سرمہ اور کاجل لگاتے ہیں، یہ ناجائز ہے''۔

(احکام میت ص ۱۹۲۔ فتاوی دار العلوم دیوبند ص ۲۴۸ ج ۵)

مزاح

اس رسالہ میں مزاح کی تعریف، مزاح کی نوعیت، مزاح میں اعتدال کا اہتمام، اور حضور اکرم ﷺ وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاح وخوش طبعی کے دلچسپ واقعات جمع کیے گئے ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

پیش لفظ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين ، والصلوة والسلام على سيد المرسلين ، وعلى آله واصحابه اجمعين۔

﴿اليوم اكملت لكم دينكم﴾ (سورۂ مائدہ، آیت ۳) سے حق تعالیٰ نے جس دین کی تکمیل کا اعلان فرمایا' وہ دین اسلام ہے۔ یہ خصوصیت کہ زندگی گذارنے کے تمام شعبوں میں مکمل رہنمائی جس میں کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے' مذہب اسلام ہی کے ساتھ خاص ہے۔

نبی پاک ﷺ نے اپنے کردار وافعال، اقوال واعمال سے امت کے لئے ایسا اسوہ قائم فرمایا کہ ایک مسلمان کی نظر کسی غیر کی طرف اٹھ ہی نہیں سکتی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سربلندی کا یہی راز تھا کہ اتباع سنت پر وہ حضرات بڑی پختگی سے عمل پیرا تھے ع

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر

الغرض اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے وغیرہ زندگی کے معمولات میں آپ ﷺ نے جو تعلیم دی' اسی طرح خوش طبعی ودل لگی کے بارے میں امت کو کسی کا محتاج نہیں رکھا، اس لئے کہ ظرافت ومزاح بھی انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے، اگر اس موضوع کو یکسر نظر انداز کردیا جاتا تو ایک انسان مذاق ومزاح میں افراط وتفریط کا شکار ہوجاتا کہ خوش طبعی میں حد سے متجاوز ہوکر نازیبا حرکت کا ارتکاب کر بیٹھتا یا بالکل ظرافت سے خالی ہوتا کہ وہ بھی ایک نقص ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہرات وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بچوں تک کے ساتھ مزاح وخوش طبعی فرما کر امت کے لئے نمونۂ عمل پیش فرمادیا۔

ان اوراق میں اسی موضوع پر کچھ لکھا گیا ہے۔ مقدمہ میں مزاح کی تعریف، مزاح کے

متعلق اسلاف کے اقوال، مزاح کی ممانعت کی روایت اوراس پر وارد ہونے والے سوال کا جواب وغیرہ ابحاث ہیں، پھر آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات مزاح اور آخر میں ''اشرف الجواب'' سے اس اعتراض کا جواب کہ کیا نبی ﷺ کا مزاح فرمانا خلاف وقار تھا؟ نقل کیا گیا ہے۔

حق تعالی ان اوراق کو راقم و ناظرین کے لئے مفید و کارآمد بنائے، آمین۔

راقم مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ حضرت نے رسالہ کا اکثر حصہ حرفا حرفا ملاحظہ فرما کر تقریظ تحریر فرمادی۔ جزاک اللہ تعالی احسن الجزاء فی الدارین۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲۷/شعبان ۱۴۱۷ھ مطابق: ۶/جنوری ۱۹۹۷ء

بروز دوشنبہ

تقریظ مفتیٔ اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

ڈیوز بری، برطانیہ کے ہونہار نوجوان عالم دین عزیز القدر مولوی مرغوب احمد لاجپوری صاحب جو ماشاء اللہ اچھا تصنیفی ذوق رکھتے ہیں اور کئی مفید دینی رسالوں کے مصنف ہیں، برطانیہ میں ان کے ساتھ سفر وحضر میں خاصا وقت ناچیز کا گذرا ہے۔

ان کا مفید رسالہ ’’مزاح‘‘ ناچیز کے مطالعہ میں آیا، جس کا اکثر حصہ ناچیز نے حرفا حرفا پڑھ کر لطف اٹھایا ہے۔

اس رسالے میں ’’مزاح‘‘ کے بارے میں اسلام کی روش اعتدال کیا ہے؟ اس کا خوب بیان ہوگیا ہے۔ موضوع سے متعلق آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلچسپ واقعات کو جمع کیا گیا ہے۔ احادیث کا ترجمہ سلیس اور آسان انداز میں کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ یہ رسالہ پڑھنے والوں کے لئے بہت مفید ہوگا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالی اس نوجوان عالم دین کی اس علمی کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے، اور مسلمانوں کو ان جیسے ہونہار نوجوان علماء کی محنتوں کی قدر کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

محمد رفیع عثمانی

مقدمہ از: مرتب

مزاح کے لغوی معنی واصطلاحی تعریف

مزاح (بکسر المیم) کے معنی ہے خوش طبعی کرنا، ہنسی مذاق کرنا۔ مزاح (بضم المیم) خوش طبعی، مذاق، ہنسی۔ (فیروز اللغات)

صاحب مرقاۃ نے مزاح کی تعریف یہ کی ہے:

''انبساط مع الغیر من غیر ایذاء'' کسی کے ساتھ بغیر کسی ایذا رسانی کے خوش طبعی و ہنسی مذاق کرنا۔ جس خوش طبعی میں دل شکنی وایذا رسانی ہو اسے ''سخریۃ'' کہتے ہیں:

''فان بلغ الایذاء یکون سخریۃ''۔ (مرقاۃ ص ۱۷۱ ج ۹)

نبی پاک ﷺ سے مزاح ثابت ہے جیسا کہ آگے اس کے واقعات آرہے ہیں کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بچوں کے ساتھ مذاق فرمایا کرتے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ظرافت کے واقعات ایسے روایات میں آئے ہیں کہ قاری ششدر وحیران رہ جاتا ہے کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی خوش طبعی ایسی بھی ہوتی تھی؟ خصوصا حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کے واقعات مزاح عجیب نوعیت کے آئے ہیں، جو اس کتاب کے ص: ۱۷۵ ر پر آرہے ہیں۔

ابن سرین رحمہ اللہ کا مزاح

رئیس المعبرین ابن سیرین رحمہ اللہ جن کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ: ''کثیر الضحک بالنہار، کثیر البکاء باللیل'' یعنی دن میں بہت ہنسنے والے اور رات میں بہت

رونے والے۔ان کے باب میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر مزاح فرماتے تھے کہ حالت ضحک میں لعاب دہن بہہ پڑتا، پھر آیت پڑھتے :﴿انما الحیوة الدنیا لعب ولھو﴾۔

(سورۂ محمد، آیت نمبر:۳۶)

غالب القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن میں ابن سیرین رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہشام کے متعلق خیر و عافیت معلوم کی، تو ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا: تمہیں معلوم نہیں ان کا تو گذشتہ رات انتقال ہوگیا، میں نے کہا﴿ انا للہ وانا الیہ راجعون ﴾اس پر ابن سیرین رحمہ اللہ ہنسنے لگے۔غالب قطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تب مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے وفات سے نوم مراد لیا اور مزاح فرمایا۔

(شرح السنۃ ص ۵۵۰ ج ۶)

سلف صالحین کا مزاح

حضرت محمد ابن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے سلف صالحین کو دیکھا ہے کہ ان کے کئی کئی کنبے ایک ہی حویلی میں رہتے بستے تھے، بارہا ایسا ہوتا کہ ان میں سے کسی ایک کے یہاں مہمان آتا اور کسی دوسرے کے یہاں چولہے پر ہانڈی چڑھی ہوتی تو مہمان والا اپنے مہمان کے لئے دوست کی ہانڈی اتار لے جاتا، بعد میں ہانڈی والا اپنی ہانڈی کو ڈھونڈتا پھرتا اور لوگوں سے پوچھتا پھرتا کہ میری ہانڈی کون لے گیا؟ وہ میزبان دوست بتاتا کہ بھائی اپنے مہمان کے لئے ہم لے گئے تھے، اس وقت ہانڈی والا کہتا: خدا تمہارے لئے اس میں برکت دے۔

ابن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ لوگ جب روٹی پکاتے تب بھی یہی صورت پیش آتی۔(آداب زندگی ص ۲۴۴)

مزاح سنت ہے

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ''المزاح هجنة'' یعنی مزاح بری چیز ہے؟ تو فرمایا: ''بل سنة'' سنت ہے، مگر یہ کہ اس میں حسن اور اچھائی ہو اور موقع کے مناسب ہو۔

(شرح السنۃ ص۵۵۰ ج۶)

چھ چیزیں مروت ہیں

ربیعۃ الرائی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے: مروت چھ چیزوں میں ہیں: تین حضر میں، تین سفر میں۔

حضر کی تین چیزیں یہ ہیں:

(۱)......قرآن کریم کی تلاوت۔

(۲)......مساجد کی تعمیر۔

(۳)......اللہ کے لئے مہمانی کرنا۔

سفر کی تین چیزیں یہ ہیں:

(۱)......توشہ کی سخاوت۔

(۲)......حسن خلق۔

(۳)......اور ایسی خوش طبعی کی کثرت جس میں معصیت کا پہلو نہ ہو۔

(شرح السنۃ ص۵۵۰ ج۶)

''معارف القرآن'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد تھوڑے سے فرق کے ساتھ اسی طرح منقول ہے۔ (معارف القرآن ص۲۴۳ ج۱)

مزاح کی ممانعت کی روایت اور اشکال

اب ایک سوال ہوتا ہے کہ بعض روایت میں مزاح کی ممانعت بھی آئی ہے، چنانچہ ''ترمذی'' کی ایک روایت میں ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما : عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : لاتمار اخاک ولا تمازحه ولا تعده موعدا فتخلفه۔ (مشکوۃ ص ۴۱۷، باب المزاح)

ترجمہ:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو، اور نہ اس سے مذاق کرو، اور نہ ایسا وعدہ کرو جس کو پورا نہ کر سکو۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ: وہ ظرافت و مزاح ممنوع ہے جو حد سے متجاوز ہو اور جس کی عادت ہو جائے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے قلب میں قساوت پیدا ہوتی ہے، اور ایسا مزاح حق تعالی کی یاد سے غفلت کا باعث بن جاتا ہے اور بسا اوقات ایذاء مسلم تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جو مزاح ان امور سے خالی ہو اور اس سے مسلمانوں کی طیب خاطر یا انبساط مقصود ہو وہ مباح بلکہ مستحب و سنت ہے۔ (مرقاۃ ص ۱۷۱ ج ۹)

اسی طرح ''جمع الفوائد'' کی ایک روایت میں ہے کہ: **لا یبلغ العبد صریح الایمان حتی یدع المزاح و الکذب و یدع المراء وان کان محقا۔**

(کنز العمال ص ۶۴۶ ج ۳، حدیث نمبر: ۸۳۱۷)

یعنی بندہ خالص ایمان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ مذاق کرنا اور جھوٹ بولنا نہ چھوڑ دے، اور گو برسر حق ہو مگر جھگڑا کرنا نہ ترک کرے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

’’وہی مذاق مراد ہے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو یا عادت ڈالنا مراد ہو‘‘۔

(جمع الفوائد مترجم ص ۱۱۱)

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ نے اسی کے قریب لکھا ہے، فرماتے ہیں: ’’المزاح المنهي عنه ما فيه افراط أو مداومة أو اذى‘‘۔ (فیض القدیر ص ۵۴۶ ج ۶)

یعنی ممنوع مزاح وہ ہے جس میں افراط یا مداومت یا تکلیف ہو۔

مزاح کی مذمت کے اقوال اور ان کا مطلب

الغرض مزاح میں افراط اور کثرت ودوام ممنوع ہے، اور یہی مراد ہے صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ کے ان اقوال سے جن میں مزاح کی مذمت آئی ہے، جیسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

’’المزاح يذهب بالمروة‘‘ یعنی مزاح مروت کے زوال کا سبب ہے۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن ارطاۃ رحمہ اللہ کو لکھا تھا کہ: اپنے ہمنشینوں کو مذاق سے روکتے رہنا، کیونکہ وہ مروت کو ختم کر دیتا ہے۔

(شرح السنۃ ص ۵۵۰ ج ۶)

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ’’ظرافت بسیار ہنر ندیماں است وعیب حکیماں‘‘ کہ زیادہ ہنسی مذاق کرنا مصاحبوں کا ہنر ہے اور عقلمندوں کے لئے باعث عیب۔ فرد:

تو بر سر قدر خویشتن باش ووقار بازی وظرافت بہ ندیماں بگذار

تو اپنے مرتبہ اور وقار پر قائم رہ، ہنسی اور مذاق، صاحبوں کے لئے چھوڑ۔

(گلستاں، باب اول، حکایت ۱۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: کثرت مزاح سے آدمی کی ہیبت کم ہو جاتی ہے۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: مزاح آدمی کو خفیف کر دیتا ہے۔

سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ: شریف آدمی سے مزاح نہ کر کہ وہ تجھ سے دشمنی کرلے گا، اور کمینے سے مذاق نہ کر کہ وہ تجھ پر جرأت کرنے لگے گا۔

مزاح سے وقار جاتا رہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت خوش مزاج تھے، اکثر ہنستے بولتے رہتے تھے، اور یوں سب ہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خوش مزاج تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں مزاح نہ ہوتا میں اپنی حیات میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔ مزاح سے وقار گر جاتا ہے۔

(انفاس عیسی ص ۵۲۷ ج ۲۔ التبلیغ والحدود والقیود ص ۱۶۲ ج ۱۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: خدا سے ڈرو اور مذاق سے کوسوں دور رہو کہ وہ کینہ کا باعث ہے اور اس کا انجام برا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کو معلوم ہے "مزاح" کا نام "مزاح" کیوں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں، فرمایا: "مزاح" مشتق ہے "زیح" سے جس کے معنی "دوری" کے ہیں، اس سے معلوم ہوا مزاح حق سے دور کرتا ہے اور ہر شے کا ایک بیج ہے اور عداوت کا بیج مزاح ہے۔

بعض اکابر کا قول ہے کہ: مزاح سے عقل سلب ہو جاتی ہے، دوست الگ ہو جاتے ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ "احیاء العلوم" میں ان اقوال کو نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

اب معلوم کرنا چاہئے کہ اگر شاذ و نادر کوئی ایسا شخص ہو کہ مزاح میں حق کے سوا کچھ نہ کہے، کسی کو ایذاء نہ دے اور نہ افراط کرے، بلکہ کبھی کبھی کیا کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ

اوران کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دستور تھا' تو اس طرح کے مزاح میں کچھ مضائقہ نہیں۔

(مذاق العارفین ص ۱۸۱ ج ۳)

آپ ﷺ کا کثرت مزاح

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی روایت:

''ما رأیت احدا اکثر مزاحا من رسول الله صلی الله علیه وسلم''

یعنی میں نے رسول کریم ﷺ سے زیادہ خوش طبعی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

سے آپ ﷺ کا مزاح میں زیادتی فرمانا معلوم ہوتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

ظرافت کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نفس بے قابو ہوجاتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ آنحضرت ﷺ سے زیادہ کون اپنے نفس پر قابو پانے والا ہوسکتا ہے، لہذا یہ آپ ﷺ کی ذات بابرکت کے ساتھ خاص ہے، اور امت کے لئے اجتناب اولی ہے۔

(مرقاۃ ص ۱۷۱ ج ۹)

آپ ﷺ کا مزاح بھی مبنی برحق تھا

پھر ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا مزاح ہماری طرح تو ہوتا نہیں تھا۔ آپ ﷺ کا مزاح بھی حقائق پر مبنی ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا' یا رسول اللہ! آپ ہم سے مزاح بھی فرمالیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انی لا اقول الا حقا، ہاں مگر میں غلط بات نہیں کہتا ہوں۔

(مشکوۃ ص ۴۱۶، شمائل ترمذی ص ۱۶)

ایک روایت میں ہے:

((انی لَاَمُزَح ، ولا اقول الا حقا)) ، (رواہ الطبرانی عن ابن عمر رضی الله عنه والخطیب ، عن انس رضی الله عن ، (کشف الخفاء ص۲۰۹ ج۱، رقم الحدیث:۷۱۴)

یعنی میں مزاح کرتا ہوں، اور (مذاق میں بھی) حق بات ہی کہتا ہوں۔

انسان میں ظرافت مطلوب ہے

مضمون بالا اور واقعات آئندہ سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ انسان میں ظرافت ہونی چاہئے، ہر وقت خشک مزاجی کی کیفیت مناسب نہیں۔ موقع ومناسبت کے مطابق مزاح ہونا چاہئے۔

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ کے متعلق منقول ہے کہ: آپ ایک دعوت ولیمہ میں تشریف لے گئے، اہل مجلس کو بالکل خاموش پایا تو فرمانے لگے:

”مالی اراکم کانکم فی جنازۃ ، این الغناء ؟ این الدف ؟

کیا بات ہے مجلس نکاح میں ایسے خاموش گویا جنازہ میں ہوں (دعوت ولیمہ ہے) غناء ودف کہاں ہیں؟ (شرح السنہ ص۵۵۰ ج۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:” دل کو آزاد بھی چھوڑ دیا کرو، خوش کن نکتے بھی سوچا کرو، کیونکہ جسم کی طرح دل بھی تھک جاتا ہے۔

(شرح السنہ ص۵۵۰ ج۶۔ آداب زندگی ص۲۴۴۔ المرتضی ص۲۸۸)

ایک روایت میں ہے: ((ان اللہ تعالی لا یُؤا خِذُ المزَّاح الصَّادق فی مِزَاحِهِ)) ، ابن عساکر عن عائشة رضی الله عنها۔

(فیض القدیر ص۳۵۳ ج۲، رقم الحدیث:۱۸۳۷)

اللہ تعالی بہت زیادہ مذاق کرنے والے کا (بھی) مواخذہ نہیں فرماتے جو اپنے مذاق میں سچ کا اہتمام کرے۔

ظرافت میں اعتدال ہونا چاہئے

ظرافت میں اعتدال ومیانہ روی ہونی چاہئے۔ ہماری مجالس کا حال یہ کہ اعتدال بالکل مفقود۔ سنجیدگی ومتانت کا بھوت سوار ہوتا ہے تو اتنا کہ مزاح کو حرام تک کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور اگر خوش طبعی وظرافت کا نشہ چڑھتا ہے تو اس قدر کہ تہذیب ہم سے کوسوں دور، اس لئے نبی کریم ﷺ کے عمل سے ایک خاص معیار اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

بعض عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ کا مزاح

عن ابن عباس رضی الله عنهما ان رجلا ساله فقال : اکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یمزح ؟ قال : نعم ، فقال رجل : ماکان مزاحه ؟ فقال ابن عباس رضی الله عنهما : کسا النبی صلی الله علیه وسلم بعض نسائه ثوبا واسعا قال : البسیه واحمدی الله ، وجری من ذیلک هذا کذیل العروس۔

(حیاۃ الصحابہ ص۵۷۰ ج۲، **المزاح المداعبة**)

ترجمہ:......ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ: کیا حضور ﷺ مزاح فرمایا کرتے تھے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں! اس آدمی نے کہا کہ: آپ ﷺ کا مزاح کیسا ہوتا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کے مزاح کا یہ قصہ سنایا کہ: حضور ﷺ نے اپنی ایک زوجہ محترمہ کو کھلا کپڑا پہنایا اور فرمایا: اسے پہن لو، اور خدا کا شکر ادا کرو، اور نئی دلہن کی طرح اس کا دامن گھسیٹ کر چلو۔

تشریح:......ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے دل لگی کے متعدد

واقعات روایات میں ملتے ہیں۔ چند درج ذیل ہیں:

آپ ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں گئی، میں اس وقت نوعمر لڑکی تھی، میرے جسم پر گوشت بھی کم تھا اور میرا بدن بھاری نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: آپ لوگ آگے چلے جائیں، چنانچہ سب لوگ چلے گئے، تو مجھ سے فرمایا: آؤ! میں تم سے دوڑ میں مقابلہ کروں! چنانچہ ہم دونوں میں مقابلہ ہوا، تو میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی اور حضور ﷺ خاموش رہے، پھر میرے جسم پر گوشت زیادہ ہوگیا اور میرا بدن بھاری ہوگیا، اور میں پہلے قصہ کو بھول گئی تو پھر میں آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں گئی، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ: آگے چلے جاؤ! لوگ آگے چلے گئے، پھر مجھ سے فرمایا: آؤ! میں تم سے دوڑ میں مقابلہ کروں، چنانچہ ہم دونوں میں مقابلہ ہوا' تو حضور ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے، حضور ﷺ ہنسنے لگے اور فرمایا: یہ پہلی دوڑ کے بدلے میں ہے۔ (اب معاملہ برابر ہوگیا)۔ (حیاۃ الصحابہ ص۲۷۵ ج ۲۔ اردو ص۲۰۷ ج ۲)

''ابوداؤد'' میں بھی یہ قصہ اختصار کے ساتھ آیا ہے۔

(ابوداؤد ص۳۴۸ ج۱، باب فی السبق علی الرجل ، کتاب الجهاد)

آپ ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مزاح کا ایک اور قصہ

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز حضور ﷺ کی آواز پر کچھ بلند سنائی دی۔ جب داخل ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پکڑا تاکہ ان کو طمانچہ ماریں اور فرمایا: خبردار! اب میں تجھ کو کبھی نہ دیکھوں کہ

تیری آواز حضور ﷺ کی آواز سے اونچی ہو۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مارنے سے) روکا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خفا ہو کر چلے گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: دیکھا! میں نے تمہیں اس آدمی سے کیسے بچالیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ دنوں ٹھہرے رہے، اس کے بعد پھر حضور ﷺ کے یہاں اندر آنے کی اجازت طلب کی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دونوں میں صلح ہوگئی ہے، تو انہوں نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ: تم مجھے اپنی صلح میں داخل کرلو جیسا کہ تم دونوں نے اپنی لڑائی میں مجھے شریک کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم نے ایسا ہی کرلیا، یعنی صلح میں شریک کرلیا۔

(ابوداؤد ص۳۲۶ ج۲، باب ماجاء فی المزاح ، کتاب الادب۔ مشکوۃ ص۴۱۷، باب المزاح)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ جملہ بطور مزاح تھا' جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ: ''دیکھا میں نے تمہیں اس شخص کے ہاتھ سے کیسے نجات دلائی''۔ (مظاہر حق ص۴۹۷ ج۴)

آپ ﷺ کا عجیب مزاحی جملہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت نبی کریم ﷺ سفر میں تھے اور ایک حدی خواں (حدی' عرب شتر بانوں کا نغمہ) یا اونٹوں کو ہانکنے والا آپ ﷺ کی بیویوں کے اونٹوں کو چلا رہا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ: آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ سے آگے تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انجشہ! تیرا بُرا ہو آبگینوں سے نرمی کر۔

(تاریخ ابن کثیر ترجمہ البدایۃ والنہایۃ ص۶۸۸ ج۶)

ایک روایت میں ہے کہ: اے انجشہ !ان شیشوں کو آہستہ لے کر چلو (اونٹ زیادہ حدی سن کر مستی میں آگئے تو یہ عورتیں گر جائیں گی، یا حدی کے اشعار سے ان کے دل چکنا چور ہو جائیں گے)۔

حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے ایسی بات ارشاد فرمائی ہے کہ: اگر تم میں سے کوئی یہ بات کہتا تو تم اسے عیب کی بات سمجھتے، اور وہ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان شیشوں کو آہستہ لے کر چلو''۔ (حیاۃ الصحابہ ص۵۷۳ ج۲)

مزاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع رجل

عن انس رضی اللہ عنه : ان رجلا استحمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال : انی احملک علی ولد ناقة ، فقال ما اصنع بولد ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : وهل تلد الابل الا نوق۔

(مشکوۃ ص۴۱۶، باب المزاح۔ابوداؤد ص۳۲۶، باب ماجاء فی المزاح ، کتاب الادب۔ترمذی ص۲۰ ج۲۔شمائل ص۱۶)

ایک آدمی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی ظرافت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: کسی شخص نے رسول کریم ﷺ سے ایک سواری کی درخواست کی، حضور ﷺ نے فرمایا: ایک اونٹنی کا بچہ تم کو دیں گے۔ سائل نے عرض کیا کہ حضور! میں بچہ کو کیا کروں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ (خصائل)

تشریح:...... حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ:

''سائل کا گمان یہ ہوا کہ وہ چھوٹا نا قابل سواری ہوگا۔ اس حدیث میں علاوہ مزاح کے

اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آدمی کو گفتگو میں دوسرے کی بات کمال غور وفکر سے سننی اور سمجھنے چاہیئے۔(خصائل شرح شمائل ص ۱۲۰)

ابن سعد کی روایت میں بجائے سائل مرد کے سائلہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ (حیاۃ الصحابہ ص ۱۷۵ ج ۲)

مزاح النبی صلی اللہ علیه وسلم مع ابی عمیر

عن انس رضی الله عنه قال: ان کان النبی صلی الله علیه وسلم لیخالطنا حتی یقول لاخ لی صغیر : یا ابا عمیر ما فعل النغیر ، وکان له نغیر یلعب به فمات ، متفق علیه۔

(بخاری ص ۹۰۵ ج ۲، باب الانبساط الی الناس ، کتاب الادب۔ مسلم ص ۲۱۰ ج ۲، باب جواز تکنیة من لم یولد له وکنیة الصغیر ، کتاب الادب۔ مشکوۃ ص ۴۱۶، باب المزاح)

ابو عمیر کے ساتھ نبی ﷺ کی خوش طبعی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ ہم سے اختلاط فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے (از راہ مذاق) فرماتے: ابو عمیر! کیا ہوا نغیر؟ (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:) میرے اس چھوٹے بھائی کے پاس ایک نغیر تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا جو مر گیا تھا۔

تشریح:......''نغیر'' ایک جانور ہے، جس کا ترجمہ علماء ''لال'' سے کرتے ہیں۔ صاحب حیاۃ الحیوان نے ''بلبل'' لکھا ہے۔ (خصائل شرح شمائل ص ۱۱۸)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''البدایہ والنہایۃ'' میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضور ﷺ تمام لوگوں میں خوش اخلاق تھے، اور میرا ایک چھوٹا بھائی تھا

جس کو ابو عمیر کہا جاتا تھا (ان کا نام کبشہ تھا اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، ان کے والد کا نام ابوطلحہ تھا)۔(مظاہر حق ص۴۹۳ ج ۴)

راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ: اس کا دودھ چھڑایا گیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے اور اس کو دیکھتے تو آپ ﷺ فرماتے: ''یا ابا عمیر ما فعل النغیر'' راوی فرماتے ہیں کہ وہ لال چڑیا سے کھیلا کرتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بسا اوقات نماز کا وقت آجاتا اور آپ ﷺ ہمارے گھر میں ہوتے تو جو کپڑا آپ کے نیچے ہوتا اسے بچھانے کا حکم فرماتے اس پر جھاڑو دی جاتی پھر پانی چھڑکا جاتا، اس کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوتے، ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے اور آپ ہم کو نماز پڑھاتے۔ راوی کہتے ہیں ان کا بچھونا کھجور کی ٹہنیوں کا ہوتا تھا۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ: نبی کریم ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے ان کے بیٹے کو جس کی کنیت ''ابوعمیر'' تھی دیکھا کہ رنجیدہ ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب آپ ﷺ اسے دیکھتے تو اس سے خوش طبعی فرماتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے کہ میں ابوعمیر کو رنجیدہ دیکھتا ہوں؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس کی وہ لال چڑیا جس سے یہ کھیلا کرتا تھا مرگئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے کہنا شروع کردیا ''یا ابا عمیر ما فعل النغیر''۔(حیاۃ الصحابہ ص۵۷۰ ج ۲۔ تاریخ ابن کثیر ص۱۶۷ ج ۶)

شارح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فی ھذا الحدیث فوائد کثیرۃ جدا''۔(مسلم مع نووی ص۲۱۰ ج ۲)

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علماء نے اس حدیث میں سو سے زائد مسائل اور فوائد بتلائے ہیں۔ (خصائل شرح شمائل ص ۱۱۹)

مزاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع انس رضی اللہ عنہ

عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ : یاذا الاذنین۔

(مشکوۃ ص ۴۱۶، باب المزاح۔ ابوداؤد ص ۳۲۷ ج ۲، باب ماجاء فی المزاح ، کتاب الادب۔ ترمذی ص ۲۰ ج ۲، باب ما جاء فی المزاح ، باب البر والصلۃ۔ شمائل ص ۱۵، باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش طبعی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ نے ان کو (ایک مرتبہ) فرمایا: اے دو کان والے۔

تشریح: ......آنحضرت ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دو کان والے کے ذریعہ جو خطاب فرمایا، اس میں خوش طبعی وظرافت بھی تھی، اوران کے تئیں اس تعریف وتوصیف کا اظہار بھی مقصود تھا کہ تم نہایت فہیم وذکی ہو اور تم سے جو بات کہی جاتی ہے اس کو تم خوب اچھی طرح سنتے ہو۔

مزاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع عجوز

عن الحسن قال : اتت عجوز النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت : یا رسول اللہ ! ادع اللہ ان یدخلنی الجنۃ ، فقال : یا ام فلان ! ان الجنۃ لا تدخلھا عجوز ، قال: فولت تبکی فقال : اخبروھا انھا لا تدخلھا وھی عجوز ان اللہ تعالی یقول : ﴿ انا

انشاھن انشاء فجعلنھن ابکارا ﴾۔(شمائل ترمذی ص۱۶)

ایک بڑھیا کے ساتھ آپ ﷺ کی خوش طبعی

ترجمہ:......حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ دعا فرمائیں حق تعالی جل شانہ مجھے جنت میں داخل فرماویں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جنت میں بڑھیا داخل نہیں ہوں گی، وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگیں، حضور ﷺ نے فرمایا: اس سے کہدو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوں گی، اللہ تعالی فرماتے ہیں: ہم نے (وہاں کی) ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں۔

(سورۂ واقعہ، آیت نمبر:۳۶)

تشریح:......آپ ﷺ کی یہ خوش طبعی کہ بڑھیا جنت میں نہیں جائیں گی' مبنی بر حقیقت تھی کیونکہ واقعۃً کوئی عورت اپنے بڑھاپے کے ساتھ جنت میں نہیں جائیں گی۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمہ اللہ نے بھی اس قصہ کو تحریر فرمایا ہے۔اس میں ہے کہ آپ ﷺ یہ فرما کر کہ''بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائیں گی'' نماز کے لئے تشریف لے گئے، جب نماز سے فراغت پر آپ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب سے آپ نے بڑھیا کے لئے عدم دخول جنت کا ذکر فرمایا تب سے یہ رو رہی ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے کہدو کہ بوڑھی عورتیں جنت میں جائیں گی مگر جوان ہو کر۔(اسوۂ رسول اکرم ﷺ ص۱۴۰)

صاحب مرقاۃ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔(مرقاۃ ص۱۷۴ ج۹)

علماء نے لکھا ہے کہ یہ عورت حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ اور نبی کریم

ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں، کیونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہالہ بنت وہب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ہیں، آپ ﷺ کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ (سیر الصحابہ ص۱۱۴ ج۶)

روایت کے الفاظ ''یا ام فلان '' کے تحت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: راوی نام بھول گئے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ممکن ہے آپ ﷺ نے ''یا ام الزبیر ''فرمایا ہو۔ (خصائل شرح شمائل ص۱۲۱)

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی اور عورت تھی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مختلف واقعات ہوں۔ ''ویمکن الجمع بتعدد الواقعة''۔ (مرقاۃ ص۱۷۴ ج۹)

صاحب مشکوۃ نے بھی ''رزین'' کے حوالے سے یہ روایت تھوڑے فرق سے بیان کی ہے، جس میں ہے کہ وہ عورت قرآن پڑھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے قرآن میں نہیں پڑھا۔ (مشکوۃ ص۴۱۶، باب المزاح)

ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ کا مزاح

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: ام ایمن رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ آپ کو میرا شوہر بلاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تیرا شوہر وہی نہیں، جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ان کی

آنکھیں تو اچھی ہیں، اس میں سفیدی نہیں، آپ ﷺ فرمایا: بے شک ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بقسم کہا کہ: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی ایسا شخص نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو، یعنی حدقہ چشم (آنکھ کا حلقہ) ہر انسان کا سیاہی اور سفیدی دونوں رکھتا ہے۔ (مذاق العارفین ص۱۸۱ ج۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاح ودل لگی کے واقعات

عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کا مذاق فرمانا

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ چمڑے کے ایک چھوٹے خیمہ میں تشریف فرما تھے، میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: "ادخل" اندر آجاؤ! میں نے عرض کیا "أکلی یا رسول الله "؟ کیا سارا ہی اندر آجاؤں؟ حضور ﷺ نے فرمایا "کلک" سارے ہی آجاؤ، چنانچہ میں اندر چلا گیا۔

حضرت ولید بن عثمان بن ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے جو یہ کہا کہ: "کیا میں سارا ہی اندر آجاؤں؟" یہ خیمہ کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے کہا تھا۔ (ابوداؤد ص۳۲۶ ج۲، باب ماجاء فی المزاح)

حضور ﷺ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مزاح

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے کوئی مذاق کی بات کی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے کہا: "یا رسول الله بعض دعا بات هذا الحی من كنانة" یارسول اللہ! اس قبیلہ کی بعض مذاق کی باتیں

قبیلۂ کنانہ سے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا:''بل بعض مزحنا هذا الحی'' بلکہ یہ خاندان ہمارے مذاق کا ایک حصہ ہے۔(حیاۃ الصحابہ ص۵۷۳ ج۲)

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خوش دامن (ساس) کے ساتھ مذاق کیا جا سکتا ہے۔

حضور ﷺ کے ساتھ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دل لگی

حضرت ابوالہیثم رحمہ اللہ کو ایک صاحب نے بتایا کہ: انہوں نے خود سنا کہ حضرت ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضور ﷺ کو بطور مزاح کہہ رہے تھے: اللہ کی قسم جونہی میں نے آپ ﷺ سے جنگ کرنی چھوڑ دی تمام عرب نے بھی چھوڑ دی، ورنہ آپ کی وجہ سے سینگ والا اور بے سینگ والا ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔حضور ﷺ سن کر مسکراتے رہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''انت تقول ذلک یا ابا حنظلة''

اے ابوحنظلہ! تم بھی ایسی باتیں کرتے ہو۔(حیاۃ الصحابہ ص۵۷۳ ج۲)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا حنظلہ تھا جو بدر میں مارا گیا تھا۔

(سیر الصحابہ ص۲۷۵ ج۴، حصہ نہم)

اس لئے آپ ﷺ نے ''اباحنظلہ'' سے خطاب فرمایا۔

اس واقعہ سے خسر کا داماد کے ساتھ مذاق کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا مزاح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک روز آپ ﷺ میرے گھر میں تھے اور بی بی سودہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں، میں نے قلیہ تیار کیا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کھاؤ! انہوں نے کہا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا، میں نے کہا: کھاؤ نہیں تو

تمہارے منہ پر مل دوں گی، انہوں نے کہا: میں نہیں کھاؤں گی، میں نے پیالہ میں سے لے کران کے منہ پر لیس دیا۔آنحضرت ﷺ ہم دونوں کے بیچ میں بیٹھے تھے، اپنا پاؤں بیچ میں سے ہٹا لیا تا کہ وہ بھی اپنا عوض مجھ سے لیں، انہوں نے پیالے میں ہاتھ ڈال کر میرے منہ پر پھیر دیا، آپ ﷺ بیٹھے ہنستے رہے۔(مذاق العارفین ص۱۸۲ ج ۳)

اس واقعہ سے سوکنوں میں محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، رضی اللہ عنھن۔

ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کا مزاح

ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ زیادہ خوبصورت نہیں تھے۔جب وہ بیعت کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں، اس وقت تک پردہ کا حکم نہ ہوا تھا، بیعت کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس دو بیبیاں اس سرخ عورت سے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے اچھی ہیں، اگر آپ نکاح کریں تو ایک کو میں آپ کے واسطے بھیج دوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا کہ: وہ خوبصورت ہیں یا تم؟ انہوں نے کہا: میں ان سے کہیں اچھا ہوں۔آنحضرت ﷺ اس سوال وجواب سے ہنس پڑے کہ ایسی صورت ہونے پر اپنے آپ کو خوبصورت جانتے ہیں۔(مذاق العارفین ص۱۸۲ ج ۳)

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ کو مزاحی جواب

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے آخری مہاجر تھے، فرماتے ہیں کہ: میری ایک آنکھ آشوب زدہ تھی اور میں حضور ﷺ کے ساتھ کھجور کھانے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! آپ صہیب کو ملاحظہ نہیں فرماتے! آشوب چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری

آنکھ میں درد ہے اور کھجور کھاتے ہو؟ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اپنی ایک تندرست آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں، حضور ﷺ اس جواب پر مسکرا دیئے۔

(کنزالعمال ص۸۸۰ ج ۳، حدیث نمبر: ۹۰۲۰۔ مذاق العارفین ص۱۸۳ ج ۳۔ سیر الصحابہ ص۱۷۱ ج ۲ مہاجرین حصہ اول)

آپ ﷺ کا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے دل لگی کرنا

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ انصار میں ایک شخص تھے کہ ان کے مزاج میں خوش طبعی زیادہ تھی۔ ایک دن وہ لوگوں سے باتیں کر کے ان کو ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی کوکھ میں اپنی چھڑی کی جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی ذرا نوک چبھو دی، انہوں نے (خوش طبعی کے طور پر) کہا: یارسول اللہ! مجھے انتقام لینے دیجئے (کہ بلا وجہ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی) آپ ﷺ نے فرمایا: بہتر، انتقام لے لو! انہوں نے کہا: آپ ﷺ کے بدن پر تو قمیص ہے اور میرے بدن پر قمیص نہیں (اس کو اتار دیجئے تاکہ بدلہ پورا ہوسکے) تب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص اوپر اٹھالی (اور کوکھ کو کھول دیا) اس وقت یہ انصاری آپ ﷺ کو لپٹ گئے اور پہلوئے مبارک کے بوسے لینے لگے اور کہا: بس میرا مقصود تو یارسول اللہ! یہ تھا۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ اس واقعہ کے تحت فرماتے ہیں:

حضرت ﷺ نے باوجود اس خداداد ہیبت کے کہ سفرائے قیصر وکسریٰ سامنے آتے تو تھر تھر کانپا کرتے تھے، صحابہ کو اتنا بے تکلف بنا لیا تھا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ خوش طبعی کیا کرتے اور انتقام کے بہانہ جسم اطہر کے بوسے لیا کرتے تھے۔ (جمع الفوائد مترجم ص۱۱۰)

ایک صاحب کا آپ ﷺ کو ہنسانا

ایک آدمی عبداللہ نامی جن کا لقب حمار (گدھا) تھا، وہ نبی کریم ﷺ کو ہنسایا کرتے تھے اور وہ کھانے، پینے کے وقت آپ ﷺ کے پاس آموجود ہوتے تھے، ایک روز انہیں لایا گیا، تو ایک آدمی نے کہا: اللہ اس پر لعنت کرے یہ اکثر آموجود ہوتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، بلاشبہ یہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا محبّ ہے۔

(البدایہ والنہایہ اردو ص ۶۸۸ ج ۶)

حضور ﷺ کا زاہر رضی اللہ عنہ سے مذاق کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: دیہات کے رہنے والے ایک شخص کا نام زاہر تھا، وہ گاؤں سے حضور ﷺ کے لئے (سبزی، ترکاریاں وغیرہ) ہدیہ لایا کرتے اور جب یہ واپس جانے لگتے تو حضور ﷺ انہیں شہر کی چیزیں دے دیا کرتے، اور حضور ﷺ فرماتے: زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کا شہر ہیں۔ حضور ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی، لیکن تھے کم خوب صورت۔

ایک مرتبہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، حضور ﷺ نے پیچھے سے جا کر ان کی کولی ایسی طرح بھری کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکیں یعنی ان کی کمر اپنے سینے سے لگا کر ان کی بغلوں کے نیچے سے دونوں ہاتھ لے جا کر ان کی آنکھوں پر رکھ دیئے۔ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے چھوڑ دو! یہ کون ہے؟ پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضور ﷺ کو پہنچا لیا اور اپنی پیٹھ حضور ﷺ کے سینے سے اچھی طرح چمٹانے لگے اور حضور ﷺ بطور مذاق فرمانے لگے: اس غلام کو کون خریدے گا؟ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے بیچیں گے تو مجھے کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے۔ حضور ﷺ نے

فرمایا: لیکن اللہ کے نزدیک کھوٹے اور کم قیمت نہیں ہو، بلکہ تمہاری بڑی قیمت ہے۔

(حیاۃ الصحابہ ص ۵۷۱ ج ۲۔ شمائل ترمذی ص ۱۶۔ بدایہ والنہایہ ص ۶۸۷ ج ۶)

صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپس میں ایک دوسرے کو بطور مزاح خربوزہ مارنا

حضرت بکر بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مزاح میں ایک دوسرے پر خربوزے پھینکتے تھے، لیکن جب حقیقت اور کام کا وقت ہوتا تو اس وقت وہ مرد میدان ہوتے۔

حضرت قرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں ہنسی مذاق کیا کرتے تھے؟ حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں، وہ عام لوگوں جیسے ہی تھے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم مزاح میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

یحب الخمر من مال الندامی ویکرہ ان تفارقہ الفلوس

وہ (بخیل ہے اس لئے) ہم نشینوں کے مال سے شراب پینا چاہتا ہے اور مال کی جدائی سے اسے بڑی ناگواری ہوتی ہے۔ (حیاۃ الصحابہ ص ۵۷۴ ج ۲)

حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کا حضرت سویبط رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہنسی مذاق

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے بصریٰ (ملک شام کا ایک شہر) تشریف لے گئے، ان کے ساتھ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت سویبط بن حرملہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی بھی تھے۔ حضرت سویبط رضی اللہ عنہ

کھانے کے سامان کے ذمہ دار تھے۔حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: مجھے کچھ کھانا کھلا دو، حضرت سویبط رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گئے ہوئے ہیں، جب وہ آجائیں گے تو کھلا دوں گا۔حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں ہنسی اور مذاق بہت زیادہ تھا، وہاں قریب میں کچھ لوگ اپنے جانور لے کر آئے ہوئے تھے، حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ نے ان سے جا کر کہا: میرا ایک چست اور طاقت ور عربی غلام ہے تم لوگ اسے خرید لو، ان لوگوں نے کہا: بہت اچھا، حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ نے کہا: بس اتنی بات ہے کہ وہ ذرا باتونی ہے اور شاید وہ یہ بھی کہے کہ: میں آزاد ہوں، اگر تم اس کے اس کہنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دو گے تو پھر رہنے دو، یہ سودا مت کرو، اور میرے غلام کو نہ بگاڑو، انہوں نے کہا: نہیں ہم تو اسے خریدیں گے اور اسے نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ ان لوگوں نے دس جوان اونٹنیوں کے بدلے میں انہیں خرید لیا۔حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ دس اونٹنیاں ہانکتے ہوئے آئے اور ان لوگوں کو بھی ساتھ لائے اور آکر ان لوگوں سے کہا: یہ رہا تمہارا وہ غلام اسے لے لو، جب یہ لوگ حضرت سویبط رضی اللہ عنہ کو پکڑنے لگے تو حضرت سویبط رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ غلط کہہ رہے ہیں، میں تو آزاد ہوں، ان لوگوں نے کہا: انہوں نے تمہاری یہ بات پہلے ہی بتا دی تھی، چنانچہ وہ لوگ حضرت سویبط رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی ڈال کر لے گئے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہیں اس قصہ کا پتہ چلا تو وہ اور ان کے ساتھی ان خریدنے والوں کے پاس گئے اور ساری بات بتا کر ان کی اونٹنیاں انہیں واپس کیں اور حضرت سویبط رضی اللہ عنہ کو واپس لے کر آئے، پھر مدینہ واپس آکر ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا قصہ سنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم

اس قصہ کو یاد کر کے سال بھر ہنستے رہے۔ (ان حضرات کے دل بالکل صاف ستھرے تھے اور سویبط رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں ہنسی مذاق بہت ہے، اس لئے انہوں نے کچھ برا نہ مانا۔ (ترجمہ از: حضرت مولانا احسان الحق صاحب مدظلہ)۔ (حیاۃ الصحابہ ص ۵۷۴ ج ۲۔ کنز العمال ص ۱۸۸ ج ۳، حدیث نمبر: ۹۰۲۲)

علامہ محمد ابن محمد رودانی رحمہ اللہ صاحب جمع الفوائد نے بھی اس روایت کو نقل فرمایا ہے، اس میں اتنی زیادتی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے وصال سے ایک سال پہلے کا یہ قصہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بغرض تجارت شہر بصری گئے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ اس کے تحت فرماتے ہیں:

''(چنانچہ آپ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سال بھر تک ہنسے) کہ جب یہ قصہ یاد آجاتا تو ہنسی آجاتی، پھر سال بھر بعد تو وفات نبوی ﷺ نے ساری ہنسی خوشی کو خاک میں ملا دیا''۔ (جمع الفوائد مترجم ص ۱۰۹، باب النفاق والمزاح والمراء)

حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کا ایک اعرابی کے ساتھ مذاق

حضرت ربیعہ بن عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دیہاتی آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنی اونٹنی مسجد سے باہر بٹھا کر اندر چلا گیا، حضرت نعیمان بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ جنہیں ''النعیمان'' کہا جاتا تھا' ان سے حضور ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہمارا گوشت کھانے کو بہت دل چاہ رہا ہے، اگر تم اس اونٹنی کو ذبح کر دو اور ہمیں اس کا گوشت کھانے کو مل جائے تو بہت مزہ آئے گا، حضور ﷺ بعد میں اونٹنی کی قیمت اس کے مالک کو دے دیں گے، چنانچہ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا، پھر دیہاتی باہر آیا اور اپنی اونٹنی کو دیکھ کر چیخ پڑا کہ اے محمد (ﷺ)! ہائے ان لوگوں

نے میری اونٹنی کو ذبح کر دیا، اس پر حضور ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے اور پوچھا یہ کس نے کیا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نعیمان نے، حضور ﷺ نعیمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل پڑے اور اس کا پتہ کرتے کرتے آخر حضرت ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچ گئے، حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ اس کے اندر ایک گڑھے میں چھپے ہوئے تھے، اور انہوں نے اپنے اوپر کھجور کی ٹہنیاں اور پتے وغیرہ ڈال رکھے تھے، چنانچہ ایک آدمی نے اونچی آواز سے یہ کہا: یا رسول اللہ! میں نے اسے نہیں دیکھا، لیکن انگلی سے اس جگہ کی طرف اشارہ کر دیا جہاں حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ چھپے ہوئے تھے، حضور ﷺ نے وہاں جا کر انہیں باہر نکالا' تو پتوں وغیرہ کی وجہ سے ان کا چہرہ بدلا ہوا تھا، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! جن لوگوں نے اب آپ کو میرا پتہ بتایا ہے' انہوں نے ہی مجھے کہا تھا کہ: اس اونٹنی کو ذبح کر دو۔ حضور ﷺ مسکرانے لگے اور ان کا چہرہ صاف کرنے لگے اور پھر حضور ﷺ نے اس دیہاتی کو اس اونٹ کی قیمت ادا کی۔ (حیاۃ الصحابہ ص۵۷۴ ج۲)

حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کی خوش طبعی

حضرت عبداللہ بن مصعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضرت مخرمہ بن نوفل ابن اہیب زہری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں ایک نابینا بڑے میاں تھے، ان کی عمر ایک سو پندرہ سال تھی۔ ایک دن وہ مسجد میں پیشاب کرنے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے شور مچا دیا، حضرت نعیمان بن عمرو بن رفاعہ بن حارث بن اسود نجاری رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور انہیں مسجد کے ایک کونے میں لے گئے اور ان سے کہا: یہاں بیٹھ کر پیشاب کر لو اور انہیں وہاں بٹھا کر خود وہاں سے چلے گئے، انہوں نے وہاں پیشاب کر لیا، تو لوگوں نے شور مچا دیا۔

پیشاب کرنے کے بعد انہوں نے کہا: تمہارا بھلا ہو مجھے یہاں کون لایا تھا؟ لوگوں نے کہا: نعیمان بن عمرو رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: اللہ اس کے ساتھ یہ کرے اور یہ کرے (یعنی بد دعا دی) اور میں بھی نذر مانتا ہوں کہ اگر میرے ہاتھ لگ گئے تو میں انہیں اپنی اس لاٹھی سے بہت زور سے ماروں گا چاہے، اس کا کچھ بھی ہو جائے۔ اس واقعہ کو کافی دن گذر گئے، یہاں تک کہ حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ بھی بھول گئے۔ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد کے کونے میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑی یکسوئی سے نماز پڑھا کرتے تھے، ادھر ادھر توجہ نہ فرمایا کرتے، حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: آپ نعیمان رضی اللہ عنہ کو مارنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں وہ کہاں ہیں؟ مجھے بتاؤ! حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ نے لاکر انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا کر دیا اور کہا: یہ ہیں' مارلو۔ حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھوں سے لاٹھی اس زور سے ماری کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سر میں زخم ہو گیا، لوگوں نے انہیں بتایا کہ: آپ نے تو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مار دیا، حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو زہرہ نے جب یہ سنا تو وہ سب جمع ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نعیمان پر لعنت کرے، تم نعیمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دو، کیونکہ وہ جنگ بدر میں شریک ہوا تھا، اس لئے ان کی رعایت کرنی چاہئے۔

(حیاۃ الصحابہ ص۵۷۶ ج۲)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات مزاح کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ حدیث ام زرع بھی نقل کر دی جائے کہ یہ بھی آپ ﷺ کے مزاح میں سے ہے جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

اورآپ ﷺ کے اخلاق فاضلہ' خوش طبعی اور حسن اخلاق میں سے آپ ﷺ کا ام زرع کی طویل بات کا سننا بھی ہے۔(تاریخ ابن کثیر ص ۶۸۸ ج ۶)

حدیث ام زرع

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے خاوند کا پورا پورا حال سچا سچا بیان کر دیں' کچھ چھپائیں نہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

(۱)......ایک عورت ان میں سے بولی کہ: میرا خاوند ناکارہ دبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے(کہ زیادہ مرغوب نہیں ہوتا) اور گوشت بھی سخت دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل، جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا کہ اس کی وجہ سے سو دقت اٹھا کر اس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے اور اس کو اختیار ہی کیا جائے۔

(۲)......دوسری بولی کہ: میں اپنے خاوند کی بات کہوں تو کیا کہوں؟(اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتی) مجھے ڈر ہے کہ اس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر نہیں، اگر کہوں تو ظاہری اور باطنی عیوب سب ہی کہوں۔

(۳)......تیسری بولی کہ: میرا خاوند لم ڈھیگ (یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی) ہے، اگر اس میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں' تو فوراً طلاق، اگر چپ رہوں تو ادھر میں لٹکی رہوں۔

(۴)...... چوتھی نے کہا: میرا خاوند تہامہ رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ گرم ہے' نہ ٹھنڈا، نہ اس سے کسی قسم کا خوف نہ ملال۔

(۵)......پانچویں نے کہا کہ: میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے، اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے، اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس کی تحقیقات نہیں کرتا۔

(۶)......چھٹی بولی: میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے، اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے، جب لیٹتا ہے تو اکیلا ہی کپڑے میں لیٹ جاتا ہے، میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا جس سے میری پراگندگی معلوم ہو سکے۔

(۷)......ساتویں کہنے لگی کہ: میرا خاوند صحبت سے عاجز' نامرد۔ باور اتنا بے وقوف ہے کہ بات بھی نہیں کرسکتا، دنیا میں جو کوئی بیماری کسی میں ہوگی وہ اس میں موجود، اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گذرے۔

(۸)......آٹھویں نے کہا: میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے، اور خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے۔

(۹)......نویں نے کہا: میرا خاوند رفیع الشان' بڑا مہمان نواز' اونچے مکان والا' بڑی راکھ والا دراز قد والا ہے، اس کا مکان مجلس اور دار المشورہ کے قریب ہے۔

(۱۰)......دسویں نے کہا کہ: میرا خاوند مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں! وہ ان سب سے جواب تک کسی نے تعریف کی ہے یا ان سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گی بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے۔ اس کے اونٹ بکثرت ہیں' جو اکثر مکان کے قریب بٹھائے جاتے ہیں، چراگاہ میں چرنے کے لئے کم جاتے ہیں، وہ اونٹ جب باجہ کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت قریب آ گیا۔

(۱۱)......گیارہویں عورت ام زرع نے کہا: میرا خاوند ابوزرع تھا، ابوزرع کی کیا تعریف کروں! زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پُر کر دیئے، مجھے ایسا خوش وخرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی۔ مجھے ایک ایسے غریب گھرانہ میں پایا تھا' جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گذر کرتے

تھے،اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا جن کے یہاں گھوڑے‘اونٹ‘ کھیتی کے بیل اور کسان (ہر قسم کی ثروت موجود تھی ، اس سب کے باوجود اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا۔ میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا، کھانے پینے میں ایسی ہی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا)۔

ابو زرع کی ماں (میری خوشدامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں ! اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھر پور رہتے تھے، اس کا مکان نہایت وسیع تھا۔

ابو زرع کا بیٹا: بھلا اس کا کیا کہنا، وہ بھی نور علی نور، ایسا پتلا دبلا چھریرے بدن کا کہ اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) ستی ہوئی ٹہنی یا ستی ہوئی تلوار کی طرح سے باریک، بکری کے بچہ کا ایک دست اس کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی۔ ابو زرع کی بیٹی: بھلا اس کی کیا بات؟ ماں کی تابعدار، باپ کی فرماں بردار، موٹی تازی سوکن کی جلن تھی۔

ابو زرع کی باندی کا بھی کمال کیا بتاؤں ! ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جا کر نہ کہتی تھی، کھانا تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہیں کرتی تھی، گھر میں کوڑا کباڑ نہیں ہونے دیتی تھی، مکان کو صاف وشفاف رکھتی تھی۔

ہماری یہ حالت تھی لطف سے دن گذر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جبکہ دودھ کے برتن بلوئے جارہے تھے ابو زرع گھر سے نکلا، راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی جس کے کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے، پس وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کرلیا۔

اس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کرلیا‘ جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے، اس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ‘ گائے‘ بکری وغیرہ وغیرہ

ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ: ام زرع خود بھی کھا اور اپنے میکہ میں جو چاہے بھیج، لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اس کی ساری عطاؤں کو جمع کروں تب بھی ابو زرع کی چھوٹی سی چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہوسکتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ نے یہ قصہ سنا کر مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ: میں بھی تیرے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابوزرع' ام زرع کے واسطے۔

فائدہ:......اس کے بعد اوراحادیث میں یہ بھی آتا ہے، مگر میں تجھے طلاق نہیں دوں گا۔

''طبرانی'' کی روایت میں ہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فرمایا کہ: حضرت! ابوزرع کی کیا حقیقت، آپ میرے لئے اس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں۔

حق تعالی جل شانہ ہر مسلم زوجین کو حضور ﷺ کا اتباع اس مضمون میں بھی نصیب فرماویں کہ یہ عفت کا باعث ہوتا ہے، آمین۔ (خصائل شرح شمائل ص ۱۳۵)

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی خصائل سے یہ روایت اختصار کے ساتھ نقل کی ہے، اس کی تفصیل وتشریح درکار ہوتو خصائل کا مطالعہ فرمائیں۔

’’اشرف الجواب‘‘ کا مضمون ۔از: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

اعتراض: تمہارے نبی ﷺ کا مزاح فرمانا خلاف وقار تھا

جواب:...... حضور ﷺ مزاح فرماتے تھے، اس میں بھی حکمت تھی۔ ایک حکمت تو تطییب قلوب اصحاب تھی، اور دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے۔

میں نے اپنے ایک استاذ مولانا فتح محمد صاحب رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے، جب اٹھنے لگے تو حضرت سے عرض کیا کہ: آج میں نے حضرت کا وقت بہت ضائع کیا، حضرت کی عبادت میں خلل ڈالا، حاجی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: کیا نفلیں پڑھنا ہی عبادت ہے؟ دوستوں سے باتیں کرنا عبادت نہیں؟ یہ تم نے کیا کہا کہ: وقت ضائع کیا، نہیں، بلکہ یہ سارا وقت عبادت ہی میں گزرا۔

اسی طرح حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ صبح کی نماز کے بعد بعض دفعہ مصلے پر بیٹھے رہتے اور اشراق کے وقت تک دوستوں سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ عامی تو یہ سمجھتا تھا کہ یہ وقت عبادت سے خالی گذرا، مگر مولانا اس کو عبادت میں مشغول سمجھتے تھے، کیونکہ طیب قلب مؤمن بھی عبادت ہے۔ پس ایک حکمت تو حضور ﷺ کے مزاح میں یہ تھی۔

دوسری حکمت وہ تھی جو مجھے خواب میں بتلائی گئی۔ میں نے شباب میں خواب دیکھا تھا کہ ملکہ وکٹوریہ ایک ایسی سواری میں سوار ہے جس میں نہ انجن ہے نہ گھوڑا نہ بیل۔ اس وقت تو میں اس سواری کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا، مگر اب موٹر دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہ سواری لاری موٹر کی شکل کی تھی، اور میں نے دیکھا کہ ملکہ کی سواری تھانہ بھون کی گلیوں

سڑکوں میں پھر رہی ہے، پھر تھوڑی دیر بعد میں نے اپنے آپ کو بھی اس سواری میں سوار دیکھا، اس وقت ملکہ نے مجھ سے کہا کہ: مجھے حقانیت اسلام میں کوئی شبہ نہیں، صرف ایک بات کھٹکتی ہے، اگر وہ حل ہوجائے تو پھر اسلام کے حق ہونے میں مجھے کوئی اشکال نہ رہے گا، میں نے کہا: بیان کیجئے! وہ شبہ کیا ہے؟ کہا: حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مزاح بھی فرماتے تھے، اور مزاح وقار کے خلاف ہے، اور نبی کے لئے وقار کا ہونا ضروری ہے، (یہ اشکال سلاطین ہی کے مذاق کے مناسب ہے، کیونکہ وقار خودداری کا سب سے زیادہ اہتمام انہی کو ہوتا ہے) میں نے جواب دیا کہ: رسول اللہ ﷺ کے مزاح میں بڑی حکمت تھی، وہ یہ کہ آپ ﷺ کو رعب وجلال اس درجہ عطا فرمایا تھا کہ ہرقل وکسری اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپ ﷺ کے نام سے تھراتے تھے، حدیث میں ہے:" نصرت بالرعب مسیرۃ شھر" کہ اللہ تعالی نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے جو ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا ہوا ہے، یعنی اس مخلوق پر بھی آپ ﷺ کا رعب طاری تھا' جو بقدر ایک مہینہ کی مسافت کے آپ ﷺ سے دور تھے، پاس والوں کا تو کیا ذکر اور حضور ﷺ تو بڑی چیز ہیں، حضور ﷺ کا غلامان غلام کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے، جیسے حضرت عمرؓ حضرت خالد رضی اللہ عنہما وامثالہما۔

اور یہ معلوم ہے کہ حضور ﷺ صرف سلطان نہ تھے، بلکہ رسول بھی تھے، اور رسول کا کام یہ ہے کہ امت کی ظاہری و باطنی اصلاح کرے، جس کے لئے افادہ واستفادہ کی ضرورت ہے، اور افادہ اور استفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفدین کا دل مربی سے کھلا ہوا ہو' تاکہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کرکے اصلاح کرسکیں، اور جس قدر رعب وجلال خدا تعالی نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا، اس لئے حضور

ﷺ گاہ گاہ مصلحت سے مزاح فرماتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل کھل جائیں اور وہ ہر وقت مرعوب رہ کر اپنے دل کی باتیں بیان کرنے سے نہ رکیں۔

اور یہ مسلم نہیں کہ ہر مزاح خلاف وقار ہے، خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت وحکمت نہ ہو، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے مزاح سے آپ ﷺ کے وقار وعظمت میں کوئی کمی نہ آتی تھی، بلکہ اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا اور وہ انقباض جاتا رہتا تھا جو غایت رعب کی وجہ سے قلوب میں عادۃً پیدا ہوتا ہے، جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ ﷺ کی محبت جاگزیں ہوتی تھی، اگر آپ ﷺ مزاح نہ فرماتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوپر آپ ﷺ کا خوف ہی غالب ہوتا' محبت غالب نہ ہوتی اور جب سے آپ ﷺ کی محبت غالب ہوئی تو آپ ﷺ کے وقار میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی، بلکہ پہلے سے بھی زیادتی ہوتی گئی، کیونکہ پہلے تو وقار وعظمت کا منشاء صرف خوف تھا، اب محبت وخوف دونوں مل کر کام کرنے لگے۔

اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے تو خوف زائل ہوجاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے، اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ کی بابت احادیث میں وارد ہے اور وہ مزاح بھی بکثرت نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہوسکتا، چنانچہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے اور احادیث سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب میں حضور ﷺ کی عظمت کس درجہ تھی، اور جب کبھی کسی بات میں آپ ﷺ کو غصہ آگیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی کیا حالت ہوتی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے قوی القلب' شجاع بھی تھرا جاتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عاجزانہ التجا کرنے لگتے تھے۔

اس جواب کے بعد ملکہ نے کہا: اب میرا اطمینان ہو گیا اور مجھے حقانیت اسلام میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ (الحدود والقیود ص ۹۔ اشرف الجواب ص ۵۷ حصہ اول، اعتراض ۱۵)

اس قسم کا ایک جواب حصہ چہارم میں بھی مذکور ہے۔ (اشرف الجواب ص ۲۱۲)

ملفوظات: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

کثرت مزاح کا نقصان

مزاح سے وقار جاتا رہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت خوش مزاج تھے، اکثر ہنستے بولتے رہتے تھے، اور یوں سب ہی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خوش مزاج تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں مزاح نہ ہوتا تو میں اپنی حیات میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔ مزاح سے وقار گر جاتا ہے۔

(انفاس عیسی ص ۵۲۷ ج ۲۔ التبلیغ والحدود والقیود ص ۱۶۲ ج ۱۵)

ہنسی اور مزاح میں چند ضروری باتوں کا لحاظ

(۱)...... کسی کا دل خوش کرنے کے لئے خوش طبعی (ہنسی مذاق کرنے میں کوئی) مضائقہ نہیں، مگر اس میں دو امر کا لحاظ رکھو، ایک یہ کہ جھوٹ نہ بولو، دوسرے یہ کہ اس شخص کا دل آزردہ مت کرو، (یعنی دل نہ دکھاؤ) اگر وہ برا مانتا ہے تو ہنسی مت کرو۔ (تعلیم الدین ص ۵۴)

(۲)...... ہنسی ہنسی میں کسی کی کوئی چیز اٹھا کر چیز والے کو پریشان مت کرو، خصوصا جب کہ یہ نیت ہو کہ اگر معلوم ہو گیا تو ہنسی ہے ورنہ حق برد کریں گے (دبالیں گے) اور اگر ہنسی میں اٹھالی ہے تو جلدی واپس کرو۔ (''تحفۃ العلماء'' ص ۵۰۲ ج ۱)

حق تعالی کا مزاح

حق تعالی کا مزاح فرمانا بھی حدیث سے ثابت ہے کہ: جہنم سے جو مسلمان نکالے جائیں گے ان کا لقب جہنمین ہوگا، کیونکہ ان کو اسی میں حظ ہوگا۔

ان میں سے ایک شخص جو سب سے اخیر میں نکالا جائے گا حق تعالی اس سے فرمائیں گے کہ: مانگ کیا مانگتا ہے، وہ عرض کرے گا کہ: میرا منہ جہنم کی طرف سے پھیر دیا جائے۔ حق تعالی فرمائیں گے: بس اس کے بعد کچھ نہ مانگے گا؟ وہ کہے گا: نہیں اور کچھ نہ مانگوں گا، چنانچہ جہنم کی طرف سے اس کا منہ پھیر دیا جائے گا، اس وقت اس کو جنت کا ایک درخت نظر آئے گا، عرض کرے گا اس درخت کے نیچے مجھے پہنچا دے، ارشاد ہوگا کہ: تو نے ابھی وعدہ کیا تھا کہ کچھ نہ مانگوں گا، وہ معذرت کرنے لگے گا کہ بس یہ درخواست اور پوری کر دیجئے پھر کچھ نہ مانگوں گا، غرض اسی طرح رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔

تو یہ بھی مزاح ہی ہے کہ مقصود تو جنت میں پہونچانا تھا مگر اس کو رگڑ کر پہونچایا جائے گا، لہذا اب اس حکایت پر کچھ اشکال نہیں، کیونکہ مزاح کا ثبوت اس میں بھی ہے۔

(اشرف الجواب ص ۸۸، حصہ دوم)

خاتمہ

راقم الحروف رسالہ ''مزاح'' کو ''تمہارے نبی ﷺ کا مزاح فرمانا خلاف وقار تھا'' اعتراض وجواب پر ختم کر چکا تھا، کچھ عرصہ بعد علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ''کتاب الاذکیاء'' کا اردو ترجمہ ''لطائف علمیہ'' کے مطالعہ کا موقع ملا۔اس کے شروع میں بعنوان ''پیش لفظ'' حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا ایک گرانقدر مقالہ نظر سے گذرا تو اس کی جامعیت وجاذبیت نے مجبور کر دیا کہ باوجود طوالت کے اس کو رسالہ کا خاتمہ بنا کر ملحق کر دوں۔کیا بعید ہے کہ حق تعالی حضرت رحمہ اللہ کی اس تحریر کے طفیل اصل رسالہ کو بھی مفید ومقبول بنا دے۔

مضمون: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد۔

خوش طبعی اور مزاح زندگی اور زندہ دلی کی علامت ہے، بشرطیکہ فحش، عریانی اور عبث گوئی سے پاک ہو۔واقعاتی مزاح نفس انسانی کے لئے باعث نشاط اور موجب حیات نو اور تازگی کا سبب ہوتا ہے، جس سے یہ بانشاط نفس تازہ دم ہوکر زندگی کے اعلی مقاصد کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔

ساتھ تفریح نفس اور اس نشاط طبع سے جہاں خود اپنی طبیعت میں بشاشت وانبساط کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، وہیں مخاطبوں کی عقلوں اور ذکاوتوں کو بھی دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی کی طاقت ملتی ہے اور پھر اسی حد تک بشاش طبیعتیں باہم مربوط ہوکر بہت سے اہم اور مشکل امور کو حل کر لیتی ہیں جن سے مردہ اور پژمردہ طبیعتیں کلیۃً عاجز ودرماندہ رہ جاتی ہیں۔

گویا مزاح وخوش طبعی درحقیقت افادہ اور استفادہ کا ایک مؤثر ترین وسیلہ ہے، جس

سے دو اجنبی طبیعتیں ایک دوسرے سے قریب ہو کر ایک دوسرے کے ذوق سے پوری طرح آشنا ہوتی اور فائدہ اٹھاتی ہیں۔

چنانچہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ اور بالفاظ دیگر مغرور یا بناوٹی وقار کے خوگر انسانوں کے یہاں اگر مزاح و بے تکلفی کو حقیر سمجھا گیا ہے تو اسی حد تک وہ ربط باہمی اور عام افادہ و استفادہ کی نعمت سے بھی محروم رکھے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے مزاح و خوش طبعی سے کلیۃً کنارہ کشی اختیار نہیں فرمائی جس سے حقوق نفس کی رعایت کے ساتھ مخاطبوں کے حقوق محبت کی رعایت اور ان کے استفادہ کی خاطر انہیں بے تکلف بنانے کی اعانت بھی پیش نظر تھی، ورنہ انبیاء علیہم السلام کا رعب وداب اور ہیبت کلیۃً حق سائلوں کو اس کی جرأت ہی نہیں دلا سکتا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر کوئی سوال یا استفادہ کر سکتے۔

مزاح کا یہ کتنا عظیم فائدہ اور اس کی تہ میں یہ کتنی بڑی مصلحت پنہاں تھی کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے دینی سوال و استفتاء اور کمال استفادہ و استرشاد کے دروازے اس کی بدولت کھل گئے جو ان کے حق میں علوم کی فراوانی اور دین و ایمان کی تقویت وترقی کا باعث ہوئے، اس لئے نتیجۃً اہل اللہ اور اہل کمال کا مزاح حقوق العباد کے ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی ایک مؤثر ترین وسیلہ ثابت ہوتا ہے، جس سے اس کی مشروعیت میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا، اور ساتھ ہی یہ بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ مزاح و خوش طبعی درحقیقت تفریح نفسانی کا نہیں بلکہ تہذیب روحانی، تنشیط اذہان اور تفریح عقل کا نام ہے۔ جس کے انبساط ہی پر دین کے انشراح کا مدار ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ بایں شان اعلی کہ: ”کان دائم الفکرۃ حزینا“

یعنی آپ ہمیشہ (فکر آخرت میں) فکر مند اور غمگین سے رہا کرتے تھے۔

اور بایں رعب و ہیبت حق کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جری اور بہادر صحابہ رضی اللہ عنہم مرعوب ومغلوب ہوکر گھٹنوں کے بل گر جاتے تھے، مزاح کو کبھی اختیار نہ فرماتے، اگر مزاح محض تفریح نفسانی کا نام ہوتا، پس آپ کا اسے اختیار فرمالینا ہی اس کی کافی ضمانت ہے کہ مزاح کی جنس شرعی امور میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے، گو اس کی بعض انواع جو کذب و جہالت یا حد تمسخر تک پہنچ جائیں وہ مذموم بھی ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ اسلام دین فطرت ہے جو کسی بھی انسانی جذبہ کو مٹانے یا پامال کرنے نہیں آیا، بلکہ ٹھکانے لگانے آیا ہے، اس نے ان جذبات تک کو بھی یکسر فنا کرنا نہیں چاہا جو عرف عام بلکہ عقول عامہ میں معصیت سمجھے جاتے ہیں اور فی نفسہ ہیں بھی معصیت، جیسے جھوٹ' دھوکہ' لوٹ مار' چوری' قتل وغارت واتراہٹ وغیرہ، لیکن ان کو اس نے مٹانے کے بجائے مناسب مقام پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ بتلائی ہوئی حدود کے اندر استعمال ہوں، مثلا اصلاح ذات البین کے لئے جھوٹ، حربیوں کی جنگ میں دھوکہ، جہاد وقصاص میں قتل وغارت' غاصبوں کے ہاتھ سے اپنا مال نکالنے کے لئے چوری' متکبروں اور مغروروں کے مقابل صوری اتراہٹ وغیرہ امور کو صرف جائز ہی نہیں رکھا بلکہ اعلی ترین طاعت وقربت قرار دیا ہے۔

پس اگر مزاح وخوش طبعی کو انسان کا ایک طبعی جذبہ ہی مان لیا جائے (جو حقیقتاً محض طبعی نہیں، بلکہ وہ عقل کی تیزی، نفس کی وسعت اور حوصلہ وظرف کے علو سے ابھرتا ہے) تب بھی اسلامی فطرت پر وہ پامال کرنے کے لئے نفس انسانی میں نہیں رکھا گیا، بلکہ ٹھکانے لگانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تا کہ اندرون حدود کسی صحیح غایت کے لئے استعمال میں آئے، اور ظاہر ہے کہ اس صحیح محل استعمال اور مناسب غرض وغایت اس سے زیادہ اور کیا

ہوسکتی ہے کہ اہل اللہ اور اہل کمال لوگوں کو اپنے وہبی رعب وداب کے دباؤ سے بچانے اور مستفدین کو اپنے سے قریب اور بے تکلف بنانے کے لئے اسے استعمال کریں۔

نہیں، بلکہ اگر خالص نفسانی جذبہ بھی ہو تو بہر حال اسلام کی فطری شریعت نے نفس کے بھی تو حقوق تسلیم کئے ہیں تا کہ وہ بطمانیت باقی رہے اور روح کی اخروی سیر کے لئے مرکب اور سواری کا کام دے، پس اگر فطرت اللہ دنیا کو قائم رکھتی ہے تا کہ وہ آخرت کا وسیلہ ثابت ہو اور نفس کی بقاء کا سامان کرتی ہے تا کہ وہ رب العزت تک روح کو پہنچا دے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ دواعی نفس کو باقی نہ رکھے تا کہ وہ روحانی مقاصد کے لئے آلہ کار ثابت ہوں۔ پس اگر ان ہی دواعی نفس میں مزاح و مذاق اور ظرافت وخوش طبعی بھی داخل ہے تو تا بقاء نفس اس داعیہ کو بھی ضرور باقی رہنا چاہئے، البتہ خود نفس اور اس کے دوسرے امیال و عواطف کی طرح اس داعیہ نفس کی بھی محل استعمال اور طریق استعمال ضرور متعین ہوں کہ وہی حدود اس نفسانی جذبہ کو بھی روحانی بنا سکتی ہیں۔ نفس کے ان ہی طبعی جذبات وحقوق کی رعایت کا عام اصول لسان نبوی (ﷺ) پر ارشاد ہوا کہ:

ان لجسدک علیک حقا، وان لنفسک علیک حقا، وان لعینک علیک حقا، وان لاھلک علیک حقا، فصم ونم وافطر، الحدیث أو کما قال۔

تم پر تمہارے بدن کا بھی حق ہے، تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے، تم پر تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے، تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، (یعنی غذا ولباس تفریح طبع، شب خوابی اور شہوت رانی وغیرہ اندرونی حدود سب ہی تم پر لازم کی گئی ہیں) روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، سوؤ بھی اور جاگو بھی، قیام صلوۃ بھی کرو اور راحت بھی۔

چنانچہ حضرت صاحب اسوہ حسنہ ﷺ نے اس مزاح کے عملی نمونے بھی اس طرح

قائم کر کے دکھلا دیئے جس طرح عبادات و عادات کے نمونے دکھلائے، اور ایسے نمونے جن میں ظرافت وخوش طبعی انتہائی مگر واقعات کے مطابق اصول شرعیہ کے اندر اور حدود کے دائرہ میں معتدل جس سے آدمی ہنسے بھی اور علم بھی حاصل کر لے۔مزاح کی تفریح بھی ہو اور حکمت سے مالا مال بھی ہو۔خوش طبعی اور سنجیدگی کی آمیزش کے حکیمانہ مرقعے، مثلا:

آپ ﷺ نے ایک بڑھیا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: **لا تدخل الجنة عجوز** ، یعنی جنت میں بڑھیا داخل نہ ہوگی۔ بڑھیا بیچاری بہت حیران ہوئی ،عرض کیا یا رسول اللہ! کیا واقعی بوڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی؟ فرمایا ہاں بڑھیا جنت میں داخل نہ ہوگی اور آپ مسکرا رہے ہیں، اور وہ مستعجبانہ حیرانی میں فکر مند ہو رہی ہے، آخر جب اس کی حیرانی' پریشانی کی حدود میں آنے لگی تو فرمایا: کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا:

﴿ **انا انشاهن انشاء فجعلنهن ابكارا** ﴾

ترجمہ:......ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے اور ہم نے ایسا بنایا ہے کہ وہ کنواریاں ہیں۔

یعنی جنت میں داخل ہوتے وقت وہ بوڑھیاں نہیں رہیں گی، بلکہ انہیں جوان اور باکرہ بنادیا جائے گا (یہ اس تفسیر پر ہے کہ اس سے حوریں مراد نہ لی جائیں) دیکھئے مزاح کا مزاح ہے اور واقعات سرمو متجاوز نہیں، اور نہ ہی اس میں کوئی ادنی دھوکہ یا چال ہے بلکہ خوش طبعی کے ساتھ ایک تخئیل ہے تاکہ فکر مند بنا کر ایک دم ہنسا دیا جائے کہ فکر کے بعد جو فرحت ہوتی ہے وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔

ساتھ ہی بڑھیا کو اور پوری امت کو اس مزاح سے ایک حکمت وعلم کا سبق بھی دیا گیا اور وہ یہ کہ بسا اوقات آدمی اپنے کسی ذہنی منصوبہ سے (جس کا اسے شعور بھی نہیں ہوتا) آیت و

روایت کے معنی غلط سمجھ لیتا ہے، بڑھیا نے ’’لا تدخل الجنة عجوز ‘‘میں ایک ذہنی قید لگا رکھی تھی کہ ’’لا تدخل الجنة عجوزفی الوقت ‘‘یعنی جو اس وقت بڑھیا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگی، حالانکہ مراد یہ تھی کہ داخلہ جنت کے وقت وہ بڑھیا نہ ہوگی یعنی کوئی بھی بڑھیا بحالت پیری جنت میں داخل نہ ہوگی، پس اس مزاح سے حکمت کا یہ اصول ہاتھ لگا کہ نصوص شرعیہ(آیات و روایات) کی مراد سمجھنے کے لئے ذہن کو تمام خارجی قیود سے آزاد کرلینا چاہئے، ورنہ نص کا مفہوم کچھ کا کچھ ہو جائے گا جس سے خود اپنے لئے حیرانی اور پریشانی بڑھ جائے گی جیسا کہ بڑھیا کا حشر ہوا۔

پس ایسی مزاح اور خوش طبعی پر ہزار سنجیدگیاں نثار ہیں، جس سے فرحت نفس الگ ہو، علم وحکمت الگ حاصل ہو اور قرب وربط باہمی الگ مستحکم ہو، پس یہ مزاح فی الحقیقت تعلیم کا ایک اعلی ترین شعبہ ہے نہ دل لگی ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ رمضان میں سحری کھانے کی آخری حد یہ ہے کہ:

﴿ كلوا و اشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر﴾

(سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۸۷)

ترجمہ:......کھاؤ، پیو جب تک کہ سفید ڈورا، سیاہ ڈورے سے صبح ہونے تک ممتاز نہ ہو جائے

تو انھوں نے ایک سفید اور ایک سیاہ ڈورا تکیہ کے نیچے رکھ لیا اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے تھے جب تک کہ یہ دونوں ڈورے کھلے طور پر ایک دوسرے سے الگ نہ نظر آنے لگتے، اس میں کافی چاندنا ہو جاتا، مگر ان کا خورد ونوش بند نہ ہوتا، اور وہ بزعم خود قرآن پر عمل کررہے تھے، نبی کریم ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے مزاح کے لہجہ میں فرمایا:

" ان وسادتک لعریض "یعنی تیرا تکیہ بڑا ہی لمبا چوڑا ہے (کہ اس کے نیچے سیاہ ڈورا اور سفید ڈورا یعنی لیل ونہار دونوں آ گئے) اشارہ تھا کہ سیاہ وسفید ڈورے سے سوت کا ڈورا مراد نہیں، بلکہ رات کا سیاہ خط اور صبح کا سفید خط مراد ہے۔

جملہ مزاحی ہے مگر بھرپور علم وحکمت سے جو واقعہ کے مطابق ہے اور تعلیم وارشاد سے لبریز۔

ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ: یارسول اللہ! مجھے سواری کے لئے اونٹ دے دیجئے! فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچہ پر سوار کراؤں گا۔ اس نے حیرانی کے لہجہ میں عرض کیا یارسول اللہ! اونٹنی کا بچہ میری کیا سہار کرے گا اور میرا بوجھ کیسے سنبھالے گا؟ بس آپ مجھے تو اونٹ ہی عنایت فرمادیں، یہ بچہ کا قصد چھوڑ دیں، جب زیادہ حیران ہونے لگا تو تب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے سمجھایا خدا کے بندے اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے، تب وہ خوش ہو کر مطمئن ہوا۔

ایک انصاری عورت خدمت نبوی ﷺ میں حاضر تھی، آپ نے اس سے فرمایا جا جلدی سے اپنے خاوند کے پاس جا! اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے، وہ ایک دم گھبرائی بولائی ہوئی خاوند کے پاس پہنچی، اس نے کہا تجھے کس مصیبت نے گھیرا جو گھبرائی ہوئی دوڑتی آرہی ہے؟ اس نے کہا مجھے نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ تمہاری آنکھوں میں سفیدی ہے، اس نے کہا ٹھیک ہے مگر سیاہی بھی تو ہے، تب اسے اندازہ ہوا کہ یہ مزاح تھا اور ہنس کر خوش ہوئی اور فخر محسوس کیا کہ اللہ کے رسول مجھ سے ایسے بے تکلف ہوئے کہ میرے ساتھ مزاح فرمایا، مگر سبحان اللہ مزاح کیا تھا؟ حقیقت سے لبریز تھا، جس میں ایک بات بھی خلاف واقعہ نہ تھی، نفس میں نشاط آوری بر آں تھی۔

حضرت نخعی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: کیا صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہنسی، دل لگی کر لیتے تھے؟ فرمایا ہاں درانحالیکہ ایمان ان کے قلوب میں جمے ہوئے پہاڑ کی طرح جڑ پکڑے ہوئے ہوتا تھا، یعنی اس ہنسی میں بھی خلاف واقعہ یا خلاف دیانت کوئی بات نہ ہوتی تھی۔

روایات میں ہے کہ: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں باتیں کرتے، اشعار بھی ہوتے، خوش طبعی بھی ہوتی، لیکن جوں ہی ذکر اللہ درمیان میں آجاتا تو ان کی نگاہیں ایک دم بدل جاتیں اور یوں محسوس ہوتا کہ گویا آپس میں ان کی کوئی جان پہچان ہی نہیں۔

بہر حال جہاں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا جوہر فکر آخرت، گریہ و بکا اور خوف وخشیت تھا وہیں حق نفس ادا کرنے کے لئے جائز خوش طبعی اور علمی مزاح بھی ان کا جوہر نفس تھا۔

ایک مرتبہ صدیق اکبر، فاروق اعظم اور علی مرتضی رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے اس طرح چلے جارہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیچ میں تھے اور دونوں حضرات دونوں طرف۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مزاحاً فرمایا:

"علی بیننا کالنون فی لنا"

یعنی علی (رضی اللہ عنہ) ہم دونوں کے درمیان ایسے ہیں جیسے "لنا" کا نون (کہ ایک طرف "لام" اور ایک طرف "الف" اور بیچ میں "نون")

اس کلمہ کے الفاظ کی نشست سے اشارہ تھا اتحاد باہمی کی طرف کہ جیسے "لنا" میں تینوں حرف باہم جڑے ہوئے ہیں، ایسے ہی ہم بھی باہم جڑ کر ایک ہیں۔ اور معنیً اشارہ تھا اس طرف کہ جب ہم باہم متحد ہیں تو سب کچھ ہمارے ہی لئے ہے، کیونکہ "لنا" کا معنی ہیں: ہمارے لئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برجستہ جواب دیا: جو مزاح وخوش طبعی کی جان ہے کہ:

”لو كنت بينكما لكنتما لا“

یعنی اگر میں تمہارے درمیان نہ ہوتا تو تم ”لا“ ہو جاتے (یعنی منفی ہو جاتے) اور کچھ بھی نہ رہتے، کیونکہ ”لنا“ کا نون نکل جانے کے بعد ”لا“ رہ جاتا ہے، جس کے معنی ہیں ”نہیں“ یعنی تم میرے بغیر کچھ نہیں۔

کتنا پاکیزہ مزاح تھا جو علم وحکمت، مناسبات نقلی ومعنوی اور صنائع کلام سے لبریز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکی سے مذاق میں فرمایا کہ: مجھے تو خالق خیر نے پیدا کیا ہے اور تجھے خالق شر نے۔ وہ بیچاری رو پڑی اور بھول پن سے یوں سمجھی کہ جب خالق شر نے مجھے بنایا ہے تو بس شر محض ہوں اور مجھ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی کوئی خیر نہیں ہو سکتی، کیونکہ مجھے خالق خیر نے پیدا ہی نہیں کیا اور یا مجھے گویا خدا نے نہیں پیدا کیا۔ نہ معلوم میں کس مخزن شر سے آپڑی ہوں۔ اس کا گریہ وتحیر دیکھ کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اری! اس میں کیا مضائقہ ہے خیر ہو یا شر دونوں کا خالق اللہ ہی تو ہے، تب وہ مطمئن ہو کر کھل کھلا پڑی اور سمجھی کہ میں اللہ ہی کی ہوں اور اس کے خالق شر ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شر میں ہی ہوں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین، تبع تابعین، پھر علماء ربانیین اور حکماء واتقیاء متقدمین ہوں یا متأخرین، ماضی کے اہل کمال ہو یا حال کے، سب ہی باوجود اعلیٰ ترین خوف وخشیت، تقویٰ وتقدس اور متانت وسنجیدگی کے زندہ دل، خوش طبع، لطیفہ گو، بذلہ سنج اور ہنس مکھ رہے ہیں اور کبھی بھی ان حضرات نے ترش روئی، تلخ کلامی اور خشکی کو پسند نہیں کیا، البتہ اس کے حدود کی رعایت کی اور کبھی اپنے مزاح کو عامیانہ دل لگی، سوقیانہ مذاق یا معاذ اللہ تمسخر نہیں بنایا، جس کی شریعت نے ممانعت کی ہے، کیونکہ اس سوقیانہ تمسخر اور مسخرہ پن کے مذاق کے

بارہ میں حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہے کہ: المزاح استدراج من الشیطان۔
یعنی مزاح' دل لگی شیطان کی طرف سے ایک ڈھیل ہے، (جس سے وہ رفتہ رفتہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے)

ان ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محروسہ خلافت میں فرمان بھیجا تھا کہ لوگوں کو مذاق' دل لگی سے روکا جائے، اس لئے کہ اس سے مروت جاتی رہتی ہے، اور انجام کار غیظ وکینہ پیدا ہو جاتا ہے، جو نزاع باہمی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ مزاح ایک جنس ہے جس کی ایک نوع مذموم ہے اور ایک ممدوح و مطلوب۔ ایک نزاع آوار' ایک محبت آور۔ اس لئے جنس مزاح کو علی الاطلاق مذموم نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ مطلق مزاح ایک جذبہ ہے جس کا منشاء ربط باہمی اور مابینی تقارب ہے، مگر کم عقل اور بیہودہ لوگ اسے اپنے جاہلانہ رنگ سے مضر اور بعد و بے گانگی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

بہر حال اس جذبہ ظرافت اور جوہر خوش طبعی کو طبعی جذبہ کہا جائے یا نفسانی داعیہ، عقلی ابھار کہا جائے یا ذکاوت و تیزی طبع کا جوہر' ہر صورت میں وہ ایک شرعی مقام رکھتا ہے جس سے انبیاء اللہ سے لے کر اقطاب و اغواث اور علماء و عرفاء سب ہی گذرے ہیں، اس لئے اس کے آثار و لطائف کا مذاکرہ اور اس کی لطف آمیز حکایات کی نقل و روایت نہ منافی علم و حکمت ہے نہ مناقض دین و دیانت، بلکہ وہ ربط باہمی' قرب مابینی' آپس داری اور افادہ و استفادہ کی استعداد کا ایک بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔

اس لئے علماء محققین نے نہ صرف مزاح کا موقع بموقع استعمال ہی کیا ہے بلکہ اس کے آثار و طریق کو باقی رکھ کر آئندہ نسلوں تک ان کے پہنچانے کی بھی سعی کی ہے اور اس سلسلہ

میں ذکاوت وذہانت حاضر جوابی اور مزاح ولطائف وغیرہ پر کتابیں لکھی گئیں، اور مواعظ و ادب کی کتابوں میں اس پر ابواب وفصول بھی باندھے گئے، جیسے: عقد الفرید، المستطرف اور مختلف کشکول وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ایک مستقل کتاب ہی بنام ''کتاب الاذکیاء'' اسی موضوع پر تحریر فرمائی ہے، جس میں ذکاوت وذہانت کے مختلف الانواع نمونے پیش فرمائے ہیں اور انبیاء علیہم السلام سے لے کر اولیاء' عرفاء' علماء' صلحاء' ادباء' شعراء' رؤساء' ارباب صنعت و حرفت' قضاۃ' والیان ملک' عوام حتی کہ بدوضع طبقات تک کے مزاح وخوش طبعی اور ذکاوت کے مقالات اور معاملات کے نمونے ابواب وفصول پر منقسم کر کے یکجا کر دیئے ہیں، جن سے مختلف اہل کمال کی رسا عقلوں' ذہانتوں' طباعیوں اور زندہ دلی کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں اور عقلوں کو مختلف معنوی راہوں میں گھومنے' پھرنے کی راہیں ملتی ہیں۔

یہ کتاب فی الحقیقت تاریخ بھی ہے' مردہ دلوں اور پژمردہ طبیعتوں کے لئے روح افزا طب بھی ہے اور کند عقلوں کی غباوت دور کرنے کے لئے ایک اکسیر علاج بھی ہے، جس سے مردہ عقل میں تیزی اور امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ آدمی ہنستا بھی ہے اور عبرت بھی پکڑتا ہے، پابند منفرح بھی ہوتا ہے اور سوچتا بھی ہے، اور اس طرح ایک زندہ طبیعت لے کر اعلی مقاصد کے لئے دوڑتا بھی ہے۔ پس ابن جوزی رحمہ اللہ نے ''کتاب الاذکیاء'' لکھ کر دل لگی نہیں کی بلکہ دل لگی کا سامان کیا ہے۔ انہوں نے مزاحی حکایات لکھ کر کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ سنن صالحین کو یکجا کیا اور اسوۂ حسنہ کی ضروری تفصیلات جمع کی ہیں' جو بدعت نہیں تقویت سنت ہے۔

(انتہی مضمون: حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ)

آداب خط و کتابت

اس رسالہ میں خط و کتابت کے بہت مفید آداب اور ضروری مسائل کو تفصیل سے بینا کیا گیا ہے۔موضوع کے تعلق قیمتی اور قابل مطالعہ رسالہ ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

مقدمہ

قلم کی قوت وعظمت

حضرت نبی کریم ﷺ پر سب سے پہلی وحی جو نازل ہوئی، اس میں قلم کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالی نے قلم کی اہمیت کو بتلا دیا کہ قلم کس قدر عظیم الشان چیز ہے۔اسی لئے دنیا کے سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے پیغمبر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو بھی فن کتابت سکھایا گیا، بلکہ حضرات کا تو کہنا ہے کہ سب سے پہلے فن کتابت آپ ہی کو سکھلایا گیا، گرچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت سیدنا ادریس علیہ السلام کو ملا ہے۔

(معارف القرآن ص۷۸٦ص۸)

اللہ تعالی نے تخلیق انسانی کے بعد ''الذی علم بالقلم '' کے ذریعہ اس کی تعلیم کو بیان فرمایا۔اور تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں: زبان وقلم۔اور اس آیت میں تو قلم کو مقدم فرمایا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''قلم اللہ تعالی بہت بڑی نعمت ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالی کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے علم کتابت کی ترغیب دی، کیونکہ اس میں بیشمار اور بڑے منافع ہیں، جن کا اللہ تعالی کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا، تمام علوم وحِکَم کی تدوین اور اولین وآخرین کی تاریخ ان کے حالات ومقالات اور اللہ تعالی کی نازل کی ہوئی کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، اگر قلم نہ ہوتو دنیا ودین کے سارے ہی کام مختل ہوجائیں۔

علماء سلف وخلف نے ہمیشہ تعلیم خط وکتابت کا بڑا اہتمام کیا' جس پر ان کی تصانیف کے

عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں۔افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء وطلباء نے اس اہم ضرورت کوایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں، فالی اللہ المشتکی۔(معارف القرآن ص۸۶۷ج۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''بعض لوگ ایک زمانہ میں پیدا ہوئے اور دوسرے لوگ ان سے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئے،سو پچھلوں کو پہلوں کے علوم پر اطلاع نہیں ہوتی،مگر قلم کے واسطے سے۔اسی طرح بعضے لوگ ایک ملک اوراقلیم میں رہتے ہیں اور دوسرے لوگ دوسری اقلیم میں ہیں،تو ان دور والوں کا مطلع ہونا ان کے علوم اور معلومات پر بغیر قلم کی مدد کے ممکن نہ تھا۔اسی واسطے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے سخن کی فضیلت سے پوچھا'تو جنوں نے عرض کیا کہ حضرت!سخن ایک ہوا ہے کہ منہ سے نکلا اور فنا ہوگیا۔پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:اس کے باقی رہنے کی کیا تدبیر ہے؟ انہوں نے عرض کی اس کی تدبیر لکھنا ہے۔(تفسیر عزیزی اردو ص۴۱۸ ج۴)

قلم کی عظمت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالی نے اس کی قسم کھائی ہے۔ ارشادفرمایا:﴿نٓ والقلم وما یسطرون﴾ن'قسم ہے قلم کی اور(قسم ہے)ان(فرشتوں) کے لکھنے کی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس کی قسم اس لئے کھائی گئی کہ دنیا میں بڑے بڑے کام سب قلم ہی سے ہوتے ہیں، ملکوں کی فتوحات میں تلوار سے زیادہ قلم کا مؤثر ہونا منقول ومعروف ہے۔ابوحاتم بستی نے اسی مضمون کو دو شعروں میں فرمایا ہے ؎

اذا اقسم الابطال یوما بسیفهم وعدّوه مما یکسب المجد والکرم

کفی قلم الکتاب عزا و رفعة مدی الدهر ان الله اقسم بالقلم

جب کہ قسم کھائیں بہادرلوگ کسی دن اپنی تلوار کی، اوراس کوشمار کریں ان چیزوں میں جو انسان کوعزت وشرف بخشتی ہیں۔

تو کافی ہے لکھنے والوں کا قلم ان کی عزت و برتری کے لئے، ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے، کیونکہ اللہ نے قسم کھائی ہے قلم کی۔ (معارف القرآن ص۵۳۱ ج۸)

قلم کے متعلق کسی نے کہا ہے:

’’القلم لسان الید‘ سفیر الضمیر‘ مستودع الاسرار‘ و منبسط الاخبار‘ وحافظ الاٰثار‘‘۔

یعنی قلم ہاتھ کی زبان ہے، اوردل کا مترجم ہے، اور بھیدوں کا خزانہ ہے، اورخبروں کا ظاہر کرنے والا ہے، اورنشانیوں کا یادرکھنے والا ہے۔ (تفسیر عزیزی اردو ص۵۰ ج۳)

(نوٹ: قلم کی مزید تشریح اوراس کے عجائبات کا بیان دیکھنا ہوتو تفسیر عزیزی کا مطالعہ کیا جائے)

آپ ﷺ نے خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کو کتابت سیکھنے کی ترغیب دی، بلکہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ کتابت طے کیا گیا۔

علامہ عبدالحیٔ کتانی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’التراتیب الاداریة‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’الاستیعاب میں ہے کہ: جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سعید رضی اللہ عنہ کوحکم فرمایا کہ: وہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو کتابت سکھائیں، وہ بہترین کاتب تھے۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اہل صفہ کے کچھ لوگوں کو کتابت اور قرآن سکھایا۔ حضرت حکم بن سعید بن عاص بن امیہ رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر آیا ہے۔

کافر قیدیوں سے کتابت سیکھنے کا ذکر

غزوۂ بدر کے کافروں سے فدیہ قبول کیا گیا کہ وہ مسلمانوں میں دس لڑکوں کو کتابت سکھائیں اوراس کے بدلے میں ان کو چھوڑ دیا جائے۔انصاری بچوں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کتابت سیکھی۔اس طریقہ سے ان حضرات میں فن کتابت کی کثرت ہوئی۔ پس جوں جوں اسلام پھیلتا گیا' کتابت بھی عام ہوتی گئی۔(امام سہیلی اور امام ابوالوفاء رحمہما اللہ)اس وقت فدیہ کی رقم چار ہزار درہم تھی،لیکن کتابت سیکھنے کو مال پر ترجیح دیتے تھے۔قلم کی عظمت اور نفع ان حضرات کے قلوب پر ظاہر تھا''۔

(عہد نبوی کا اسلامی تمدن ص ۴۱)

خط وکتابت کا رواج کوئی آج کی پیداوار نہیں، بلکہ اس کی تاریخ بڑی قدیم ہے۔آج سے تقریباً چار ہزار سال سے بھی کچھ پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا بلقیس کے نام جوگرامی نامہ تحریر فرمایا تھا' اس کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

خط وکتابت کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو جب یہودیوں کے ساتھ معاملات کی نوبت آئی تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان کی زبان سیکھے،لہذا حضرت زید ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی زبان سریانی جو توراہ کی زبان ہے سیکھی۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فطری طور پر بہت زیادہ ذہین تھے' اور حضرت ﷺ کے فیض صحبت کی برکت تھی کہ انہوں نے صرف پندرہ روز میں سریانی زبان سیکھ کر اس میں مہارت حاصل کرلی۔''ترمذی شریف''میں ہے:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے آپ کے لئے یہودی کی کتاب سے کچھ کلمات سیکھنے کا حکم فرمایا........فرماتے ہیں کہ: پھر آدھا ماہ بھی

نہیں گذرا تھا کہ میں نے سریانی زبان سیکھ لی، چنانچہ جب میں سیکھ گیا تو آپ ﷺ اگر یہودیوں کو کچھ لکھواتے تو میں لکھتا، اور اگر ان کی طرف سے کوئی چیز آتی تو اسے پڑھ کر سناتا۔(ترمذی ص۱۰۰ ج۲، باب فی تعلیم السریانی ، ابواب الاستیذان والآداب)

پھر آپ ﷺ کے وہ مکتوبات جو آپ نے بادشاہوں کے نام صلح حدیبیہ والے سال یا محرم: ۷ھ میں ارسال فرمائیں، وہ سیرت وتاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

مؤرخین نے ان حضرات صحابہ کے اسماء بھی محفوظ رکھے' جو آپ ﷺ کے خطوط اور دستاویز لکھا کرتے تھے۔ ان میں حضرت ابی ابن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان خطوط کو لکھا کرتے تھے' جو آپ ﷺ اور عرب لوگوں کے درمیان ہوتے تھے۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں کھال اور چمڑے پر خطوط لکھے جاتے تھے۔ ایک خط کے چمڑے کی سائز چار انگل کے بقدر اور لمبائی ایک بالشت تھی۔

(عہد نبوی کا اسلامی تمدن ص۷۴و۷۵)

حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم خصوصا حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پر اثر خطوط ان کی سوانح ومستقل کتابوں کی شکل میں شائع ہوگئے ہیں۔

یہ مکتوب ہی کا تو کرشمہ ہے کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک گرامی نامہ کے ذریعہ قوم سباء کو ہدایت ملی۔ بلقیس نے اس کو ''کتاب کریم'' سے تعبیر کیا۔

مکتوب گرامی: حضرت یعقوب علیہ السلام' بنام حضرت یوسف علیہ السلام

سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کا درد بھرا یہ مکتوب گرامی:

''من جانب یعقوب صفی اللہ' ابن اسحٰق ذبیح اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ

بخدمت عزیز مصر! امابعد:

ہمارا پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں معروف ہے، میرے دادا' ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا نمرود کی آگ سے امتحان لیا گیا، پھر میرے والد (حضرت) اسحٰق (علیہ السلام) کا شدید امتحان لیا گیا، پھر میرے ایک لڑکے کے ذریعے میرا امتحان لیا گیا' جو مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، یہاں تک کہ اس کی مفارقت میں میری بینائی جاتی رہی، اس کے بعد اس کا ایک چھوٹا بھائی' مجھ غم زدہ کی تسلی کا سامان تھا جس کو آپ نے چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا، اور میں بتلاتا ہوں کہ ہم اولاد انبیاء ہیں' نہ ہم نے کبھی چوری کی ہے' اور نہ ہماری اولاد میں کوئی چور پیدا ہوا۔ والسلام''۔ (معارف القرآن ص ۱۲۴ ج ۵)

جوان کے صاحبزادے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے نام تحریر کیا گیا' جس نے ان کو بھی رلا دیا اور آج بھی پڑھنے والوں پر رقت طاری کئے بغیر، بلکہ رلائے بغیر نہیں رہتا' برسوں گم شدہ بیٹے کے ملانے کا سبب بنا۔

حضرت نجاشی رحمہ اللہ کی ہدایت کا ذریعہ بھی تو آپ ﷺ کا وہ تاریخی گرامی نامہ ہوا جو آپ نے شاہ حبشہ کے نام ارسال فرمایا تھا۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گرامی نامے' جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ کے نام لکھے گئے' ان کی حیثیت اسلام کے نظام عدالت میں سنگ میل کی ہے۔ ان خطوط میں اسلام کے قانون قضائی کے بنیادی خطوط واضح کر دیئے گئے ہیں۔ ہر وہ کتاب جو اسلام کے نظام قضاء پر لکھی جائے گی' سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ خطوط اس کے لئے مناسب ترین دیباچہ اور پیش لفظ کا درجہ رکھتے ہیں۔ (اسلامی عدالت ص ۱۳۵)

دریائے نیل کے نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گرامی نامہ

دریائے نیل کے نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ گرامی نامہ:

''من عبد الله عمر امير المؤمنين الى نيل اهل مصر:

اما بعد: فان كنت تجرى من قِبَلك فلا تجر، وان كان الواحد القهار يجريک، فنسأل الله الواحد القهار ان يجريک''۔

(حياة الصحابة، تسخير البحار لهم، ص۶۰۲ ج۳)

''اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام اما بعد! اگر تم اپنے پاس سے چلتے ہو تو مت چلو، اور اگر تمہیں اللہ واحد قہار چلاتے ہیں تو ہم اللہ واحد قہار سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے چلا دے''۔

(حیاۃ الصحابہ اردو ص۹۱۷ ج۳۔ مکتبۃ العلم)

ہی تو جاہلیت کی ایک ظالمانہ رسم کے ختم ہونے کا ذریعہ بنا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خط نے، بلکہ خط کے ایک جملہ نے اہل فارس کو تعجب میں ڈال دیا۔ وہ جملہ یہ تھا: ''میں تمہارے پاس ایسی قوم لے کر آیا ہوں، جن کو موت ایسی پیاری ہے جیسے تمہیں شراب''۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے! حیاۃ الصحابہ اردو ص۳۲۱ ج۱)

حضرت بجیر رضی اللہ عنہ کے ایک خط ہی نے تو ان کے بھائی حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازیبا اشعار کہے تھے آپ ﷺ کے قدموں میں ڈال کر شہادت کی گواہی پر مجبور کر دیا۔

حضرت بجیر بن زہیر رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ دونوں بھائی تھے، حضرت بجیر رضی اللہ عنہ پہلے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام

ہوئے تو حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے ان کی مخالفت کی اور چند اشعار لکھے، ان میں ایک شعر یہ تھا ۔

سقاکَ ابو بکرٍ بکأسٍ رَدِیَّةٍ وانهلک المامورُ منها و علِّکَا

ابو بکر نے تمہیں ایک خراب پیالہ پلایا ہے، اور اس کے غلام نے تمہیں بار بار پلا کر سیراب کیا ہے۔ (گویا حضرت ابو بکر کی وجہ سے تم اسلام لائے ہوں)

جب یہ اشعار حضور ﷺ تک پہنچے تو حضور ﷺ نے ان کے خون کو مباح کر دیا اور فرمایا: ’’جسے کعب جہاں ملے وہ کعب کو قتل کر دے‘‘۔

حضرت بجیر رضی اللہ عنہ نے یہ بات خط میں اپنے بھائی کو لکھی، اس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوگئے۔ جب یہ مسلمان ہوکر آئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابو بکر وہ شعر کیا تھا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہ شعر سنایا ۔

سقاکَ ابو بکرٍ بکأسٍ رَدِیَّةٍ وانهلک المامورُ منها و علِّکَا

تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے تھوڑی سی تبدیلی کر کے اس شعر کو تعریف کا بنا دیا ۔

سقاکَ ابو بکرٍ بکأسٍ رَوِیَّةٍ وانهلک المامونُ منها و علِّکَا

ابو بکر نے تمہیں ایک لبریز پیالہ پلایا ہے اور اس معتبر شخص نے تمہیں بار بار پلا کر سیراب کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے! حیاۃ الصحابہ اردو ص ۳۱۷ ج ۱)

خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں عمال حکومت اور امراء اجناد (فوجی افسروں) کو جو خطوط لکھے وہ بقول مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ کہ: ’’انتظامی سے زیادہ دینی و اخلاقی ہیں اور ان میں

حکومت کی روح سے زیادہ مشورہ ونصیحت کی روح ہے‘‘۔(تاریخ دعوت وعزیمت ص۳۹ ج۱)

ہندوستان کے راجاؤں نے حضرت رحمہ اللہ کے سات خطوط ہی سے اسلام قبول کیا‘ اوراپنے نام بھی عربوں کے نام پر رکھے۔(تاریخ دعوت وعزیمت ص۴۹ ج۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے مفصل خطوط اور ہدایت ناموں میں بڑی جرأت وصفائی کے ساتھ حکومت کی بدنظمیوں‘ حقوق کی پامالی‘ حکام کی مردم آزاری‘ اہل کاران دولت کی دولت ستانی‘ ذمہ داروں کی غفلت کی طرف توجہ دلائی،اور خدا کا خوف دلاکر پچھلے وزراءاور صدور حکومت کا انجام یاد دلاکر اصلاح وتنظیم کی طرف متوجہ کیا،ان کے یہ خطوط شخصی جرأت‘ اظہار حق اور تاثیر وقوت انشاء وتحریر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔(تاریخ دعوت وعزیمت ص۱۶۱ ج۱)

پھر اکابر واسلاف کے مکتوبات وملفوظات کی افادیت سے بھی ناواقف ہی انکار کرسکتا ہے۔بہت ممکن ہے کہ ناظرین اس سے اختلاف کریں،مگر راقم کا تجربہ ہے کہ بعض مرتبہ انتھک محنت وتحقیق سے لکھے گئے مضامین وتصنیفات سے دل وہ تأثر نہیں لیتا جو اکابر کے مکتوبات کے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے گرامی ناموں نے اپنے مکتوب الیہم کے دلوں پر جو اثر ڈالا اور اکبری الحاد کے طوفان کو کس طرح تبدیل کیا،اس کا اندازہ ’’تاریخ دعوت و عزیمت‘‘(حصہ۴) کے مطالعہ سے کیا جاسکتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’مجدد صاحب رحمہ اللہ نے .....امرائے کبار اور ارکان سلطنت کو اپنا مخاطب بنایا، ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور صفحۂ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے۔یہ خطوط اپنے درد واخلاص‘ جوش وتاثیر‘ زور قلم اور قوت انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و

مکاتیب کے مجموعہ میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی اصلاح وتحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کئے گئے ہیں' خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد آج بھی ان میں اثر و دلاویزی پائی جاتی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ کہ انہوں نے اپنے مکتوب الیہم کے دلوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا؟ حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب رحمہ اللہ کی دعوت وتبلیغ کے قاصد' ان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان' ان کے قطرات اشک اور ان کے لختہائے جگر ہیں۔ اور دسویں صدی میں ہندستان کی عظیم سلطنت مغلیہ میں جو اعظیم انقلاب رونما ہوا' اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ص۳۰۲ ج۴)

حضرت مجدد رحمہ اللہ کے علاوہ' حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمہ اللہ کے مکتوبات ''مکتوبات سہ صدی'' بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور انہیں اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز حاصل ہیں۔ بقول حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کہ:

''ہمارے محدود علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدوم رحمہ اللہ کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانی رحمہ اللہ کی نظیر نظر نہیں آتی''۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ص۲۴۰ حصہ۳)

اسلامی کتب خانہ میں خطوط کے مجموعوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہیں، جو بڑا تاریخی اور علمی مقام رکھتا ہے، ان میں خیر المجالس' سرور الصدور' انفاس رحیمیہ (حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب دہلوی رحمہ اللہ)' مکتوبات شیخ عبد القدوس' مخدوم الملک بہاری' شاہ ولی اللہ' مرزا جان جاناں وغیرہ بھی قابل مطالعہ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے ''کلمات طیبات'' حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ''مکاتیب سید احمد شہید'' حضرت مرزا جان جاناں رحمہ اللہ کے ''مکاتیب مرزا مظہر''

حضرت شاہ عبدالرزاق علوی رحمہ اللہ کے ’’مکتوبات عالیہ‘‘ حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمہ اللہ کے ’’مکتوبات امدادیہ‘‘ اور ’’مکتوبات ہدایت‘‘ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے مکتوبات‘ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے ’’مکاتیب رشیدیہ‘‘ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے ’’تربیت السالک‘‘ اور ’’مکاتیب حکیم الامت بنام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ‘‘ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ’’مکتوبات شیخ الہند‘‘ وغیرہ بھی اس سلسلہ کے قیمتی ذخیرے ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے مکتوبات کے سلسلہ میں محقق عالم مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی مدظلہ کی ایک تحریر قابل ملاحظہ ہے، موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’علمی موضوعات پر جو گرامی نامے تحریر فرمائے ان کے مباحث میں بڑا تنوع اور وسعت ہے، ان میں اسرار دین وشریعت کی گفتگو ہے‘ تفسیر وحدیث کے نکات کی گرہ کشائی فرمائی گئی ہے‘ فقہی مسائل بھی زیر قلم آئے ہیں‘ تراویح وقرأت ضاد‘ جمعہ اوراس دور میں موضوع بحث بنے ہوئے مسائل پر بھی توجہ فرمائی گئی ہے‘ ہندوستان کی شرعی حیثیت اوراس کے دارالحرب ہونے نہ ہونے اور یہاں عقود فاسدہ پر بھی اظہار خیال فرمایا گیا ہے‘ شرک و بدعت کے کلیدی مباحث کو بھی واضح کیا ہے۔ مختلف دینی فرقوں کے نظریات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، امکان نظیر کے واضح دلائل تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ امتناع نظیر کے ماننے والوں کے دلائل کا علمی تجزیہ فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے بگاڑ وزوال کے اسباب کا ذکر آیا ہے‘ اپنوں کی اندرونی کمزریوں پر بھی کہیں کہیں احتساب کیا ہے۔ غرض بیسیوں موضوعات و مباحث ہیں جو ان مکتوبات میں زیر قلم آئے ہیں، لیکن ہر ایک کی جامعیت‘ مضامین کی

فراوانی اور دلائل کی گہرائی و گیرائی کا یہ عالم ہے کہ ہر تحریر منفرد اور ہر بحث حرف آخر معلوم ہوتی ہے۔

ان مکتوبات میں حضرت کا خاص اسلوب بیان ہے' جو بڑی حد تک فلسفیانہ ہوتا ہے اور بعض تعبیرات بھی ایسی ہیں جو کہیں اور نظر نہیں آتیں اور بعض جگہ فکر ایسی عمیق اور پرواز ایسی بلند ہے کہ اس کا سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔ مجھ بے علم وصلاحیت کا تو ذکر ہی فضول ہے، کئی بڑے بڑے اہل علم بھی اس وسعت پرواز کے سامنے خود کو عاجز و درماندہ پاتے ہیں، حالانکہ ایسے کئی موقعوں پر زبان اردو ہے، مگر مفہوم مشکل سے گرفت میں آتا ہے، ہر لفظ مخزن اسرار ہے اور ہر فقرہ معدنِ معانی''۔

(قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتوی' احوال وکمالات' مکتوبات' علوم اور متعلقات ص۶۹۲)

ماضی قریب میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ''مکتوبات شیخ الاسلام''، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے ''مکاتیب طیب'' اور مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے ''ضیاء السالک'' میں بھی ناقابل فراموش علمی ذخیرہ موجود ہیں۔

دعوت وتبلیغ میں منہمک حضرات کے لئے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کے ''مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب'' اور حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب رحمہ اللہ کے ''مکتوبات'' (جو بہت کم تعداد میں شائع ہو سکے) یقیناً قیمتی تحفہ ہیں۔ جن میں انسانی نفسیات کی باریکیاں' دعوت وتبلیغ کے نکات' کام کے اہم اصول' طریقہ کار' دین کی محنت کے لئے ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کرنے والی ایسی طاقتور زبان استعمال کی گئی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے مکتوبات کی کئی جلدیں ’’مکتوبات محمد زکریا‘ مکتوبات شیخ الحدیث‘ مکاتیب شیخ الحدیث‘ مکتوبات مرشدی‘‘ وغیرہ ناموں سے شائع ہوچکی ہیں۔فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے’’مکتوبات فقیہ الامت‘‘ کی چار جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

اس وقت تو بعض اکابر کے وہ مکتوبات شائع ہوئے جو خالص نجی مضامین پر مشتمل ہیں، جن سے ناظرین کو بظاہر کوئی فائدہ نہیں،مگر ان حضرات اکابر کی نسبت کی برکت ہے کہ انہیں بھی دینی حلقوں میں قبولیت ملی۔

بعض اوقات مکتوبات کی اہمیت‘ سیرت وسوانح سے بھی بڑھ جاتی ہے۔مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ خطوط ان کے دلی جذبات اور اصلی خیالات کا آئینہ ہوتے ہیں۔اور بعض اوقات یہ مجموعے ان کے صحیح حالات وخیالات اور ان کی دعوت وتحریک کے اصلی محرکات معلوم کرنے کا‘ ان کی سوانح وسیر کے مقابلہ میں زیادہ مستند ذریعہ سمجھے جاتے ہیں،اس لئے کہ سوانح اور سیرتیں دوسرے اشخاص کی مرتب کی ہوئی ہوتی ہیں،اوران میں ان کے مصنفین کے ذوق ورجحان کا اچھا خاصا دخل ہوتا ہے،کم ازکم ترجمانی اور استنباط تمام تر مصنفین کی طرف سے ہوتا ہے،اوراپنے ذوق اور رجحان سے بالکل آزاداور مجرد ہوجانا نہایت مشکل بات ہے۔اسلامی کتب خانہ میں خطوط کے مجموعوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے‘ جو بڑی تاریخی اور علمی اہمیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کے اسلامی دور نے اس کتب خانہ کو بڑے بڑے بیش قیمت عطیے پیش کئے ہیں‘‘۔(مکتوبات حضرت شاہ مولانا محمد الیاس صاحب ص۲)

مرغوب احمد لاجپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خط کی ابتدا کیسے کی جائے؟

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک ابن مروان کو اپنی بیعت کا خط لکھا تو اس کو یوں لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط امیر المؤمنین عبدالملک کے لئے ہے' جو عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کی طرف سے ہے، تجھ پر سلام ہو۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ کے احکام سنوں گا اور فرمانبرداری کروں گا جو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہوں گے، جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

خطوط کی ابتدا ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے کی جائے

آگے آپ ﷺ کا ایک گرامی نامہ شاہ روم ہرقل کے نام آ رہا ہے' اس میں بھی آپ ﷺ نے خط کی ابتدا میں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے فرمائی ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط اللہ کے بندے حضرت معاویہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے لئے ہے' جو زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے ہے۔ اے امیر المؤمنین! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، امابعد۔

ابومسعود جریری کہتے ہیں کہ: ایک آدمی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے (موقعہ بہ

موقعہ ''بسم الله الرحمن الرحیم'' پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: (جن مواقع میں ان کو پڑھنا وارد ہوا ہے ان میں پڑھا کرو) اور یہ خطوط کے شروع میں لکھنے کے لئے بھی ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خط لکھنے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ تحریر کی ابتدا ''بسم الله'' سے ہو اور خط لکھنے والے کا نام بھی پہلے لکھا جائے۔

(مظاہر حق ص۷۹۴ ج۳)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: یہ بات صرف حدیث ہی سے ثابت نہیں، بلکہ قرآن کریم کی اس آیت ﴿انه من سلیمان وانه بسم الله الرحمن الرحیم﴾ سے بھی مفہوم ہوتی ہے: قلت ویوخذ ھذا من قوله تعالی۔

(مظاہر حق ص۷۹۴ ج۳۔ مرقات ص۳۴۰ ج۷)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سورۂ نمل کی آیت ﴿انه من سلیمان وانه بسم الله الرحمن الرحیم﴾ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز رسول کریم ﷺ کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں ''بسم الله الرحمن الرحیم'' لکھنا سنت انبیاء ہے۔

بسم اللہ اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں؟

رہا یہ مسئلہ کہ ''بسم الله'' اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں؟ تو رسول اللہ ﷺ کے مکاتیب اس پر شاہد ہیں کہ ''بسم الله'' کو سب سے مقدم اس کے بعد کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے۔

اور قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے اور ”بسم اللہ “ بعد میں مذکور ہے، اس کے ظاہر سے جواز اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ ”بسم اللہ “ اپنے نام کے بعد لکھی جائے، لیکن ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے یزید بن رومان رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ در اصل حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم

من سليمان بن داؤد الى بلقيس ابنة ذى شرح و قومها ، ان لا تعلوا ،الخ۔

بلقیس نے جب یہ خط اپنی قوم کو سنایا تو اس نے قوم کی آگاہی کے لئے سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کردیا۔ قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ بلقیس کا قول ہے۔ قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصل خط میں ”بسم اللہ “ مقدم تھی یا حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام لفافہ کے اوپر لکھا ہو اور اندر ”بسم الله “ سے شروع ہو۔ بلقیس نے جب اپنی قوم کو خط سنایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کردیا۔

مسئلہ:......خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں ”بسم اللہ“ لکھی جائے، لیکن قرآن وسنت کے نصوص واشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ ”بسم اللہ“ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے، اگر اس جگہ اس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں، بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں ”بسم اللہ“ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہوجائے گا۔ آجکل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے

ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے ''بسم اللہ'' کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔ (معارف القرآن)

خط میں ''امابعد'' لکھنا

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کے خطوط میں سے کئی خطوط کو دیکھا، جہاں کوئی بات ختم ہوئی وہیں ''امابعد'' لکھا ہوتا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ خط لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ خط اللہ کے بندے حضرت معاویہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے لئے ہے، جو زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے ہے۔ اے امیر المؤمنین! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، امابعد۔

زید بن اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میرے والد نے مجھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا، میں نے ان کو ''بسم الله الرحمن الرحيم'' کے بعد ''امابعد'' لکھتے ہوئے دیکھا۔

تشریح:......حمد وصلوۃ کے بعد خطبہ میں اور خطوں میں ''امابعد'' لکھنا چاہئے۔ ''امابعد'' کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ اور حمد وصلوۃ کے بعد آگے کی بات کہتا ہوں۔ (الادب المفرد ص)

''شرح منظومۃ الادب'' میں ہے کہ: مکتوبات اور خطابت میں ''امابعد'' کو لانا مستحب ہے، کیونکہ قیصر روم، کسریٰ فارس اور مقوقس کو جو خطوط لکھے گئے، اس میں اس کا ذکر ہے۔

قاضی علی بن سلیمان نے: ۳۵/ اور زرقانی نے: ۴۰/ صحابہ سے اسے منقول بتایا ہے۔

(عہد نبوی کا اسلامی تمدن ص ۸۱)

ایسی تحریر جس میں کوئی آیت قرآنی لکھی ہو، کیا کسی کافر، مشرک کے ہاتھ دینا جائز ہے؟

یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جبکہ وہ مسلمان نہیں تھیں، حالانکہ اس خط میں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھا ہوا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

رسول کریم ﷺ نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے، ان میں بھی بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ دینا تو جائز نہیں، لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آگئی ہے، وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا، اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا، وہ کسی کافر کے ہاتھ بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ بھی۔

(عالمگیری، کتاب الحظر والاباحۃ۔ معارف القرآن ص ۵۶۷ ج ۶)

بسم اللہ کے نزول سے پہلے آپ ﷺ کیا تحریر فرماتے تھے؟

''بسم الله الرحمن الرحيم'' کے نزول سے پہلے آپ ﷺ کیا تحریر فرماتے تھے؟ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے اہل نجران کے نام جو گرامی نامہ تحریر فرمایا، اس کی ابتدا اس طرح فرمائی: باسم اله ابراهيم و اسحاق و يعقوب ، امابعد ،الخ۔

(رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات شریفہ ص ۶۵۔ از: حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ)

''حیاۃ الصحابہ'' کی روایت میں ہے کہ: عبد یسوع کے دادا پہلے عیسائی تھے، بعد میں مسلمان ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ: سورت طٰسٓ سلیمان (یعنی سورۂ نمل) کے نازل

ہونے سے پہلے حضور ﷺ نے اہل نجران کو یہ خط لکھا:

’’ باسم اله ابراهيم و اسحاق و يعقوب ، امابعد ‘‘الخ۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے پروردگار کے نام سے شروع کرتا ہوں‘‘الخ۔

مطلب یہ ہے کہ اس سورت میں’’بسم الله الرحمن الرحيم ‘‘ کا ذکر ہے، اس لئے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ اپنے خطوں کے شروع میں’’بسم الله الرحمن الرحيم ‘‘ لکھنے لگ گئے، چونکہ یہ خط اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے لکھا گیا ہے، اس لئے اس کے شروع میں نہیں ہے۔(حیاۃ الصحابہ اردو ص۲۱۴ ج۱)

خط کے شروع میں کس کا نام لکھا جائے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: روم کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو بلوایا، پھر رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی طلب کیا‘ جو آپ نے اپنے صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بصری کے گورنر کے پاس بھیجا تھا (یہ ہرقل کا گورنر تھا‘ جو بصری کے علاقے میں مقرر تھا اور آپ نے اس کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ ہرقل کو پہنچادو، چنانچہ اس نے ہرقل کو پہنچا دیا تھا) ہرقل نے وہ مکتوب گرامی طلب کیا اور اسے پڑھا جس میں لکھا تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم

محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں‘ ہرقل کی طرف جو روم کا بڑا آدمی ہے، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اما بعد۔ میں تم کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام قبول کرلو تو سلامت رہے گا، اگر تم نے نہ مانا تو ان سب کاشتکاروں

کا گناہ ہوگا جو تیری رعیت میں بستے ہیں، الخ۔

تشریح:......اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کو کوئی خط لکھے تو ''السلام علیکم'' نہ لکھے، بلکہ یوں لکھے: ''سلام علی من اتبع الھدی ''یعنی اس پر سلام جو ہدایت کا اتباع کرے)

حضرت موسی علیہ السلام جب فرعون کے پاس تشریف لے گئے تو انہیں الفاظ میں سلام کیا تھا، جس کا سورۂ طٰہٰ میں ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی نے اپنے ساتھی کو خط لکھا: فلاں کی طرف سے فلاں کی طرف۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سورۂ نمل کی آیت ﴿ انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴾ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

''سب سے پہلی ایک ہدایت تو اس خط میں یہ ہے کہ خط کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نام سے شروع کیا، مکتوب الیہ کا نام کس طرح لکھا؟ قرآن کریم کے الفاظ میں وہ مذکور نہیں، مگر اتنی بات اس سے معلوم ہوئی کہ خط لکھنے والے کے لئے سنت انبیاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا نام لکھے۔ جس میں بہت سے فوائد ہیں' مثلا: خط پڑھنے سے پہلے ہی مکتوب الیہ کے علم میں آجائے کہ میں کس کا خط پڑھ رہا ہوں تا کہ وہ اسی ماحول میں خط کے مضمون کو پڑھے اور غور کرے، مخاطب کو یہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے کہ کاتب کا نام خط میں تلاش کرے کہ کس کا خط ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ رسول کریم ﷺ کے جتنے مکاتیب منقول اور شائع شدہ عالم میں موجود ہیں' ان سب میں بھی آپ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ: (من محمد عبد اللہ و رسولہ) سے شروع فرمایا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی اپنے چھوٹے کو خط لکھے تو اس میں اپنے نام کی تقدیم پر کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی چھوٹا اپنے بڑے باپ، استاذ، شیخ یا اور کسی بڑے کو خط لکھے، اس میں اپنے نام کو مقدم کرنا کیا اس کے ادب کے خلاف نہ ہوگا؟ اور اس کو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اس معاملہ میں حضرات صحابہ کا عمل مختلف رہا ہے۔ اکثر حضرات نے تو اتباع سنت نبوی کو ادب پر مقدم رکھ کر خود آنحضرت ﷺ کو جو خطوط لکھے، ان میں بھی اپنے نام کو مقدم لکھا ہے۔ ''روح المعانی'' میں ''بحر محیط'' کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''ما كان احد اعظم حرمة من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان اصحابه اذا كتبوا اليه كتابا بدأوا بانفسهم، قلت: وكتاب علاء الحضرمي رضى الله عنه يشهد له على ماروى''۔

رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تو کوئی انسان قابل تعظیم نہیں، مگر صحابۂ کرام جب آپ کو بھی خط لکھتے تو اپنا نام ہی شروع میں لکھا کرتے تھے، اور حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ کا خط جو رسول اللہ ﷺ کے نام معروف ہے، وہ اس پر شاہد ہے۔

البتہ ''روح المعانی'' میں مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: یہ سب کلام افضلیت میں ہے، جواز میں نہیں، اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے اخیر میں لکھدے تو یہ بھی جائز ہے۔ فقیہ ابو اللیث کی ''بستان'' میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کردے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں، کیونکہ امت میں یہ طریقہ بھی چلا آرہا ہے، اس پر نکیر نہیں کی گئی۔ (روح المعانی وقرطبی۔ معارف القرآن ص ۵۶۶ ج ۶)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

’’خط لکھنے والے کو اپنا نام پہلے لکھنا چاہئے، مخاطب کا نام لکھنے سے پہلے اپنا نام لکھے، تاکہ مخاطب کو پہلے ہی پتہ چلے کہ کس کا خط آیا ہے۔

ضروری نہیں کہ ’’من‘‘ کہہ کر لکھے۔ آج کل ہمارا رواج ہے کہ دائیں طرف اپنا نام لکھ دیتے ہیں، اس سے بھی مقصود حاصل ہوجاتا ہے، بعینہ یہ لفظ لکھنے کی ضرورت نہیں: ’’من فلان الی فلان‘‘ لیکن ایک کونے پر نام لکھ دینے سے امید ہے کہ سنت ادا ہوجائے گی، اگر نہ دائیں لکھا نہ بائیں لکھا، بلکہ آخر میں جا کر دستخط کردی اور وہ بھی جلیبی بنادی تو کس کو پتہ چلے گا کہ کیا لکھا ہے؟ کس نے لکھا ہے؟ آدمی مستقل تشویش میں رہتا ہے‘‘۔

(انعام الباری ص۲۵۸ ج۱)

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’خط لکھنے والا اپنا نام پہلے لکھے اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا نام پہلے لکھوایا، اور بعد میں شاہ روم کا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا کہ جب آپ کو خط لکھتے تو پہلے اپنا نام لکھتے۔ (کذا فی شرح البخاری للامام النووی ص۸۶)

لیکن ضروری اور واجب نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ بھیجا، وہاں پہنچ کر دونوں حضرات نے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو آپ کا نام مبارک پہلے لکھا اور اپنا بعد میں۔ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنا نام پہلے لکھا، جس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر جائز ہیں۔ (سیرۃ المصطفی ﷺ ص۳۸۶ ج۲)

فائدہ:...... ’’الی هرقل عظیم الروم‘‘ ہرقل کے بعد ’’عظیم الروم‘‘ کا لفظ بڑھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب کفار سے مکاتبت اور مراسلت کی جائے تو مناسب

القاب سے ان کوخطاب کیا جائے۔

حضرت نافع رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کوئی حاجت تھی تو انہوں نے ان کی طرف خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے کہا: ان کے نام کے ساتھ ابتدا کریں، لوگ برابر کہتے رہے، مگر انہوں نے: ’’بسم الله الرحمن الرحيم ، الى معاوية‘‘ لکھ دیا۔

حضرت انس بن سرین رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کہنے پر خط لکھا تو انہوں نے فرمایا: یوں لکھو! ’’بسم الله الرحمن الرحيم ، اما بعد ، الى فلان‘‘۔

حضرت انس بن سرین رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ: ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے خط لکھا ’’بسم الله الرحمن الرحيم ، لفلان‘‘ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو منع کیا اور فرمایا کہ: ’’بسم الله‘‘ لکھو! اس کے بعد لفظ فلاں لکھ کر اس کا نام لکھو، جس کے پاس بھیج رہے ہو۔

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ ’’بسم اللہ‘‘ کے ساتھ ہی ’’لفلان‘‘ نہ لگادو، کیونکہ ’’بسم اللہ‘‘ اس کے لئے نہیں ہے۔ ختم کرنے کے بعد لفظ ’ھو‘ کا اضافہ کرو، پھر ’’لفلان‘‘ لکھو۔

خط کے اخیر میں سلام لکھنا، کاتب کا نام لکھنا، اور تاریخ ڈالنا

آپ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی رحمہ اللہ کی طرف جو والا نامہ تحریر فرمایا‘ اس کے آخر میں ہے: والسلام على من اتبع الهدى۔

(رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات شریفہ ص۱۲۔ از: حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ)

اسی طرح رومیہ کے مشہور عیسائی عالم ’’ضغاطر‘‘ کے نام گرامی نامہ کے آخر میں بھی ہے:

والسلام علی من اتبع الھدی۔(حوالہ بالاص۳۰)

ابن ابی الزناد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ: انہوں نے یہ خط خارجہ بن زید اور آل زید کے بزرگوں سے حاصل کیا' جو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط اللہ کے بندے حضرت معاویہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے لئے ہے' جو زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے ہے۔اے امیر المؤمنین! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔میں اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، امابعد۔

تم نے مجھ سے دادا' اور بھائیوں کی میراث کے بارے میں پوچھا ہے (پھر پورے خط کا ذکر کیا) اور ہم اللہ سے ہدایت کا' اور حفاظت کا' اور اپنے دینی معاملات میں استقامت کا سوال کرتے ہیں۔اور ہم اللہ تعالی سے پناہ مانگتے ہیں گمراہی سے' جہالت سے' اور ایسی ذمہ داری سے جس کا ہم کو علم نہ ہو۔اور سلام ہو آپ پر اے امیر المؤمنین! اور اس کی رحمت اور اس کی برکت اور اس کی مغفرت۔

یہ خط وہیب رحمہ اللہ نے جمعرات کے دن جب کہ رمضان:۴۲ھ کے بارہ دن باقی تھے (یعنی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ خط وہیب رحمہ اللہ کے ہاتھ سے لکھوا کر ارسال کیا تھا)۔

خط مختصر' جامع' بلیغ اور مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے! تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دیئے اور بلاغت کا اعلی معیار بھی قائم ہے۔کافر کے مقابلہ میں

اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے، اس کے ساتھ حق تعالی کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی، اور ترفع وتکبر کی مذمت بھی۔ درحقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: خط نویسی میں تمام انبیاء علیہ السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو، مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔

(روح المعانی۔معارف القرآن ص ۵٦۷ ج ٦)

کیا خط کا جواب دینا واجب ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: میں خط کا جواب دینا اتنا ہی واجب سمجھتا ہوں جتنا سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ (الادب المفرد ص ۲٦۹)

تشریح:......اگر کسی نے مسئلہ پوچھا ہو' دینی بات معلوم کی ہو تو جواب دینا واجب ہے' اور دنیاوی امور کے بارے میں کسی نے کچھ لکھا ہو تو حسب مصلحت جواب دیدیں' یہ مستحب ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اس کے لئے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے، کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے، اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے۔ (قرطبی، معارف القرآن ص ۵٦٦ ج ٦)

علامہ مناوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: خط کے جواب دینے کی تاکید آئی ہے، اس لئے کہ اگر خط کا جواب نہ دیا جائے تو (بعض اوقات) وسوسے پیدا ہوجاتے ہیں، اسی لئے

کہا گیا۔

اذا کتب الخلیل الی خلیل فحق واجب رد الجواب

اذا الاخوان فاتھم التلاقی فما صلة باحسن من کتاب

جب دوست کسی دوست کو خط لکھے تو، اس کا جواب دینا واجب ہے۔

جب بھائیوں میں ملاقات کا سلسلہ فوت ہو جائے، تو خط وکتابت سے زیادہ بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے؟۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ص ۱۴۱ ج ۴، تحت رقم الحدیث: ۴۴۴۸)

خط کے سلام کا جواب دینا

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ کیا خط کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے؟ ''احسن الفتاوی'' میں ہے:

سوال:...... خط کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کیا فی الفور واجب ہے یا عند جواب الکتاب؟ اگر خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب:...... زبانی یا بذریعہ خط جواب دینا واجب ہے۔ بہتر ہے کہ فورا زبان سے جواب دے دیا جائے، کیونکہ ممکن ہے خط کے جواب کا موقع نہ ملے تو جواب فوت ہونے کا گناہ ہوگا۔ خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو فوراً زبان سے جواب دینا واجب ہے۔ قال العلامة الحصكفى رحمه الله : ويجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله : (قوله ويجب رد جواب كتاب التحية) لان الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبى والناس عنه غافلون ،

اقول : المتبادر من هذا ان المراد رد سلام الکتاب لا رد الکتاب ، الخ۔

(احسن الفتاوی ص۱۳۷ ج۸)

"جامع الصغیر" میں ہے: رد جواب الکتاب حقّ کردِّ السلام۔

یعنی خط کا جواب دینا سلام کے جواب کی طرح واجب ہے۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"أی اذا کتب لک رجل بالسلام فی کتاب و وصل الیک وعلمتہ بقراء تک أو بقراء ۃ غیرک وجب علیک الرد باللفظ او المراسلة"۔

یعنی جب کوئی آپ کو خط میں سلام لکھے اور وہ آپ کو پہنچ جائے اور آپ پڑھ کر یا سن کر اس پر مطلع ہو جائے تو آپ پر لفظا یا مراسلہ کے ذریعہ جواب دینا واجب ہے۔

اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب کوئی کسی کا سلام پہنچائے یا خط میں پہنچے تو فوراً اس کا جواب دینا واجب ہے۔"ولو اتاہ شخص بسلام مع شخص أو فی ورقة وجب الرد فورا"۔(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ص۱۴۱ ج۴، تحت رقم الحدیث:۴۴۴۸)

بڑی جماعت کے نام خط لکھنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یمن والوں کے نام خط لکھا:

بسم الله الرحمن الرحیم

خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یمن کے ان تمام مؤمنوں اور مسلمانوں کے نام خط ہے، جن کے سامنے میرا یہ خط پڑھا جائے۔ سلام علیکم

میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اما بعد۔(حیاۃ الصحابہ اردو ص۶۶۵ ج۱)

امرد سے خط وکتابت

سوال:......امرد سے خط وکتابت کرنا کیسا ہے؟

جواب:......ضرورت ہوتو درست ہے۔(فتاوی محمودیہ ص ۴۳۸ ج۱۹)

عورتوں کے نام خط لکھنا اوران کا جواب دینا

عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتی تھی، ان کے پاس مصر سے لوگ آئے تھے(جوسوالات کرتے تھے)اور بوڑھے لوگ بھی میرے پاس آتے تھے، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ میں ان کی خادمہ ہوں۔اور جو طالب علم نوجوان تھے' وہ میرے ساتھ بہنوں جیسا برتاؤ کرتے تھے اور(میرے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں)ہدایا پیش کرتے تھے۔ بہت سے مختلف شہروں سے مجھے خط لکھتے تھے(تا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کرکے جواب لکھدوں) میں عرض کرتی تھی: اے خالہ! فلاں کا خط ہے اوراس کا ہدیہ ہے، تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ: اے بیٹا! اس کو جواب دیدو، اوراس کے ہدیہ کا بدلہ بھی دیدو، اگرتمہارے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہے تو (مجھے بتادینا) میں دے دوں گی، چنانچہ وہ دے دیا کرتی تھیں (اور میں خط کے ساتھ بھیج دیتی تھی)۔

تشریح:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی مہارت کا پتہ چلا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگ جیسے ان سے زبانی مسائل معلوم کرتے تھے' خط لکھ کر بھی پوچھا کرتے تھے۔اور عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا ان کی کارندہ تھیں' جو ان کے فرمان کے مطابق جواب دیتی تھیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مالوں میں سے کچھ ان کے پاس بچا ہوتا تھا، ان میں سے ہدیہ بھیجنے والوں کو بدلہ بھی بھیج دیتی تھیں، اگران کے پاس نہ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے عرض کردیتی تھیں، جس پر وہ انتظام فرمادیتی تھیں۔

بیوی کو خط میں سلام لکھنا

سوال:...... بیوی کو خط میں سلام لکھنا جائز ہے؟ (سوال کے الفاظ میں تبدیلی کی ہے)

جواب:...... بیوی کو سلام کرنا اور خط میں لکھنا بالکل درست ہے، کوئی شبہ نہ کریں۔

(فتاوی محمودیہ ص۳۰۶ ج۱۲)

خط میں ''قبلہ'' و''کعبہ'' وغیرہ القاب لکھنا

سوال:......خط میں القاب ''قبلہ'' و''کعبہ'' لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:...... ''قبلہ'' و''کعبہ'' کسی کو لکھنا درست نہیں ہے۔

(تالیفات رشیدیہ، فتاوی رشیدیہ ص۴۶۴)

خط میں ''قبلہ'' و''کعبہ'' لکھنے پر اشکال اور اس کا جواب

سوال:...... ''بہشتی زیور'' میں القاب بزرگاں میں ''قبلہ کعبہ'' لکھا گیا ہے، اور ''تذکرۃ الرشید'' میں مکروہ تحریمی لکھا ہے، **بدلیل قوله عليه السلام :" لا تطرد " في الحديث** ۔ اس کی تاویل کیا ہے؟

جواب:...... بلا تاویل مکروہ تحریمی ہے، اور بتاویل معنی مجازی کے جائز ہے، گو خلاف اولی ہے۔

دوسرے سوال میں ہے:...... ظاہرا ہر دو عبارت میں تخالف وتضاد جو معلوم ہوتا ہے، اس کے رفع کی کیا توجیہ ہے؟

جواب:......اگر مجاز کا ارادہ کیا جاوے تو تخالف نہیں ہے، لیکن ظاہری تخالف جس شخص کے

خیال میں ہواس کواس حالت میں ’’فتاوی رشیدیہ‘‘ پرعمل احوط ہے۔

(امدادالفتاوی ص۴ ۲۷وس۵ ۲۷ ج ۴ ،احکام سلام وتعظیم اکابر)

خط پر مہر لگانا

عن انس بن مالک رضی الله عنه قال : لما اراد نبی الله صلى الله عليه وسلم ان يكتب الى العجم قيل له : ان العجم لا يقبلون الا كتابا عليه خاتِم فاصطنع خاتما، فكأنِّي انظر الى بياضه فى كفه۔

(ترمذی،باب ما جاء فی ختم الكتاب ، ابواب الاستيذان والآداب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب رسول اللہ ﷺ نے عجمیوں کوخطوط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ بغیر مہر کے کوئی چیز قبول نہیں کرتے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی، گویا کہ میں آپ ﷺ کی ہتھیلی میں اس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں جس میں آپ ﷺ کی مہر تھی۔

دنیا کے بادشاہوں اوراکناف اوراطراف کے سلطانوں کواسی سال (صلح حدیبیہ والے سال) آنحضرت ﷺ نے وفوذ فرامین ارسال فرمائے۔اوربعض ارباب سیر کا خیال ہے کہ یہ ماہ محرم: ۷ھ میں بھیجے گئے تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ سال ششم کا آخری تھا اورسال ہفتم کا آغاز تھا،یا سال ششم میں ارادہ فرمایا ہواورسال ہفتم میں ارسال کئے گئے ہوں۔یا بعض تو سال ششم میں ارسال ہوئے ہوں گےاوربعض سال ہفتم میں،اس میں اشتباہ ہے،واللہ اعلم۔

اور جب آنحضرت ﷺ نے خواہش فرمائی کہ ان بادشاہوں کوفرمان جاری فرمایا جائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ: مکتوب پراگر مہر ثبت نہ ہوتو وہ اعتبار نہیں کرتے اوراس کو

نہیں پڑھتے، پس آنحضرت ﷺ کے لئے انگشتری بنائی گئی، انگوٹھی طملائی تھی۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی اہل توفیق نے اپنی اپنی انگوٹھی بنوائی، پس جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے، عرض کیا کہ مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہے۔ پس آپ نے اپنے دست مبارک سے انگوٹھی کو علیحدہ کردیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی نکال دیں، اور آپ نے فرمایا کہ: چاندی کی انگوٹھی بنائیں، اس کا حلقہ اور نگینہ بھی چاندی کا ہو۔

نگینہ پر ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا (ﷺ) اللہ ایک سطر میں اور رسول ایک سطر میں اور محمد ایک سطر میں (ﷺ)۔ (مدارج النبوۃ ص ۳۰۶ ج ۲)

اپنی ضرورت کے لئے خط لکھے تو جوابی لفافہ یا ٹکٹ بھیجنا چاہئے

خط وکتابت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر اپنی ضرورت کے لئے کسی کو خط لکھا جائے تو جوابی لفافہ یا ٹکٹ بھیجنے کا اہتمام کرنا چاہئے' خصوصاً اکابرین کی خدمت میں۔ ہاں بے تکلف دوست ہو یا اپنے چھوٹے ہو تو مضائقہ نہیں۔ ہمارے اکابر کے معمولات میں بھی ایسی چیزیں ملتی ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے حالات میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

''یہ بھی معمول تھا کہ کسی کو اپنی ضرورت کے لئے گرامی نامہ تحریر فرماتے تو جوابی لفافہ بھیجنے کا اہتمام فرماتے، چنانچہ: ۹۰ھ کا واقعہ ہے، حضرت نے 'الابواب التراجم'' کی تالیف شروع فرمائی تھی، اس سلسلہ میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ابواب وتراجم کی تلاش تھی۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ کو بھی اس سلسلہ میں ایک خط لکھوایا، اس خط کے ساتھ جواب کے لئے پاکستانی ٹکٹ بھی بھیجنے تھے جو مل نہیں رہے تھے، کئی روز تک اپنے سامان میں ٹکٹ تلاش کرواتے رہے، جب وہ ٹکٹ مل گئے تب وہ خط روانہ فرمایا۔ حضرت رحمہ اللہ

کا معمول تھا کہ اپنی غرض کے لئے کسی کو جواب کے لئے خط لکھا تو جوابی لفافہ یا ٹکٹ ضرور بھیجتے''۔(حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اوران کے خلفائے کرام ص۲۴۴ ج۱)

یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ جب کوئی جوابی لفافہ یا ٹکٹ بھیجے تو یہ امانت ہے اس صورت میں سائل کے خط کا جواب ضرور دینا چاہئے، اگر جواب نہ دیا گیا تو جوابی لفافہ وٹکٹ اس کو کسی طریقہ سے پہنچادیا جائے، ورنہ یہ حقوق العباد میں کوتاہی کے مترادف ہوگا۔

جوابی ٹکٹ بھیجنے کے سلسلہ کا ایک مفید ادب

اس سلسلہ میں ایک مفید بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اگر کوئی صاحب اپنے کام کے لئے جوابی لفافہ یا ٹکٹ بھیجے اور اسے احساس ہے مکتوب الیہ اپنی مصروفیات ومشاغل یا اور کسی وجہ سے جواب نہ دے سکیں تو خود ہی اس کی صراحت کردیں کہ اگر کسی وجہ سے آپ جواب نہ دے سکیں تو یہ جوابی لفافہ یا ٹکٹ آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا، ساتھ ہی جواب کے لئے ٹکٹ بھی ارسال فرمائے، اور خط کے آخر میں تحریر فرمادیا کہ:

''اگر جواب دینے میں زحمت ہو تو منسلکہ لفافہ اور ٹکٹ آنجناب کی خدمت میں ہدیہ ہیں، ان کی وجہ سے جواب کا بوجھ محسوس نہ رکھیں''۔(مکتوبات صاحب فتاوی رحیمیہ، غیر مطبوعہ)

خط لکھ کر اس پر مٹی چھڑکنے کی خاصیت

عن جابر رضی اللہ عنه : ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : اذا کتب احدکم کتابا فلیتربه فانه انجح للحاجة۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص (کسی کو) خط لکھے تو چاہئے کہ وہ خط (لکھنے کے بعد) اس پر مٹی ڈال دے، یا مٹی چھڑک کر جھاڑ دے، کیونکہ یہ چیز حاجت برابری کے لئے بہت کار آمد ہے۔ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ: یہ حدیث منکر ہے۔(ترمذی، باب ما جاء فی تتریب الکتاب ، ابواب الاستیذان والآداب۔مشکوۃ ص۳۹۹، کتاب الادآب ، باب السلام)

تشریح:.......کاغذ وغیرہ پر لکھنے کے بعد مٹی چھڑکنا بڑا قدیم طریقہ ہے۔اور عام طور پر اس کا مقصد روشنائی کو خشک کرنا سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ حاجت براری کے لئے ایک مخصوص تاثیر رکھتا ہے، اور یہ تاثیر بالخاصیت ہے کہ اس کا سبب شارع کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔

تاہم بعض عارفین نے پہلے معنی یعنی ''مٹی ڈال دے'' کی وضاحت میں لکھا ہے کہ: ایسا کرنا دراصل اپنے لکھے ہوئے پر ''خاک ڈالنے'' کے مفہوم کے مرادف ہے، بایں طور کہ اس فعل سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ اپنے مقصد وحاجت کے لئے نہ تو اپنے اس مکتوب پر اعتبار ہے اور نہ مکتوب الیہ کو حقیقی حاجت روا کا درجہ دینا مقصود ہے، بلکہ حقیقی اعتماد اللہ تعالی کی ذات پر ہے کہ وہی مقصد کو پورا کرنے اور حاجت بر لانے والا ہے، لہذا یہ مکتوب محض اظہار حال کا ایک ظاہری ذریعہ ہے، حقیقی درخواست تو صرف اللہ تعالی سے ہے۔

''یا مٹی چھڑک کر جھاڑ دے'' یہ'' فلیتربه '' کا دوسرا ترجمہ ہے۔اور یہ ترجمہ اس اعتبار سے ہے کہ ''مٹی ڈالنے'' کی صورت میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مٹی کسی دوسرے کی ملکیت سے متعلق ہو اور اس طرح مالک کی اجازت کے بغیر اس چیز کو صرف کرنا لازم آئے، جب کہ مٹی چھڑک کر جھاڑ دینے میں اس طرح کی کوئی بات لازم نہیں آتی، چنانچہ اس دوسرے

ترجمہ کی تائید اس قصے سے بھی ہوتی ہے جس کو امام غزالی رحمہ اللہ نے ''منہاج العابدین'' میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے جو کسی کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر تھا' ایک پرچہ لکھا' پھر جب اس نے یہ چاہا کہ مکان کی دیوار سے تھوڑی سی مٹی لے کر پرچہ پر ڈالے تو اس کو خیال ہوا کہ یہ مکان کرایہ کا ہے اور اس کی دیوار سے مٹی لے کر صرف کرنا غیر مناسب ہے، لیکن معاً دل میں دوسرا خیال یہ بھی آیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ اس نے مٹی ڈال دی، اس نے بعد اس نے یہ غیبی ندا سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ:

''اس مٹی کو حلال جاننے والا جلد ہی اس چیز کو جان لے گا جو کل کے دن (روز محشر) طویل حساب کے سبب اس کو پیش آنے والے ہے''۔

یہ حدیث راویوں کے اعتبار سے منکر ہے، اس کے مضمون میں کوئی کلام نہیں ہے، چنانچہ ''طبرانی'' نے اوسط میں بطریق مرفوع حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''اذا کتب احدکم الی انسان فلیبدأ بنفسه واذا کتب فلیترب کتابه فهو انجح''

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص کسی آدمی کو خط لکھے تو چاہئے کہ اپنی طرف سے شروع کرے اور جب اس خط کو لکھ لے تو اس پر مٹی چھڑک دے، کیونکہ یہ چیز حاجت براری کے لئے بہت کارآمد ہے۔ (مظاہر حق ص ۳۶۰ ج ۴)

کسی شاعر ان اشعار میں اس حدیث کی ترجمانی کی ہے ؎

کتبتُ الکتابَ و ترَّبْتُهُ　　لعلِّی بِتَترِیْبِهِ انجحُ

لقولِ النبیِّ لاصحابه　　الا ترِّبُوا کُتبَکُم تَنجحُوا

(فیض القدیر ص ۵۵۳ ج ۱، تحت رقم الحدیث: ۸۳۱)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا ایک فتوی

سوال:......مولانا مفتی قدرت اللہ صاحب کی ایک تصوف کی کتاب میں لکھا ہے کہ: خط لکھنے کے بعد مٹی سے خشک کرنے میں ایک راز ہے، لیکن راز کا انکشاف نہیں فرمایا، براہ کرم اس راز سے مطلع فرمائیں۔

جواب: ......بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ: اس سے خط میں لکھی ہوئی حاجت پوری ہوتی ہے۔اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اگر روشنائی خشک نہ کی جائے تو ہاتھ وغیرہ لگ کر اس کے پھیل جانے اور تحریر کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے، پھر ایسی حالت میں مکتوب الیہ اس کو پڑھ نہیں سکے گا، کاتب کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہذا روشنائی خشک کردی جائے تاکہ حروف اصلی صورت پر باقی رہیں اور مکتوب الیہ بسہولت صحیح پڑھ لے۔(فتاوی محمودیہ ص۵۱۳ ج ۱۷)

خط میں بسم اللہ لکھنا

سوال:......خط کے اوپر''بسم الله الرحمن الرحیم'' لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:...... برکت کے لئے جائز ہے، اگر کسی جگہ یہ احتمال ہو کہ پورا پورا ادب نہیں ہو سکے گا تو پھر احتیاط کرے۔(فتاوی محمودیہ ص ۵۳۶ ج ۳۔مطبوعہ جامعہ فاروقیہ)

قال المحشی : عن ابی مالک رضی الله عنه قال : کان النبی صلی الله علیه وسلم یکتب : باسمک اللهم فلما نزلت ﴿ انه من سلیمان وانه بسم الله الرحمن الرحیم﴾ کتبها۔(مراسیل ابی داؤد ص ۶ ،سعید)

قال العلامه الآلوسی رحمه الله : وکتابة البسملة فی اوائل الکتب مما جرت به سنة نبینا صلی الله علیه وسلم بعد نزول هذه الآیة بلا خلاف.... کان اهل الجاهلیة یکتبون : باسمک اللهم ، فکتب النبی صلی الله علیه وسلم اول ما کتب :

باسمک اللھم حتی نزلت ﴿بسم الله مجرٖها ومرسها﴾ فکتب : بسم الله ، ثم نزلت ﴿ ادعوا الله أو ادعوا الرحمن﴾ فکتب : بسم الله الرحمن الرحیم﴾ الخ۔

(روح المعانی ۱۹/۱۹۵۔ ط دار احیاء التراث بیروت)

وعن عمر بن عبد العزیز رحمه الله : ان النبی صلی الله علیه وسلم مرّ علی کتاب فی الارض ، فقال لفتی معه : ماھذا ؟ قال : بسم الله : قال : لعنة الله من فعل ھذا ، لاتضعوا اسم الله فی موضعه ، قال : فرأیت عمر بن عبد العزیز رحمه الله رأی ابنا له کتب ذکر الله فی الحائط فضربه۔ (مراسیل ابی اداؤد ص ۲۰، سعید)

خط میں نبی کریم ﷺ کا نام مبارک ہو اس کا ادب

سوال:......آپ نے میرے ۹۱/۳/۲۴ء کے چند سوالات کے جوابات اس طرح دیئے تھے کہ: ایسے اخبارات ورسائل وخطوط جن پر اردو یا کسی زبان میں اللہ اور اس کے حبیب محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نام لکھے ہوں، ان کے زمین پر گرنے یا ردی والے کو دینے سے بے حرمتی ہوتی ہے، اور قرآنی آیات کے اردو ترجمہ کی بھی حرمت مثل آیات کرنی چاہئے، اور ایسی چیزوں کو پانی میں وزن دار چیز کے ساتھ چھوڑنا چاہئے، لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈھیر سے اخبارات بار بار جمع ہوتے ہیں، اور کسی کو پھر تبلیغ کا خط بھی نہیں لکھ سکتے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ خود نبی ﷺ نے غیر مسلموں کو بھی خطوط جو بھیجے ہیں، ان میں اللہ اور رسول ﷺ کا نام لکھا تھا، غیر مسلم حرمت کیسے کی ہوگی؟ ہاں البتہ کلام الٰہی اور اس کی آیات کی بات علیحدہ ہے۔

جواب:......اس میں شک نہیں کہ پریس اور مشین کے رواجِ عام سے آج کل اسمائے الٰہیہ وآیات قرآنیہ وغیرہ کا احترام باقی نہیں رہا، اخبارات ورسائل میں آیات واحادیث ہوتی

ہیں' اور وہ ردی اور نالی میں ،غرض بے ادبی کی جگہ پڑے ملتے ہیں۔حضرت نبی اکرم ﷺ نے جو تبلیغی خطوط کفار ومشرکین کے پاس ارسال فرمائے ان میں اللہ پاک کا نام نبی ﷺ کا نام بھی اور کبھی آیات قرآنی کا ہونا ثابت ہے۔اور جن کو خطوط بھیجے ہیں بعض نے اتنا ادب کیا کہ سر پر رکھ کر اور بعض نے بے ادبی کر کے چاک کر دیا،اس کی حکومت بھی چاک ہوگئی۔ترجمہ کا حال اصل عربی آیت کے برابر نہ ہوتو اس کے قریب ہوگا۔تبلیغی خطوط جو بذریعۂ ڈاک بھیجے جائیں ان میں بھی احتیاط کی جائے۔

(فتاوی محمودیہ ص ۵۳۸ ج ۳۔مطبوعہ: جامعہ فاروقیہ)

جن خطوط پر قرآنی آیات کے مطالب لکھے ہوں ان کو کیا کیا جائے؟

سوال:......خطوط جن پر احادیث نبوی یا قرآنی آیت کے مطالب لکھے ہوں ان کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب:......ان کو دفن کر دیا جائے یا پانی میں بہا دیں' جلانے کی بھی گنجائش ہے۔

فی الدر المختار : الکتب التی لا ینتفع بھا یحمی عنھا اسم اللہ و ملائکتہ ورسلہ ، ویحرق الباقی ، ولا بأس بان یلقی فی ماء جار کما ھی ، أو تدفن وھو احسن ، اھ۔

(الدر المختار ، کتاب الحظر والاباحۃ ، فصل فی البیع،۴۲۲/۶ ،سعید(حوالہ بالا ص ۵۳۹ ج ۳)

مسجد میں بیٹھ کر خط لکھنا

سوال:......مسجد میں دین کی معلومات حاصل کرنے کے لئے خط لکھنے میں کیا حکم ہے؟

جواب:......مسجد میں دینی کتابیں پڑھنا' دینی معلومات کے لئے خط لکھنا درست ہے۔

(فتاوی محمودیہ ص ۲۰۳ ج ۱۵۔مطبوعہ جامعہ فاروقیہ کراچی)

خط میں بسم اللہ کی جگہ:۷۸۶ر لکھنے کے متعلق اکابر کے چند فتاوی

سوال:......لوگ ''بسم اللہ'' الخ کی جگہ:۷۸۶ر لکھتے ہیں، اسی طرح دیگر آیات قرآنیہ کی جگہ اعداد استعمال کرتے ہیں۔ آیا یہ شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟ سلف صالحین میں اس کی نظیر ملتی ہے یا نہیں؟

جواب:......آیات قرآنی کی جگہ اس کی اعداد کا تلاوت کرنے اور پڑھنے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ، البتہ اس کے موقع اہانت میں استعمال سے بچانے اور اس کے اظہار عظمت کی نیت سے یہ اعداد ان آیات پر علامت بن جائیں اور انتقال ذہنی اس طرف ہو جائے تو گنجائش ہوگی۔ (فتاوی نظامیہ اندوریہ ص۴۷۳ ج۱)

سوال:......عام طور پر لوگ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی جگہ:۷۸۶ر لکھتے ہیں، یہ لکھنا کیسا ہے؟ بدعت میں شمار ہوگا یا نہیں؟ نیز اس کی ابتدا کی تاریخ معلوم ہو تو ضرور تحریر فرماویں گے، کرم ہوگا۔

جواب:......''۷۸۶'' کا عدد آیت کریمہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) پر دال ہے۔ اور آیت کریمہ کا واجب الاحترام والتعظیم ہونا اور اس کو موقع اہانت و ذلت سے بچانا شرعا واجب ہوتا ہے۔ اور خط وغیرہ عام تحریرات عموما ہر جگہ پڑی رہتی ہیں، پس اگر آیت کریمہ لکھی جائے تو اس کا مواقع ذلت واہانت بلکہ مواقع نجاست تک میں پڑ جانا ظاہر ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اس آیت کریمہ کو موقع ذلت واہانت میں پڑنے سے بچانے کی نیت سے بجائے آیت کریمہ کے:۷۸۶ر لکھدے تو ''الامور بمقاصدھا'' (ضابطہ شرعیہ مسلم) کے مطابق بلاشبہ جائز رہے گا۔

اور جس طرح موجودہ مدراس دینیہ کی اصل صفہ' صحابہ موجود ہونے کی وجہ سے ان کو

بدعت نہیں کہہ سکتے، اسی طرح جب ''ابجد'ہوز'' کے قاعدے سے حروف کی تعداد نکالنے کی اصل زمانہ خیر القرون میں مل گئی تو اس کو بھی بدعت کہنا جائز نہ رہے گا' جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے: كما قاله ابو العالية : متمسكا بما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم لما اتاه اليهودى تلى عليهم البقرة ، فحسبوه وقالوا : كيف ندخل فى دين مدته احدى و سبعون سنة ؟ فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا : فهل غيره ؟ فقال : المص ' والر ' والمر ' فقالوا خلطت علينا فلا ندرى بايها نأخذ ؟ فان تلاوته اياها بهذا الترتيب ، عليهم تقريرهم على استنباطهم دليل على ذلك۔

(بیضاوی مجتبائی ص۱۴)

اور جب اس کا ثبوت جواز زمانہ نبوت سے مل گیا تو اب اس بحث میں پڑنا کہ اس کی ابتدا کب سے ہے؟ خرط قتاد سے زیادہ اہمیت نہیں رکھے گا۔ (فتاوی نظامیہ ص۳۹۶ ج۱)

۷۸۶/کا عدد تسمیہ کا قائم مقام نہیں

سوال:...... ''بسم الله الرحمن الرحيم '' کے بدلہ:۷۸۶/لکھنے پر''بسم اللہ'' کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب:...... ''بسم الله الرحمن الرحيم '' کا ثواب:۷۸۶/لکھنے سے نہیں ملے گا، یہی تو ''بسم الله'' کا عدد ہے جن سے اشارہ ہوسکتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ ص۳۵ ج۱۸)

بسم اللہ کی جگہ:۷۸۶/تحریر کرنا

سوال:......۷۸۶/عام خط وکتابت میں پہلے تحریر کیا جاتا ہے، جس کا مقصد ہم ''بسم الله الرحمن الرحيم '' جانتے ہیں۔ آیا خط کے اوپر:۷۸۶/لکھنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو ۷۸۶/کیا ہے اور کس طرح ''بسم الله ''مکمل بنتا ہے؟ اور ہاں کئی آدمیوں کی رائے ہے

کہ: یہ ہندوؤں کے کسی آدمی نے بات نکالی ہے تاکہ مسلمانوں کو اس کے لکھنے کے ثواب سے محروم کیا جائے، یعنی مکمل وضاحت فرمائیں تاکہ کوئی ایسی غلطی یا بات نہ ہو کہ ہم گناہ کے مرتکب ہوں۔

جواب:......۷۸۶ ''بسم اللہ شریف'' کے عدد ہیں۔ بزرگوں سے اس کے لکھنے کا معمول چلا آتا ہے۔ غالباً اس کو رواج اس لئے ہوا کہ خط عام طور پر پھاڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں، جس سے ''بسم اللہ شریف'' کی بے ادبی ہوتی ہے، اس بے ادبی سے بچانے کے لئے غالباً بزرگوں نے ''بسم اللہ شریف'' کے اعداد لکھنے شروع کئے۔ اس کو ہندوؤں کی طرف منسوب کرنا تو غلط ہے، البتہ بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو تو ''بسم اللہ شریف'' ہی لکھنا بہتر ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۳۴۸ ج ۸)

فتاوی عثمانی کے ایک فتوی پر سوال

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے ''فتاوی عثمانی'' میں اس قسم کے ایک سوال کا جواب پڑھ کر راقم نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا' وہ اور اس کا جواب درج ذیل ہے:

حضرت نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ: ''خطوط کی ابتدا میں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھنا مسنون ہے، اور یہ خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بات کسی مستند کتاب میں نظر نہیں آئی کہ بسم اللہ کی جگہ: ۷۸۶/ کا عدد کب سے لکھا جانا شروع ہوا، لیکن اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بسم اللہ لکھا کاغذ کسی بے حرمتی کی جگہ استعمال ہوگا تو اس لئے بے ادبی ہوگی، لہذا اگر کوئی اس خیال سے زبان سے بسم اللہ پڑھ کر یہ عدد لکھ دے تو سنت تو ادا ہو جائے گی

لیکن افضل یہی معلوم ہوتا ہے کہ ’’بسم اللہ‘‘ صراحۃً لکھی جائے، اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بھی کفار کے پاس گیا اور آنحضرت ﷺ نے کافر بادشاہوں کو جو خطوط روانہ فرمائے ان میں بھی ’بسم اللہ‘ درج تھی۔ ظاہر ہے کہ کفار کے پاس بے حرمتی کا احتمال مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ تھا، مگر اس کی وجہ سے ’’بسم اللہ‘‘ کو ترک نہیں کیا گیا۔

اس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ:

’’جواب صحیح ہے مگر اس کی شرط یہ ہے کہ ظن غالب اس کا ہو کہ اس خط کی بے ادبی نہ کی جائے گی، جہاں یہ شرط نہ ہو جیسے عموماً خطوط میں یہی حال ہے وہاں ’’بسم اللہ‘‘ لکھنے سے پرہیز کرنا بہتر ہے، صرف زبان سے کہنے پر اکتفا کرے یا: ۷۸۶/ کو ایک علامت بسم اللہ کی ہونے کی حیثیت سے لکھدے۔ مکاتیب نبوی (ﷺ) اور مکتوب سلیمان (علیہ السلام) میں یہ شرط موجود تھی، کیونکہ عام دنیا میں سلاطین اور بڑوں کے خطوط احتیاط سے محفوظ رکھے جاتے ہیں، جن خطوط کے متعلق آج بھی یہ گمان ہو ان میں ’’بسم اللہ‘‘ لکھنا چاہئے‘‘۔

(فتاوی عثمانی ص۱۶۴)

آنجناب کے فتوی میں اور ’’انعام الباری‘‘ میں تھوڑا سا تضاد ہے، وہاں آپ نے فرمایا ہے کہ ’’البتہ اگر کوئی زبان سے ’’بسم اللہ‘‘ پڑھ کر: ۷۸۶/ ہندسوں میں لکھدے تو کم از کم ترک سنت کے وبال سے محفوظ رہے گا، لیکن سنت یہی ہے کہ خط کے اندر صراحت کے ساتھ پوری ’’ بسم الله الرحمن الرحيم ‘‘لکھی جائے‘‘۔ (ص۳۰۶ ج۲)

دوسرا یہ کہ یہ مسئلہ ’’انعام الباری‘‘ میں دو جگہ آیا ہے، پہلی جلد کے ص ۲۵۷/ پر اور دوسری جلد کے ص ۳۰۶/ پر، ان میں آپ کے بیان کا خلاصہ یہ کہ: ۷۸۶/ کے عدد لکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، یہ خیال کے ’’بسم اللہ‘‘ کی بے ادبی ہوگی اس لئے نہ لکھو یہ صحیح نہیں،

جبکہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے ’’بسم اللہ‘‘ لکھنے سے پرہیز کیا جانا چاہئے۔ دلائل آنجناب کے بھی وقیع ہیں اور حضرت کا استدلال بھی کہ سلاطین کے خطوط احتیاط سے رکھے جاتے تھے، اس لئے ہر خط میں بسم اللہ لکھنے میں احتیاط کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ پر دوبارہ تحقیق فرما کر وضاحت ہونی چاہئے کہ ’بسم اللہ‘ لکھی جائے یا عدد پر اکتفا کیا جائے۔

راقم کے سوال کا جواب

(۲)......’’فتاوی عثمانی‘‘ کے مذکورہ فتوی اور ’’انعام الباری‘‘ کی مذکورہ عبارت میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ’’انعام الباری‘‘ میں حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا ہے کہ:

’’البتہ اگر زبان سے بسم اللہ پڑھ کر: ۷۸٦ ر ہندسوں میں لکھ دے تو کم از کم ترک سنت کے وبال سے محفوظ رہے گا‘‘۔

چنانچہ ’’فتاوی عثمانی‘‘ میں بھی حضرت والا دامت برکاتہم نے یہی فرمایا کہ اگر کوئی اس خیال سے (بے ادبی کے خیال سے) زبان سے بسم اللہ پڑھ کر یہ عدد لکھ دے تو سنت ادا ہو جائے گی۔ اس طرح ’’انعام الباری‘‘ میں آگے تحریر فرمایا ہے کہ:

’’لیکن سنت یہی ہے کہ خط کے اندر صراحت کے ساتھ پوری بسم اللہ لکھی جائے‘‘

اور یہی بات ’’فتاوی عثمانی‘‘ میں یوں لکھی گئی ہے کہ:

’’افضل یہی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ صراحتاً لکھی جائے‘‘۔

ان دونوں عبارتوں میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی تائید ہے۔

اور ’’انعام الباری‘‘ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی فتاوی کی مذکورہ عبارت میں بھی کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ ’’انعام الباری‘‘ میں حضرت دامت برکاتہم کے

بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف اس خیال سے کہ بسم اللہ کی بے ادبی ہوگی، بسم اللہ ترک نہیں کرنی چاہئے، لیکن جہاں بے ادبی کا صرف خیال نہ ہو بلکہ ظن غالب ہو وہاں بسم اللہ ہونی چاہئے یا نہیں؟ اس کا حکم ''انعام الباری'' میں نہیں ہے۔ اس کا حکم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت میں ہے، چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ظن غالب اس کا ہو کہ اس خط کی بے ادبی نہ کی جائے گی، جہاں یہ شرط نہ وہ.....وہاں بسم اللہ لکھنے سے پرہیز کرنا بہتر ہے''۔

دونوں حضرات کی عبارتوں کو ملانے سے اصل مسئلہ کا حاصل یہ نکلا کہ:

''اگر بے ادبی کا صرف خیال ہو ظن غالب نہ ہو تو بسم اللہ لکھنی چاہئے، عدد لکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، جیسا کہ ''انعام الباری'' میں ہے، اور اگر بے ادبی کا خیال نہ ہو بلکہ ظن غالب ہو تو بسم اللہ لکھنے سے احتراز کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت میں ہے''۔

۷۸۶ کا نمبر ''بسم اللہ'' کا نہیں ''ہرے کرشنا'' کا ہے

نوٹ : ...... ماہنامہ ''صوت القرآن'' احمد آباد (شوال ۱۴۲۷ھ مطابق نومبر ۲۰۰۶) میں ۷۸۶ کے متعلق عجیب تحریر پڑھی، مناسب لگا کہ اسے بھی یہاں نقل کردوں، مرغوب۔

غفلت کا نتیجہ

کیا آپ نے کبھی غور و تامل سے کام لیا کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کا کتنا نمبر آتا ہے؟ کیا یہ ہمارے عقیدے کو خاک میں ملانے کی ناپاک کوشش تو نہیں کہ اعداد کے گرداب میں الجھا کر غیر کی پرستش کروائی جائے؟ العیاذ باللہ۔ چنانچہ جب ہم غور کرتے ہیں تو ۷۸۶ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کا عدد نہیں بلکہ ''ہرے کرشنا'' کا نمبر ۷۸۶ آتا

ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

ہ	ر	ی	ک	ر	ش	ن	ا	میزان
۵	۲۰۰	۱۰	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۵۰	۱	۷۸۶

مقام حیرت:......کیا قرآن کریم اعداد کی کتاب ہے؟ کیا دین اسلام اعداد اور نمبرات کا مذہب ہے کہ اس سے کام چل جائے گا؟ اگر حقیقت حال یہی ہے تو نماز میں مکمل سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بجائے: ۱۰۱۸۹ر کیوں نہیں کہہ لیا جاتا؟ ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ کے بجائے: ۶۳۲ر کیوں استعمال نہیں کیا جاتا؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ لوگ ''ابجد'' کا حساب لگاتے ہیں اور علم نجوم پر عمل کرتے ہیں، جو ایسا کرے اس کے لئے خیر کا کوئی حصہ نہیں۔

(مسند عبدالرزاق ۲۶/۱۱، سنن بیہقی ۱۳۹/۸)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے ''بسم الله الرحمن الرحيم'' کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ''تلك صدور الرسائل''۔ یعنی یہ خطوط کے آغاز کے لئے ہے۔ (یہ خطوط کے اوائل ہیں)۔ (صحیح الادب المفرد ص۴۳۳)

عہد تابعین میں آغاز مکتوب میں ''بسم الله الرحمن الرحيم'' لکھنے کا حکم دیا جاتا تھا، چنانچہ ابن سیرین رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو خط لکھا تو آپ نے حکم دیا: ''اكتب بسم الله الرحمن الرحيم، اما بعد الى فلان''۔ (صحیح الادب المفرد ص۴۳۳)

معلوم ہوا کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ وتابعین میں: ۷۸۶ر کا رواج ہی نہیں تھا۔

آداب خط وکتابت

ازافادات:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

منتخب از: ''ملفوظات'' و''بہشتی زیور'' و''آداب زندگی''

مرغوب احمد لاجپوری

خط وکتابت کے کچھ آداب ۔ ماخوذ از : آداب زندگی

(۱)......خط کی عبارت اور مضمون اور خط بہت صاف ہو۔

(۲)...... ہر خط میں اپنا پورا پتہ لکھنا ضروری ہے۔مکتوب الیہ کے ذمہ نہیں ہے کہ اس کو حفظ یاد رکھا کرے۔

(۳)......اگر کسی خط میں پہلے خط کے کسی مضمون کا حوالہ دینا ہو تو پہلا خط بھی اس مضمون پر نشان بنا کر ہمراہ بھیجے تا کہ سوچنے میں تعب نہ ہو،اور بعض اوقات یاد ہی نہیں آتا۔

(۴)......ایک خط میں اتنے سوالات نہ بھر دے کہ مجیب پر بار ہو۔چار،پانچ سوال بھی بہت ہیں۔بقیہ جواب آنے کے بعد پھر بھیج دے۔

(۵)......کثیر المشاغل مکتوب الیہ کو پیام وسلام پہنچانے سے معاف رکھے۔اسی طرح اپنے معظم کو بھی تکلیف نہ دے۔خود ان لوگوں کو جو لکھنا ہو وہ لکھ دے۔اور جو کام مکتوب الیہ کے لئے مناسب نہ ہو اس کی فرمائش لکھنا تو اور بھی بے تمیزی ہے۔

(۶)......اپنے مطلب کے لئے بیرنگ خط نہ بھیجے۔(بیرنگ : وہ خط جس کا محصول پہلے سے ادا نہ کیا گیا ہو۔بغیر ٹکٹ کا خط)

(۷)...... بیرنگ جواب بھی نہ منگائے۔بعض اوقات یہ شخص ڈاکیا کو نہیں ملتا اور وہ اس خط کو واپس کر دیتا ہے تو بلا ضرورت مجیب پر تاوان پڑتا ہے۔

(۸)......جوابی رجسٹری خط بھیجنا خلاف تہذیب ہے،حفاظت میں تو غیر جوابی رجسٹری کے برابر ہوتی ہے، پھر اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ مکتوب الیہ لے کر انکار نہیں کرسکتا۔سو ظاہر ہے کہ اپنے معظم کو بھیجنا گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس پر بھی جھوٹ بولنے کا شبہ کیا جاتا ہے۔سو کتنی بڑی بے ادبی ہے۔(آداب زندگی ص ۶۲ ۔ اصلاحی نصاب ص ۲۹۵)

خط لکھنے کے آداب، ماخوذ از: حاشیہ بہشتی زیور

مکاتبت:......ایک دوسرے کو خط لکھنے' لکھانے کو''مکاتبت'' کہتے ہیں۔خط کو''مکتوب'' و ''مرسَلَہ'' بھی کہتے ہیں۔اور اپنے خط کو عام طور پر''عریضہ'' کہتے ہیں۔دوسرے کے خط کو اس کے مرتبہ کے لحاظ سے''والا نامہ' گرامی نامہ' شفقت نامہ''اور''محبت نامہ'' وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

خط لکھنے والے کو''کاتب''اور''مرسِل'' کہتے ہیں۔جس کو خط لکھا جاتا ہے اس کو ''مکتوب الیہ''اور''مرسل الیہ'' بھی کہتے ہیں۔

القاب وآداب:......دعا دینے' دعا لینے یا عزت واحترام کا اظہار کرنے کے لئے مکتوب الیہ کے مرتبہ کے لحاظ سے جو کلمات خط کے شروع میں لکھے جاتے ہیں' ان کو''القاب'' و ''آداب'' کہتے ہیں۔جیسے:شفیق' محترم' محترمہ' پھوپھی جان' عزیز بھائی' برخوردار' وغیرہ۔

مطلب: خط کا اصل مضمون جس کی غرض سے خط لکھا جاتا ہے' اس کو''مطلب''اور''مدعا'' کہتے ہیں۔

خاتمہ:......خط کے آخر میں جو الفاظ یہ ظاہر کرنے کے لئے لکھے جاتے ہیں کہ خط ختم ہو گیا' ان کو''خاتمہ'' کہتے ہیں، جیسے الفاظ: والسلام' خیر طلب' دعا گو' نیازمند وغیرہ۔

نوٹ:......خط لکھنے میں جن القاب کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلا: چھوٹے کے لئے' بڑوں کے لئے' شوہر کے لئے' بیوی کے لئے' بھائی کے لئے' بہن کے لئے وغیرہ' ان کی تفصیل کے لئے دیکھئے!''بہشتی زیور'' تطویل کے خوف سے ان کو شامل نہ کیا گیا۔مرتب

سترہ آداب

(۱)......ہمیشہ''بسم اللہ'' سے خط شروع کیجئے۔پوری''بسم اللہ الرحمن الرحیم''

لکھئے یا اختصار کی غرض سے ”باسمہ تعالیٰ“ یا ”۷۸۶“ لکھئے۔(”۷۸۶“ کی تحقیق کے لئے دیکھئے !ص)

(۲)......خط میں اپنا پتہ ضرور لکھئے۔ یہ سوچ کر کے مکتوب الیہ کو آپ کا پتہ معلوم ہے، اس لئے پتہ لکھنے میں سستی نہ کیجئے۔

(۳)......دائیں جانب مناسب حاشیہ چھوڑ کر اپنا پتہ صاف اور خوش خط لکھئے۔ضرورت ہو تو انگریزی میں بھی اپنا پتہ لکھ دیا کیجئے۔

(۴)......اپنے پتے کے نیچے یا بائیں جانب تاریخ ضرور لکھئے۔

(۵)......تاریخ کے بعد مختصر القاب وآداب کے ذریعہ مخاطب کیجئے۔القاب کے ساتھ ہی یا القاب کے نیچے دوسری سطر میں ”السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته“ لکھئے۔آداب‘ تسلیمات وغیرہ الفاظ نہ لکھئے۔

(۶)......غیر مسلم کو خط لکھنا ہو تو ”السلام علیکم“یعنی سلام مسنون نہ لکھئے۔آداب‘ تسلیمات‘ جیسے دوسرے الفاظ لکھئے۔

(۷)......القاب کے بعد اصل مطلب لکھئے‘ جس کے لئے آپ خط لکھنا چاہتے ہیں۔ مطلب کے بعد مکتوب الیہ سے اپنا تعلق ظاہر کرنے والے الفاظ کے ساتھ اپنا نام لکھ کر خط کو ختم کیجئے، مثلاً: آپ کا خادم‘ دعا کا طالب‘ خیر اندیش‘ دعا گو وغیرہ۔

(۸)......خط نہایت صاف صاف اور خوش خط لکھئے کہ آسانی سے پڑھا جا سکے اور مکتوب الیہ کے دل میں وقعت ہو۔

(۹)......خط میں نہایت شستہ اور آسان زبان استعمال کیجئے۔

(۱۰)......خط مختصر لکھئے۔اور ہر بات کو کھول کر وضاحت کے ساتھ لکھئے۔محض اشاروں سے

کام نہ لیجئے۔

(۱۱)...... پورے خط میں القاب سے لے کر خاتمہ تک مکتوب الیہ کے مرتبے کا لحاظ رکھئے۔

(۱۲)...... نئے پیرے سے اپنا مدعا لکھئے۔اور نیا پیرا گراف شروع کرتے وقت ایک لفظ کی برابر جگہ چھوڑ دیجئے۔

(۱۳)......خط میں غیر سنجیدہ باتوں سے پرہیز کیجئے۔

(۱۴)......خط کبھی غصے کی حالت میں نہ لکھئے۔اور نہ اس میں کوئی سخت' سست بات لکھئے۔

(۱۵)......عام خط میں کوئی راز کی بات نہ لکھئے۔

(۱۶)...... جملے کے ختم پر ڈیش (۔) ضرور لگائیے۔

(۱۷)...... پتہ صاف اور خوش خط لکھئے اور پتہ کی صحت اور املاء کی طرف ضرور خیال رکھیں۔(حاشیہ بہشتی زیور از ص۲۱ تا ص۲۴۔مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

....

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے ملفوظات سے منتخب آداب

ڈاک بھی اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے

ملفوظ:......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: ڈاک بھی اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے۔دور بیٹھے اپنے مافی الضمیر کو کیسا ظاہر کرسکتا ہے،اور جواب کیسی آسانی سے مل سکتا ہے۔

خوش خطی کا قحط

ملفوظ:......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: آجکل خوش خطی تو فنا ہی ہوگئی۔اکثر بہت ہی بھدے خطوط آتے ہیں۔ہمارے حاجی صاحب رحمہ اللہ کا خط نسخ ونستعلیق دونوں قسم کا

نہایت پاکیزہ تھا۔ اللہ تعالی نے ہر قسم کا حسن دیا تھا۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا نہایت خوش نما خط تھا۔ ان حضرات کی تو ہر بات ہی دلکش تھی۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۱۳۶ ج ۷)

خط کے جواب میں ’’وعلیکم السلام‘‘ یا ’’السلام علیکم‘‘ لکھنا چاہئے۔

بچوں کے خط میں سلام کا جواب دینا چاہئے یا دعا؟

ملفوظ:......دریافت کیا گیا خطوط کے اندر جو سلام لکھا ہوا آتا ہے، مثلا لکھتے ہیں: ’’السلام علیکم‘‘ تو اس کے جواب میں ’’وعلیکم السلام‘‘ لکھنا چاہئے یا ’’السلام علیکم‘‘ ہی لکھ دینا کافی ہے؟ فرمایا کہ:

’’فقہاء نے دونوں کو (’’وعلیکم السلام‘‘ اور ’’السلام علیکم‘‘ کو) کافی لکھا ہے‘‘،

فرمایا کہ:......بعض بچوں کی طرف سے خطوط میں جو سلام لکھا ہوا آتا ہے تو عام عادت تو یہ ہے کہ اس سلام کے جواب میں صرف دعا لکھ دیتے ہیں، مگر میرے نزدیک اس سے جواب ادا نہیں ہوتا، اس لئے میں تو سلام اور دعا دونوں لکھتا ہوں، لیکن اگر وہ سلام بچہ نے نہیں لکھوایا ہو کسی بڑے نے اس کی طرف منسوب کردیا ہو تو اس کا جواب ہی واجب نہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۲۲۶ ج ۱۰)

ایک خط میں ایک مضمون ہونا چاہئے

ملفوظ:......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: ایک خط میں ایک مضمون ہونا چاہئے، باطن کے متعلق ہو چاہے ظاہر کے متعلق ہو، خواہ فقہ کے متعلق ہو، ہر حال میں ایک ہی مضمون ہو، کیونکہ اس میں بھی دو چیزیں صرف ہوتی ہیں: وقت اور دماغ۔ پھر دماغ کے صرف ہونے بھی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ ایک ہی قسم کا کام ہے طبعا اس میں گرانی نہیں ہوتی، اور

ایک یہ کہ مختلف قسم کے کام اس میں گرانی ہوتی ہے، ہاں مختلف قسم کا کام مختلف لوگوں کا ہوتو اس سے بھی گرانی نہیں ہوتی۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۲۲۸ ج ۲)

ایک خط میں مختلف انواع کے سوالات پر تنبیہ

ملفوظ:......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: ایک صاحب کا خط آیا ہے، ایک ہی خط میں مختلف انواع کے سوالات کا انبار لگا دیا ہے۔ ان لوگوں کو رحم بھی تو نہیں آتا۔ پس یہ بے اصولیاں ہیں جن پر میں تنبیہ کرتا ہوں، اس پر مجھ کو بدنام کیا جاتا ہے کہ سخت ہے۔

ایک صاحب نے بہت سے سوالات ایک خط میں لکھ کر بھیجے، یہاں سے یہ جواب دیا گیا کہ ایک خط میں ایک سوال سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس قدر فرصت نہیں۔ اس پر ان صاحب کا بہت خفگی کا خط آیا کہ کیا یہی اخلاق محمدی ہیں؟ اور اپنے اخلاق کو نہ دیکھا۔

عدالت میں اگر دو شخصوں کی درخواست ایک ہی کاغذ پر لکھ کر دی جاوے اور وہاں سے حکم ہو کہ الگ الگ درخواست دو، الگ الگ ٹکٹ لگاؤ تو وہاں کوئی کچھ نہیں کہتا، ملانوں ہی کو تختۂ مشق بنانے کو ہیں۔ بات یہ ہے قلوب میں دین کی وقعت نہیں اور طلب نہیں، وہاں وقعت بھی ہے اور طلب بھی ہے۔

لوگ اخلاق محمدی کے معنی ہی نہیں سمجھے، بس ایک یہ معنی سمجھ رکھے ہیں کہ ان کے سارے نخرے اٹھاؤ، خوشامدیں کرو، ان کے تابع ہو کر رہو، تب سمجھیں کہ اخلاق محمدی ہیں۔ سو حضور ﷺ نے تو ایسے اخلاق نہیں برتے۔ حضور ﷺ نرمی کی جگہ نرمی، سختی کی جگہ سختی برتتے تھے، اگر اتفاق سے کسی موقع پر رعایت میں مبالغہ ہو جاتا تو حق تعالیٰ کا امر ہوتا تھا کہ ﴿ واغلظ علیهم ﴾ آخر اس فرمانے کا کیا مطلب تھا؟

نیز حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آ کر آواز دی، حضور ﷺ نے پوچھا کون؟

جواب دیا: ’’انا‘‘ (میں ہوں) حضور ﷺ نے ناگواری کے لہجہ میں فرمایا: ’’انا انا‘‘ یعنی میں، میں کہہ رہے ہیں، اس سے کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ تم کون ہو؟ چنانچہ روایت میں ’’کانہ کرھھا ‘‘۔ دیکھئے! معمولی بات پر حضور ﷺ کو کیسی ناگواری ہوئی کہ راوی کو بھی احساس ہوا۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ناگواری کو ضبط فرما کرارشاد فرماتے کہ دیکھو بھائی یوں نہیں کہا کرتے، مگر اظہار ناگواری کی ضرورت اور اس میں مصلحت تھی، ایسا نہیں کیا گیا۔ اب تو اس واقعہ سے اخلاق محمدی کی حقیقت معلوم ہوگئی کہ ہر شئی اپنے محل میں ہو۔ اب اعتراض کرو، اور اعتراض بھی کون سی مشکل چیز ہے؟ اس سے تو کوئی بھی بچا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو، انبیاء علیہم السلام کو، صحابہ کرام کو، ائمہ، مجتہدین کو، کسی کو بھی نہیں چھوڑا۔ علماء تو بیچارے کس شمار اور کس گنتی میں ہیں، جو منہ میں آیا بک دیا، جو قلم میں آیا لکھ دیا، نہ خدا کا خوف نہ آخرت کی فکر اور خیال۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائیں اور فہم سلیم اور عقل کامل عطا فرمائیں تاکہ حقائق کو سمجھ سکیں،

(ملفوظات حکیم الامت ص۲۲۶ ج۸)

اوراد اور اصلاح اخلاق کا مضمون ایک ہی خط میں لکھنے پر تنبیہ

ایک صاحب نے اوراد اور اصلاح اخلاق دونوں کے متعلق ایک ہی خط میں سوالات کئے۔ حضرت والا نے جواب دیا کہ: ایک خط میں دو مضمون نہیں لکھنا چاہئے۔ اور اس کے مصالح بھی بیان کئے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص۲۶۶ ج۱۰)

بزرگوں کے خطوط میں اشعار لکھنا خلاف ادب ہے

فرمایا: بزرگوں کو جو خطوط لکھے جائیں، ان میں اشعار کا لکھنا میں خلاف ادب سمجھتا ہوں، ہاں بطور جوش نکل جائے تو دوسری بات ہے۔ قصداً ایسا کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ان کو اشعار سے متأثر کر کے کام نکالنا چاہتا ہے۔ نیز اپنی لیاقت کا اظہار ہے۔ طالب کا کوئی فعل

معلم کے ساتھ ایسا نہ ہونا چاہئے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۲۶۸ ج ۱)

خط میں کتنا اختصار کرے؟

ملفوظ:......خط کے مضمون میں اختصار کا ذکر تھا۔ فرمایا: زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے، جس کو اپنا بڑا سمجھے اس کے خطاب میں بہت تنگ عبارت نہ اختیار کرے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۲۶۶ ج ۱۰)

زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے

ملفوظ:......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے، گویا سائل کی کوئی وقعت ہی نہیں۔ تو جہاں وقعت کی رعایت مطلوب ہو وہاں زیادہ اختصار نہ کیا جاوے۔

(الافاضات ص ۴۱۳ ج ہفتم۔ آداب المعاشرت ص ۲۰۴)

پہلے طویل خطوط اب مختصر

ملفوظ:...... ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: پہلے میرے خطوط میں بڑے بڑے مضامین ہوتے تھے، اس زمانہ میں ایک صاحب کا خط آیا تھا، اس میں اسی (۸۰) سوالات تھے، میں نے سب کا جواب لکھا، مگر اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ رعایت کرنے سے لوگ حدود میں نہیں رہتے، اس لئے اب طرز بدل دیا۔ آج ہی ایک صاحب کا خط آیا ہے، اس میں سات سوالات ہیں، اور اس پر یہ لکھا ہے کہ امراض کا بیان تو اجمالی ہے۔ میں نے جواب میں لکھا ہے کہ امراض کا بیان تو اجمالی ہوسکتا ہے، مگر علاج کا بیان تو اجمالی نہیں ہوسکتا، اور تفصیلی کا وقت نہیں، لہذا ایک لفافہ میں ایک ہی مرض کا ظاہر کر کے علاج پوچھا جائے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۳۰۳ ج ۲)

جواب میں اختصار ضروری ہے

ملفوظ:……ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: جواب میں اگر اختصار نہ ہوتو یہ کام ڈاک کا روز کے روز کیسے ختم ہوسکتا ہے؟ میں زمانہ طالب علمی میں مدرسہ دیوبند میں فتاوی لکھا کرتا تھا۔ ایک سوال آیا بہت طویل تھا، میں نے اس پر بہت طویل جواب لکھا، حالانکہ مختصر جواب بھی کافی ہوسکتا تھا اور لکھ کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کے سامنے دستخط کے لئے پیش کیا۔ دیکھ کر دستخط فرما کر فرمایا کہ: معلوم ہوتا ہے کہ تم کو فرصت بہت ہے، ہم تو جب دیکھیں گے کہ سامنے کاغذات کا انبار ہوگا کہ اس وقت بھی ایسے طویل مضمون لکھتے ہو یا نہیں؟ اب حضرت کا فرمانا یاد آجاتا ہے۔(ملفوظات حکیم الامت ص ۶۱ ج ۳)

ضرورت کا لحاظ رکھا جائے

ملفوظ:……ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: یہ بھی فضول بات ہے کہ جو بات زبانی کہہ سکتے ہیں اس کے لئے پرچہ لکھا گیا۔ حدود کی رعایت نہیں، فکر اور غور سے کام لینے کی عادت نہیں' جو جی میں آیا کر لیتے ہیں' خواہ اس سے کسی کو اذیت پہنچے یا راحت، کچھ فکر اور پرواہ نہیں۔

(الافاضات ص ۱۸۳ ج ۶۔ آداب المعاشرت ص ۲۰۴)

مکتوب الیہ کی زبان ہی میں خط لکھنا چاہئے

ملفوظ:……ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: آجکل ملاؤں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا مرض عام ہوگیا ہے۔ ایک صاحب کا خط آیا تھا انگریزی میں، باوجود اس کے کہ وہ جانتے تھے کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ اس کا منشاء وہی تحقیر، ورنہ کیا اتنی رعایت بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ میں نے عربی میں جواب لکھا کہ ان کو بھی معلوم ہو کہ ہماری بھی رعایت نہیں کی گئی۔ پھر خط آیا

کہ گستاخی ہوئی کہ میں نے انگریزی میں عریضہ لکھ کر روانہ کیا۔ دماغ سیدھا ہوگیا۔

(الافاضات الیومیہ ص۴۴ حصہ پنجم۔آداب المعاشرت ص۲۰۰)

عربی میں خط لکھنے کی مصلحت کا مشتاق ہوں

ملفوظ:......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: ایک صاحب کا خط آیا ہے، عربی میں لکھا ہے، مگر میں نے اردو میں جواب دیا ہے۔ اور میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تم اردو جانتے ہو تو پھر عربی میں جو خط لکھا اس مصلحت کی مصلحت جاننے کا مشتاق ہوں، مگر مصلحت کچھ بھی نہیں، محض اظہار قابلیت مقصود ہے۔ یہ مرض بھی لوگوں میں عام ہوگیا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص۱۵۷ ج۸)

عربی میں درخواست بیعت پر مشتمل خط اور اس پر تنبیہ

ملفوظ:......ایک مولوی صاحب نے مجھ کو عربی میں درخواست بیعت کا خط لکھا ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ مفید کا مستفید سے افضل ہونا لازم ہے اور یہاں معاملہ برعکس ہے، کیونکہ میں ایسی عربی لکھنے پر قادر نہیں، اس لئے تعلق رکھنا ہی بیکار ہے۔ دیکھئے! خواہ مخواہ عربی لکھتے ہیں۔ مقصود لیاقت کا اظہار ہے، جو ناشی ہے حب جاہ سے۔ سمجھتے ہیں کہ اظہار قابلیت پر قدر ہوگی، یہاں یہ قدر ہوتی ہے کہ لتاڑ پڑتی ہے۔ وہ عالم ہی کیا ہوا جو اپنے کو عالم سمجھے۔

ایک اور صاحب نے عربی میں خط لکھا تھا۔ میں نے لکھا کہ عربی میں خط لکھنے کی کیا مصلحت تھی؟ لکھا کہ اہل جنت کی زبان ہے۔ میں نے لکھا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اگر یہاں پر آنا ہو تو کیا عربی میں گفتگو کروگے، اس لئے کہ یہ اہل جنت کی زبان ہے۔ پھر جواب نہیں آیا۔

تاویل کرتے ہوئے شرم بھی تو نہیں آئی۔ کیا لکھنے کے وقت یہی نیت تھی یا اظہار

قابلیت مقصود تھا؟ اپنے کو بڑا عقلمند سمجھتے ہیں، یہاں یہ چالاکیاں چلنا مشکل ہے۔
(ملفوظات حکیم الامت ص ۲۲۵ ج ۸)

عورت، پیر کو بھی بلا اذن شوہر خط نہیں لکھ سکتی

ملفوظ:......فرمایا کہ: ایک بی بی کا خط آیا ہے، پہلے بھی ان کا خط آیا تھا، بیعت ہونے کو لکھا تھا، مگر اس خط میں شوہر کی اجازت اور اس کے دستخط نہ تھے۔ میں نے لکھا تھا کہ تمہارے اس خط میں نہ تمہارے شوہر کی اجازت ہے اور نہ دستخط ہیں، اس لئے تمہارا یہ خط بھیجنا بیعت کے لئے بے اصول ہے۔ آج کے خط میں ان کے شوہر کے دستخط ہیں اور لکھا ہے کہ میں بھی آپ ہی سے بیعت ہوں، ان بی بی کو بھی بیعت فرمالیجئے گا۔

اس شرط میں یہ مصلحت ہوتی ہے کہ آئندہ جس کو جی چاہے خط لکھنا نہ شروع کردیں۔ اس سے ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ جب پیر ہی کو بلا شوہر کی اجازت کے خط نہیں لکھ سکتی تو اور کسی کو لکھنا تو کب جائز ہوسکتا ہے؟ اس میں دین کی حفاظت مقصود تھی۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۳۵۶ ج ۴)

عورت کے خط پر شوہر کے دستخط ضروری ہیں (عجیب تربیت)

ملفوظ:......فرمایا کہ: ایک بی بی کا پہلے خط آیا تھا، اس پر ان کے شوہر کے دستخط نہ تھے، اس لئے واپس کردیا گیا، پھر دستخط ہوکر آئے تو پتہ نامحرم سے لکھوایا۔ ان نامحرم کے خط کو میں پہنچانتا تھا اور ان کا رشتہ بھی ان بی بی سے مجھ کو معلوم تھا۔ میں نے تنبیہ کی تو پھر بیٹے کے ہاتھ پتہ لکھوایا۔

اس تنبیہ سے ان بی بی نے یہ بھی نصیحت حاصل کی کہ ان کا قصد اپنے بیٹے اور نامحرم کے ساتھ یہاں آنے کا تھا، لیکن اب یہ قصد بھی ملتوی کیا، بلکہ اپنے شوہر کے ساتھ آنے کا

قصد کر رہی ہیں۔

دوران تحریر میں ان بی بی نے یہ بھی لکھا تھا کہ زیارت کے جوش محبت میں ایسا قصد کیا تھا۔ حضرت والا نے اس لفظ پر بھی تنبیہ فرمائی کہ یہ بازاری لفظ ہے، بجائے محبت سے تمنا کا لفظ عورت کو ایسے موقع پر استعمال کرنا چاہئے' جو ایک متین لفظ ہے۔ ایسا لفظ مرد مرد کو کہے تو مضائقہ نہیں۔

جامع عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ کیسے کیسے دقائق پر نظر ہے، اور کس قدر لطیف اور مؤثر تربیت ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص۲۰۶ ج۴)

بلا شوہر کے دستخط کے عورت کا خط پڑھنا ایسا ہے' جیسے بلا شوہر کی موجودگی کے اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنا

ملفوظ:......کوئی بی بی تھیں ان کا ایک عریضہ حضرت والا کی خدمت میں آیا' اور اس پر ان کی بی بی کے شوہر کے دستخط نہ تھے۔ حضرت والا نے وہ عریضہ واپس فرما دیا کہ بلا شوہر کے دستخط کے عورت کا خط پڑھنا ایسا ہے کہ جیسے بلا شوہر کی موجودگی کے اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنا۔ (ملفوظات حکیم الامت ص۲۱۳ ج۱۰)

شوہر کے دستخط میں بڑی حکمتیں ہیں

ملفوظ:......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: میرا ایک یہ بھی معمول ہے کہ اصلاح کے ماتحت اگر کوئی عورت خط بھیجنا چاہے تو اپنے خاوند کے دستخط کرا کر بھیجے۔ اس میں بڑی حکمتیں اور بہت سے فتن کا سد باب ہے۔ یہ ہے وہ باتیں جن کی بدولت میں بدنام ہوں۔

بعض بیبیوں نے لکھا کہ خاوند پردیس میں ہے۔ میں نے لکھا کہ پردیس میں اس

مضمون کو لکھ کر اس کے دستخط کرا کر منگا لو، پھر میرے پاس بھیجو۔ بہر حال بدون خاوند کے دستخط کرائے ہوئے میرے پاس خط نہ بھیجا جائے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص۳۲ ج ۷)

ایک عزیزہ کو تعزیت کا خط

ملفوظ:...... ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: قرابت داروں میں ایک میت ہوگئی، گھر میں مشورہ دیا کہ تم بھی تعزیت کا خط لکھ دینا، میں نے وعدہ کر لیا، مگر جن کو خط لکھنا تھا وہ ایک بی بی ہیں۔ مجھ کو حجاب معلوم ہوا کہ ایک عورت کو خطاب کروں، گو دینی تعلق کی بنا پر ماں اور بہن ہیں اور عمر کے اعتبار سے بھی معمر ہیں۔ میں گھر گیا' انہوں نے کہا جب خط لکھو تو ہماری طرف سے بھی لکھ دینا، بس اس سے میرے ذہن میں ایک عنوان آ گیا کہ وہ خط گھر میں ہی کی طرف سے لکھ دیا، گو مضامین میرے ہی ہیں۔ اس طرح وہ دونوں کی طرف سے ہو گیا۔

(ملفوظات حکیم الامت ص۱۶ ج ۷)

پہلا خط ہمراہ منگوانے میں راحت

ملفوظ:...... ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: مسلمانوں نے اصول صحیحہ چھوڑ دیئے، دوسری قوموں نے اختیار کر لئے، وہ راحت اٹھا رہے ہیں۔ راحت کی چیز سے تو راحت ملتی ہے' جو بھی کوئی اختیار کرے، اس میں مسلم اور غیر مسلم کی قید تھوڑا ہی ہے۔

آج ہی جن صاحب نے ستایا ہے ان سے میں نے مؤاخذہ کیا تھا۔ انہوں نے ایک پرچہ لا کر میرے ہاتھ میں دیدیا، جس کا نہ سر نہ پیر۔ طبیب کے پاس جاتے ہیں' پہلا نسخہ ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ اصولی بات ہے، اس میں حکمت اور راحت ہے۔ یہاں یہ توفیق نہیں کہ میری پہلی تحریر بھی پیش کر دیا کریں۔ (ملفوظات حکیم الامت ص۲۲۵ ج ۸)

پہلا خط ساتھ بھیجنے میں دو مصلحتیں ہیں

ملفوظ:.......فرمایا: میرا یہ جو معمول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حالات کا خط بھیجے تو اگر اس نے کوئی خط اس سے پہلے بھی میرے پاس بھیجا ہے تو ان خطوں میں سے جو سب سے بعد کا خط ہے وہ بھی ساتھ منگا تا ہوں۔سو اس کے اندر دو مصلحتیں ہیں: ایک تو یہ کہ شاید کسی گذشتہ حالت کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو۔ دوسری مصلحت یہ کہ مجھ کو معلوم ہو جائے کہ اس شخص سے میرا تعلق کیسا ہے، اور یہ شخص اصلاح کے کس درجہ تک پہونچا ہوا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص۲۶۴ ج۱۰)

کسی کا خط نہ پڑھے

کسی کا خط جس کے تم مکتوب الیہ نہ ہو، مت دیکھو نہ حاضر میں، جیسے بعض آدمی لکھتے ہیں، وہ دیکھتے جاتے ہیں، اور نہ غائبانہ (غرض نہ سامنے دیکھو اور نہ اس کے بعد)۔

اسی طرح کسی کے سامنے کاغذات رکھے ہوں ان کو اٹھا کر مت دیکھو، شاید وہ شخص کسی کاغذ کو تم سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو، گو وہ چھپا ہوا کیوں نہ ہو، کیونکہ بعض دفعہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس کاغذ کا اس کے پاس ہونا تم کو معلوم ہو۔ (آداب المعاشرت ص۱۸۹)

کسی کا خط بلا اجازت دیکھنا چند علتوں کے ساتھ ممنوع ہے

سوال:.......کسی کا خط بلا اجازت دیکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:.......درست نہیں، مگر اس کا عدم جواز معلول بہ علت ہے، وہ علت کاتب خط کو نقصان پہنچانا ہے اور حدیث میں ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔

ترجمہ:.......مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہ اس کی ایذاء

ہے جو بعض خفیات امور کے افشاء سے ہوتی ہے، اور کسی کا خط دیکھنے سے یہ ضرور ہوتی ہے یا ارتکاب فعل لغو ہے، اگر خط دیکھنے سے نہ کاتب کو نقصان پہنچے نہ اس میں کوئی خفیہ بات کا احتمال ہو اور نہ کوئی اس کا نفع ہو، قال تعالی :﴿ والذين هم عن اللغو معرضون﴾۔

اور اگر کسی صورت میں دوسرے کا خط دیکھنا ان تینوں علتوں سے خالی ہو اور کاتب ہی کی کوئی مصلحت بھی ہو تو حکم عدم جواز بھی مرتفع ہو جائے گا اور مندوب ہو جاوے گا، جیسے ماں باپ کا اولاد کے خطوط کی نگرانی رکھنا' استاد اور اتالیق اور مربی کا طلباء کے خطوط کو دیکھنا' یا حاکم کا رعایا کے اقوال و افعال کی خبر رکھنا، تو یہ سب کہیں جائز ہے کہیں ضروری۔ حضور سرور عالم ﷺ نے حاطب بن بلتعہ کا خط لے جانے والے سے بالجبر چھنوالیا تھا۔

اور خط کے دیکھنے کو بلا کسی علت کے ممنوع کہا جاوے تو ہزاروں مفاسد کا فتح باب ہوتا ہے، جن کا خلاصہ آزادی و خودسری ہے، ماں باپ اولاد کو منع نہ کریں' استاد طلبہ کی باتوں میں دخل نہ دیں' حاکم رعایا کی نگرانی نہ کرے' تو تربیت و سیاست کچھ بھی نہ ہو سکے۔

(مجالس الحکمت ص ۱۸۳ تا ۱۸۵۔ (آداب المعاشرت ص ۱۹۴)

مدرسہ کے دوات سے خط نہ لکھنا

ایک مہتمم مدرسہ نے لکھا کہ میں مدرسہ کی قلم و دوات سے اپنا خط نہیں لکھتا، اس میں نفس کا کوئی کید تو نہیں؟ فرمایا کہ اس میں کید نفس نہیں بلکہ قید نفس ہے جس میں صید نفس ہے۔

(الکلام الحسن ص ۲۳۔ آداب المعاشرت ص ۱۹۶)

اپنی ضرورت کے لئے جوابی خط لکھنا چاہئے

ملفوظ :......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: میں اپنے شاگردوں کو بھی اگر خط لکھتا ہوں' اپنے کام کے لئے' تو جوابی خط لکھتا ہوں، یہ سمجھ کر کہ اس بیچارہ پر تو ایک یہی بار بہت ہے کہ

جواب لکھے گا، چہ جائیکہ ٹکٹ کا بار مکتوب الیہ پر ڈالا جائے۔ اپنے کام کے واسطے خط اور ٹکٹ کا بار مکتوب الیہ پر ڈالنا خلاف عقل بھی ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۶۶/۱۔ آداب المعاشرت/۱۹۸)

لفافہ میں خط رکھنے کا انداز

ملفوظ: ......ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ: میں تو یہاں تک خیال رکھتا ہوں کہ لفافہ میں جو خط رکھتا ہوں اس میں بھی اس کا خیال رہتا ہے کہ کہیں نشیب اور کہیں فراز نہ رہے، مناسبت کے ساتھ رکھتا ہوں۔ یوں جی چاہتا ہے کہ کسی کو ذرا بھی الجھن نہ ہو۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۲۸۵ ج ۵)

خط صحیح طریقہ سے بند کرنا

ملفوظ: ......ایک صاحب کا خط آیا، اس کو اس طرح سے بند کیا تھا کہ کھولتے ہوئے پھٹ گیا‘ اس پر حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ اس حالت میں یا تو تم کو بند کرنے کی تمیز نہیں یا مجھ کو کھولنے کی تمیز نہیں۔ اور بدتمیز نہ مرید ہونے کے لائق ہے اور نہ پیر بننے کے لائق، اس واسطے اس قصہ کو ختم کرو۔ اور تم نے بند نہیں کیا کسی اور سے بند کیا تو آئندہ بھی ایسے ہی بدتمیز آدمی سے بند کرایا کرو گے، تو یہ تکلیف کون برداشت کرے گا؟ جواب آیا کہ خط کے اوپر گوند دوسرے شخص نے لگایا تھا۔ حضرت والا کا جواب گیا کہ تم نے خود کیوں نہیں لگایا؟ کیا اپنے کو اتنا بڑا آدمی سمجھتے ہو کہ ایسے معمولی کام بھی دوسروں سے لیتے ہو تو متکبر آدمی بھی مرید ہونے کے لائق نہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۸۷ ج ۳)

بلا پتہ لکھا ہوا سادہ لفافہ بھیجنا

ملفوظ: ......ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ: بعض لوگ یہ عقلمندی کرتے ہیں کہ

جواب کے لئے سادہ لفافہ بلا پتہ لکھا ہوا بھیج دیتے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے اس کی وجہ پوچھی۔لکھا کہ آپ کا لکھا ہوا ہوگا تو برکت ہوگی۔ میں نے لکھا کہ سارا جواب بھی تو میرا ہی لکھا ہوا ہے، اس سے برکت نہیں ہوتی؟ زیادہ تر وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے لئے القاب کے طالب ہوتے ہیں جو دوسرے کے لکھنے میں متوقع ہے، اور اپنے ہاتھ سے پتہ لکھنے میں یہ مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ ہے وہ مرض جس کی وجہ سے سادہ لفافہ بھیجتے ہیں' نہ برکت ہے نہ حرکت ہے' چور ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۱۱ ج ٦)

جوابی لفافہ پر پتہ نہ لکھنے پر تنبیہ

ملفوظ:......ایک صاحب نے جوابی لفافہ پر اپنا پتہ نہ لکھا تھا، بلا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ اندر سے نکلا۔ حضرت والا کو ان کے خط میں سے پتہ کاٹ کر اس لفافہ پر چسپاں کرنے کی زحمت ہوئی، اس لئے کہ حضرت والا کا بہت سی مصلحتوں سے یہ معمول ہے کہ کاتب خط ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ کاٹ کر لفافہ پر چسپاں فرمادیتے ہیں۔ اس خیال سے بھی ایسا کیا جاتا ہے کہ پہونچنے نہ پہونچنے کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ: میں تو ایسوں کی بھی رعایت کرتا ہوں جو ضابطہ سے میرے تابع ہیں، اور تعجب ہے کہ یہ لوگ ایسے شخص کی بھی رعایت نہ کریں جو ضابطہ سے ان کا تابع نہیں۔ اگر اپنے ہاتھ سے لفافہ پر اپنا پتہ لکھ دیتے تو ان کا کیا حرج تھا؟ یہ لوگ تو غالبا جواب کے لئے لفافہ اور ٹکٹ بھیج دینے کو بھی سمجھتے ہوں گے کہ ہم نے بڑا احسان کیا، ورنہ یہ بھی ملانوں ہی کے ذمہ تھا۔ کچھ نہیں دنیا سے عقل اور فہم ہی گم ہوگئے، دونوں چیزوں کا قحط ہے، کتنا بڑا ظلم ہے کہ کام بھی لیتے ہیں، اور ستاتے بھی ہیں، اور اگر اس رنگ کا ایک دو ہوتو اصلاح بھی ہوجائے، مگر عالم کا عالم بدفہمی پر متفق ہوگیا۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۵۹ ج ۸)

منی آرڈر کی کوپن پر مختصر تحریر کی ضرورت

ملفوظ:......فرمایا کہ:کل ایک صاحب نے بذریعہ خط اطلاع دی کہ: میں ایک منی آرڈر بھیجوں گا اور اس خط میں منی آرڈر کی رقم کے متعلق تفصیل بھی درج تھی کہ کس کس مد میں کتنا کتنا روپیہ صرف کیا جائے۔ میں نے لکھ دیا کہ میں آپ کے اس خط کو محفوظ نہیں رکھ سکتا' اگر اس منی آرڈر کی کوپن میں تفصیل ملی تو میں اس منی آرڈر کو وصول کرلوں گا ، ورنہ واپس کردوں گا۔

اسی کے متعلق زبانی ارشاد فرمایا کہ: پہلے میں انتظار منی آرڈر ایسے خطوں کو محفوظ رکھ لیتا تھا، مگر بارہا ایسا ہوا کہ خط مدت دراز تک رکھا رہا اور منی آرڈر ندارد۔ کہیں کچھ کریں گے' کچھ لکھ تو دیتے ہیں کہ منی آرڈر بھیجوں گا جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ قریب ہی آجاوے گا، لیکن پھر بھیجا ہے نہیں، مجھے تو امانت رکھنے کی زحمت فضول ہی اٹھانی پڑی۔ ان تجربوں کی بنا پر میں نے یہ معمول مقرر کرلیا کہ صاف لکھ دیتا ہوں کہ میں خط کو محفوظ نہیں رکھ سکتا، اگر کوپن پر اس رقم کے متعلق کوئی کافی تحریر نہ ہوئی تو منی آرڈر واپس کردیا جائے گا۔ واقعی مجھ کو تو خط کا یاد رکھنا یا مشاغل کثیرہ میں اس کا محفوظ رکھنا بڑا مشکل ہے، اور میں بحمد اللہ کسی کو دھوکا نہیں دیتا صاف لکھ دیتا ہوں کہ مجھ سے خط محفوظ نہیں رکھا جاتا، چنانچہ آج ہی ایسا ایک منی آرڈر آیا تھا' جس کے کوپن میں کوئی تحریر نہیں تھی اور اس کے متعلق کوئی خط بھی محفوظ نہ تھا، اس کو میں نے واپس کردیا، اگر واپس نہ کرتا تو کیا کرتا؟ اتنا تو البتہ مجھے یاد آیا کہ کوئی خط اس رقم کے متعلق آیا تھا، مجھے تفصیل تو یاد نہیں رہ سکتی، یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ مدرسہ کے لئے روپیہ بھیجنے کو لکھا گیا' مگر میں محض اس شبہ کی بنا پر تو وصول نہیں کرسکتا تھا، اگر بھیجنا ہو تو پھر باقاعدہ بھیجیں۔ نہ معلوم یہ کیا حرکت ہے؟ جب کہ کوپن میں کافی جگہ موجود ہے، مگر اس پر ایک حرف نہیں لکھا۔ کوپن میں اتنی گنجائش ہے کہ رقم کے متعلق جو لکھنا تھا لکھ دیتے ،مگر ایسا نہیں

کرتے۔

یہ بھی ایک مرض ہے کہ علیحدہ کارڈ لفافہ بھیجیں گے اور اپنے نزدیک سمجھیں گے کہ یہ کافی ہوگیا، مگر خود الگ خط بھیجنا بھی تو سبب ہوجاتا ہے کلفت کا۔ اور جیسا ابھی بیان کیا کہ مدت تک خبر نہیں لیتے، اگر اس طرح ستاویں نہیں تو خیر کا محفوظ رکھنا بھی کیا مشکل تھا، مگر دق جو کرتے ہیں۔ پہلے پہلے میں نے ہر طرح اخلاق کا برتاؤ کیا، مگر بدتمیزیوں کا تحمل نہ ہوا تو میں نے بھی ضابطے تجویز کئے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص۱۳ ج ۵)

اہل دنیا کو علماء سے مکاتبت کی ضرورت

فرمایا: ......اہل دنیا اگر علماء سے خط وکتابت رکھیں تو رفتہ رفتہ مناسبت ہوجاتی ہے۔ دین سے وحشت نہیں رہتی، آخر ہیں تو مسلمان ہی، مسلمانوں کو تنبہ تو ہوتا ہی ہے۔

(حسن العزیز ص۲۱۰ ج ۴۔ آداب المعاشرت ص۱۹۸)

ایک فاسد عقیدے کی اصلاح

فرمایا: ......ایک صاحب کا ایک لفافہ آیا، لفافہ کے پتہ پر لکھا ہے ''امانت شیخ معروف کرخی'' ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ایسا لکھنے سے وہ چیز محفوظ ہوجاتی ہے۔ مثلاً یہ لفافہ ہی ہے۔ ان صاحب کے خیال میں یہ کہیں گم نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کا عقیدہ صاف شرک ہے۔ جاہلوں نے بزرگوں کے متعلق اسی قسم کی حکایتیں گھڑ رکھی ہیں۔

ایک حکایت ہے کہ ایک شخص کی دیوار جھکی ہوئی تھی، اندیشہ اس کے گرجانے کا تھا، اس نے یہ شعر دیوار پر چسپاں کردیا ؎

بحق حضرت معروف کرخی   بماند سالہا دیوار ترقی

(الافاضات الیومیہ ص۲۶ قسط ہشتم۔ آداب المعاشرت ص۱۹۹)

وعظ وتقریر کے آداب

اس رسالہ میں وعظ وتقریر کی اہمیت وضرورت‘ واعظ وخطیب کے آداب‘
وغیرہ امور کوقدرے تفصیل سے مع دلائل بیان کیا گیا ہے

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فصل اول:

وعظ ونصیحت کی اہمیت، خطبہ کے معنیٰ، قرآن وحدیث سے وعظ وطریقۂ وعظ، آپ ﷺ کا وعظ میں اعلیٰ ترین منہج، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے کی اجازت کب ہے؟ وغیرہ امور کے بیان میں

وعظ ونصیحت کا کام جنت میں بھی ہوا

وعظ ونصیحت کا عمل بہت پہلے سے چلا آرہا ہے، اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ جنت میں بھی وعظ ونصیحت کا کام رہا۔ حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت حواء علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت فرمائی کہ:

﴿ لا تقربا هذه الشجرة ﴾ تم دونوں اس درخت کے پاس مت جانا۔ (سورۂ بقرہ ۳۵)

اس ارشاد ربانی سے معلوم ہوا کہ دنیا میں حضرت انسان کی آمد سے پہلے ہی جنت میں بھی یہ عظیم کام انجام پایا۔

دنیا میں انسان کی آبادی کے بعد حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے اس خدمت کو بحسن وخوبی نبھایا، اور حضرت سیدنا شعیب علیہ السلام کو تو خطیب الانبیاء کہا گیا۔ قرآن کریم نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے زبان مبارک سے نکلے ہوئے مواعظ کے پراثر

جملوں کو نقل کر کے قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔ آخری پیغمبر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے مواعظ سے احادیث کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ایمانی قوت اور یقین کامل سے بھرپور خطبات ومواعظ کے وہ نمونے چھوڑے ہیں کہ آج چودہ سو سال کے بعد بھی انہیں پڑھ کر طبیعت عش عش کر اٹھتی ہے۔ خصوصا سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر وسیدنا علی رضی اللہ عنہم کے خطبات ومواعظ کی تاثیر دلوں کو متأثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ ناظرین صرف ''حیاۃ الصحابہ'' کا ہی مطالعہ فرمالیں۔

کاش کوئی اللہ کا بندہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مواعظ وملفوظات کو اردو میں جمع کرنے کا اہتمام کرے تو یقیناً امت کے لئے ایک قیمتی تحفہ وسرمایہ جمع ہو جائے۔ (راقم کے دل میں کئی مرتبہ اس کا خیال آیا، کچھ اوراق پر نشان بھی لگا رکھے ہیں، دیکھئے! کیا یہ خدمت مقدر میں ہے یا نہیں؟)

خطبہ کے معنی اور زمانۂ جاہلیت میں خطبہ کا رواج

''خطبہ'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی تقریر کے ہیں، اس کی جمع ''خطابت'' اور ''خطب'' ہے۔ تقریر ووعظ کی ہر زمانہ میں ایک اہمیت رہی اور ہے، کوئی صاحب عدل اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اور اس کی تاثیر تو حدیث ''ان من البیان لسحرا'' کہ بعض بیان جادو کی طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ (فیض القدیر ص۶۶۴ ج۲، رقم الحدیث:۲۴۵۶) سے ثابت ہے۔ اسی لئے زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں مجمع کو متأثر کرنے یا سفارت پر بھیجے جانے والے افراد میں شعراء کے ساتھ خطیبوں کو بھی بھیجا جاتا تھا۔ عہد جاہلیت کے خطیبوں میں عمرو بن معدیکرب، قیس بن ساعدہ الایادی اور عہد اموی کے سحبان بن وائل قابل ذکر ہیں۔

(جزیرۃ العرب ص۱۹۲)

سحبان بن وائل کے خطبہ کا تو یہ حال تھا کہ خراسان کے وفد کی آمد پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے ظہر سے عصر تک ایسی تقریر کی کہ دوران وعظ نہ کھنکارا، نہ کھانسا، نہ کہیں سوچنے کے لئے رکا، نہ کسی موضوع کو تشنہ و نامکمل چھوڑا۔اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واقعی تو عرب کا سب سے بڑا خطیب ہے۔تو کہنے لگا ’’نہ صرف عرب کا بلکہ عجم کا اور جن وانس کا بھی‘‘۔(خطبات مفکر اسلام ص۲۱)

حضرت ثابت بن قیس مدنی رضی اللہ عنہ کو ان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ’’خطیب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ سے یاد کیا جاتا ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: بنوتمیم کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور ان کا خطیب کھڑا ہوا، اور اس نے اپنی قوم کی بعض چیزوں کو فخریہ انداز میں پیش کیا، تو آپ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے کہا: ’’قم فأجب خطیبھم‘‘ یہ کھڑے ہوئے اور انتہائی بلاغت وفصاحت کے ساتھ اللہ تعالی کی حمد بیان کی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ اور دیگر مسلمان بہت ہی خوش ہوئے۔

(کشف الباری ص۳۳۱، کتاب الجهاد ، باب : التّحنّطِ عند القتال)

قرآن کریم سے وعظ اور طریقۂ وعظ

قرآن کریم نے وعظ کا حکم بھی دیا اور طریقۂ وعظ بھی بتلا دیا۔فرمایا:

﴿ فَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾۔(سورۂ ذاریات،آیت نمبر:۵۵)

اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا: اور سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دیتا ہے۔

اور فرمایا:﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾

یعنی آپ اپنے رب کی راہ (یعنی دین اسلام) کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلائیے۔

اس آیت میں دعوت وتبلیغ ،اس کے اصول اورآداب کی پوری تفصیل چند کلمات میں سموئی ہوئی ہے۔

حکمت :...... سے مراد وہ بصیرت ہے ،جس کے ذریعہ انسان مقتضیاتِ احوال کو معلوم کر کے اس کے مناسب کلام کرے ،وقت اور موقع ایسا تلاش کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو، نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کرے اور جہاں یہ سمجھے کہ صراحۃً کہنے میں مخاطب کو نہ شرمندگی ہو اور نہ اس کے دل میں اپنے خیال پر جمنے کا تعصب پیدا ہو۔

الموعظۃ :......موعظہ اور وعظ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی خیر خواہی کی بات کو ایسی طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کے لئے نرم ہو جائے ،مثلا اس کے ساتھ قبول کرنے کے ثواب وفوائد اور نہ کرنے کے عذاب ومفاسد ذکر کئے جائیں۔

الحسنۃ :...... کے معنی یہ ہیں کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو،جس سے مخاطب کا قلب مطمئن ہو، اس سے شکوک وشبہات دور ہوں اور مخاطب یہ محسوس کرے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں صرف اس کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔(معارف القرآن ص۴۰۹ ج ۵)

قرآن کریم کا انداز وعظ ونصیحت

شیخ عبداللہ صالح علوان رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’اسلام اور تربیت اولاد‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

قرآن کریم ان آیات سے پُر ہے جو وعظ ونصیحت کے انداز کو دعوت وارشاد کے طریقہ کی بنیاد اور افراد کی اصلاح اور جماعتوں کی ہدایت تک پہنچنے کا راستہ بتلاتی ہیں۔ جو شخص

قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا وہ وعظ ونصیحت کے اسلوب کو قرآن کی بہت سی آیات میں ایک مشاہد حقیقت پائے گا۔

قرآن کریم کبھی تقوی اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہے، اور کبھی نصیحت یاد کرنے اور یاد دہانی کرانے کے اجر وثواب اور شان کو بیان کرتا ہے، کبھی وعظ ونصیحت سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اور پھر نصیحت وخیر خواہی پر ابھارتا اور سیدھے راستے کی پیروی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اور پھر ترغیب کے ذریعہ متوجہ کرتا ہے، اور اخیر میں ڈرانے و دھمکانے کے اسلوب کو اختیار کرتا ہے، اور اس طرح سے قرآن کریم کا پڑھنے والا اس کے الفاظ ومعانی میں وعظ ونصیحت کو متعدد سانچوں اور مختلف اسلوب میں موجود پائے گا' جو ہر ذی نظر وصاحب بصیرت کے لئے اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ قرآن کریم میں وعظ کو نفوس کے خیر کی تربیت دینے اور حق پر آمادہ کرنے اور ہدایت کے قبول کرنے کے سلسلہ میں نہایت اہمیت دی گئی ہے۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے وعظ ونصیحت کے سلسلہ میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ مندرجۂ ذیل اسلوب وانداز میں ممتاز ومنفرد ہے:

(۱):......تسلی بخش ومطمئن کرنے کا انداز جس کے ساتھ نرمی ونکیر دونوں شامل ہوں۔

(۲):......قصص وواقعات کے انداز میں عبرت ونصیحت۔

(۳):......مواعظ ونصیحت کے ساتھ قرآنی رہنمائی۔

پھر قرآن کریم کا انداز خطابت بچوں کے لئے ''یٰبنیّ ''عورتوں کے لئے ''یٰمریم' یٰنساء النبیّ '' قوموں کے لئے ''یقوم'' مؤمنین کے لئے ''یاایّها الذین آمنوا '' اہل کتاب کے لئے ''یٰاهل الکتاب '' تمام لوگوں کے لئے ''یاایها الناس '' (وغیرہ قابل غور ہیں)۔

احادیث اور وعظ

حدیث شریف میں بھی بہت کثرت سے وعظ وتذکیر کا حکم دیا گیا۔ ''مسلم شریف'' کی صحیح حدیث میں تو ہاتھ اور زبان سے استطاعت کے نہ ہونے پر دل سے برا جاننے تک کا حکم ہے، اور اسے ''اضعف الایمان'' کیا گیا۔

(مسلم، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان ، رقم الحدیث:۱۷۷)

''بخاری شریف'' کی حدیث میں نافرمانوں کو نصیحت نہ کرنے پر کشتی کے دو حصے اوپر اور نیچے سے تشبیہ دے کر عجیب انداز سے وعظ کی ترغیب دی کہ وعظ ونصیحت نہ کرنے پر دونوں ہی ڈوبیں گے۔ (بخاری، باب هل یقرع فی القسمة والاستفهام فیه ؟ رقم الحدیث:۲۴۹۳)

''طبرانی'' کی روایت میں ہے کہ: ''اللہ تعالی بعض لوگوں کی غلطیوں پر سب کو (جو اس غلطی میں مبتلا نہیں ہیں) عذاب نہیں دیتے البتہ سب کو اس صورت میں عذاب دیتے ہیں جب کہ فرمانبردار باوجود قدرت کے نافرمانی کرنے والوں کو نہ روکیں۔ (مجمع الزوائد، ۵۲۸/۷)

''ترمذی شریف'' کی روایت میں قسمیہ آپ ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے پر اللہ کا عذاب اور دعا کے قبول نہ ہونے کی وعید بیان فرمائی۔

(ترمذی، باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر ، رقم الحدیث:۲۱۶۹)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو اللہ کے نبی ﷺ نے اس طرح دعا دی کہ:

((اللهم ثبّته واجعله هادیا مّهدیا)) اے اللہ! اسے اچھا گھڑ سوار بنا دیجئے اور خود سیدھے راستہ پر چلتے ہوئے دوسروں کو سیدھا راستہ بتانے والا بنا دیجئے۔

(بخاری، باب من لا یثبت علی الخیل،۱۱۰۴/۳، دار ابن کثیر دمشق)

''بخاری شریف'' ہی کی ایک روایت میں راستہ کا حق یہ بتلایا کہ امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کرے۔(بخاری، باب قول الله تعالی یاایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا، رقم الحدیث۶۲۲۹)

''ترمذی شریف'' کی ایک حدیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے پر'' لیس منا'' کی وعید بیان فرمائی گئی۔(ترمذی، باب ماجاء فی رحمة الصبیان ، رقم الحدیث:۱۹۲۱)

''مشکوۃ'' کی روایت میں اللہ کی نافرمانی پر افسوس نہ ہونے پر بستی کو الٹنے کا حکم دیا گیا۔ (مشکوۃ،حدیث نمبر:۵۱۵۲)

ایک روایت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کو''خیر الناس ''فرمایا گیا۔(مجمع الزوائد،۷/۵۲۰)

نوٹ: ...... یہ ساری احادیث اور ان کے حوالے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی ''منتخب احادیث'' سے ماخوذ ہیں۔

ان آیات واحادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنا اس امت کی عظیم ذمہ داری میں داخل ہے اور اہل علم پر یہ فریضہ بدرجۂ اولی عائد ہوتا ہے۔الحمدللہ امت کے علماء کرام اور مصلحین نے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی بلکہ دنیا کے چپے چپے میں جہاں اللہ نے انہیں پہنچایا اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہیں،

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے کی اجازت کس وقت ہے

علماء نے لکھا ہے کہ: بعض اوقات اس ذمہ داری کو چھوڑنے کی بھی اجازت ہے۔

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جس وقت صلحاء کمزور ہوجائیں اور بدکار اشرار کا غلبہ ہو اور نصیحت کرنے سے بجز نقصان وایذا کے کوئی نتیجہ نظر نہ آئے تو اس وقت نصیحت کے چھوڑنے کی اجازت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جناب رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: کیوں بیان کیا کروگے جب تم ایسے ردی آدمیوں میں رہ جاؤ کہ نہ ان کو عہد و پیمان کا لحاظ ہو، نہ امانت داری سے واسطہ اور اختلاف کر کے ایسے ہو جاویں (اور آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں دے لیں) حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جو کچھ حضرت حکم دیں وہ کروں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بس اپنے آپ اچھے کام کرو اور برے کام چھوڑے رہو اور صرف اپنے نفس کی نگہداشت ضروری سمجھو اور عوام سے واسطہ نہ رکھو۔ (البصائر فی تذکیر العشائر ص۲۶ ج۱، پہلی بصیرت)

حضرت علی بن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میں حجاج کے ساتھ محل میں تھا، وہ ابن اشعث کی وجہ سے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا، اتنے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تشریف لائے، جب وہ نزدیک آئے تو حجاج نے کہا: ''نعوذ بالله من ذلک'' او خبیث! او فتنوں میں چکر لگانے والے! کہو تم کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ ہوتے ہو اور کبھی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور کبھی ابن اشعث کے ساتھ۔ غور سے سنو! میں تمہیں ایسے جڑ سے اکھیڑ دوں گا جیسے گوند کو اکھیڑا جاتا ہے اور میں تمہاری کھال ایسے اتاروں گا جیسے گوہ کی کھال اتاری جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ امیر کی اصلاح فرمائے، وہ اس کلام سے کس کو خطاب کر رہے ہیں، حجاج نے کہا میں تمہیں خطاب کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارے کانوں کو بہرہ کرے۔ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انا للہ پڑھی اور وہاں سے باہر آ گئے اور فرمایا: اگر مجھے اپنے بچے یاد نہ آجاتے جن پر مجھے اس حجاج کی طرف سے خطرہ ہے، تو آج میں کھڑے کھڑے اسی جگہ سے ایسی کھری کھری سناتا کہ وہ مجھے بالکل جواب نہ دے سکتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نے حجاج کو خطبہ دیتے

ہوئے سنا، اس نے ایسی بات کہہ دی جو مجھے بالکل غلط نظر آئی، میں نے اسے ٹوکنا چاہا، لیکن مجھے حضور ﷺ کا فرمان یاد آگیا کہ: کسی مؤمن کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کرنا مناسب نہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مؤمن اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: وہ اپنے آپ کو ایسے امتحان کے لئے پیش کردے جس کی طاقت نہ ہو۔ (حیاۃ الصحابہ ص۹۹۲ ج۲، مترجم: حضرت مولانا احسان الحق صاحب مدظلہ)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس کا حاصل یہ ہے کہ: اپنے دین کی فکر کے ساتھ دوسرے بندگان خدا کے دین کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی دینی فریضہ اور خداوندی مطالبہ ہے، اس لئے اس کو برابر کرتے رہو، ہاں جب امت میں مندرجۂ ذیل رذائل آجائیں:

(۱):......دولت کی پوجا ہونے لگے۔

(۲):......بخل، کنجوسی امت کا مزاج بن جائے۔

(۳):......خواہشات نفسانی کا اتباع کیا جانے لگے۔

(۴):......آخرت کو بھلا کر دنیا ہی کو مقصود بنالیا جائے۔

(۵):......خودرائی، خودبینی کی وبا عام ہوجائے۔

تو اس بگڑی ہوئی فضا میں چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاثیر وافادیت اور عوام کی اصلاح پذیری کی امید نہیں ہوتی، اس لئے چاہئے کہ بندہ عوام کی فکر چھوڑ کر بس اپنی ہی اصلاح اور معصیت سے حفاظت کی فکر کرے۔

آخر میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: بعد میں ایسے دور بھی آئیں گے جب دین پر قائم رہنا اور اللہ ورسول کے احکام پر چلنا ہاتھ میں آگ لینے کی طرح تکلیف دہ اور صبر آزما

ہوگا۔

ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں خود دین پر قائم رہنا ہی بہت بڑا اجہاد ہوگا، دوسروں کی اصلاح کی فکر اور اس سلسلے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی، اور ایسی ناموافق فضا اور سخت حالات میں اللہ ورسول کے احکام پر صبر وثابت قدمی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارے جیسے پچاس افراد کے عمل کے برابر اجر وثواب ملے گا۔ (معارف الحدیث۔ بکھرے موتی ص۱۲۴ ج۲)

آپ ﷺ کا وعظ ونصیحت میں اعلیٰ ترین منہج وطریقہ

ہمارے معلم اول نبی کریم ﷺ نے وعظ ونصیحت میں نہایت اعلیٰ ترین منہج وطریقہ اختیار فرمایا تھا، اور اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا انداز اور طریقہ ایک مثالی طریقہ تھا جو مختلف اسلوب وانداز اور متنوع طریقوں پر مشتمل تھا:

(۱):......قصہ کے انداز کو اختیار کرنا۔ (احادیث میں اس کی بیشمار مثالیں ہیں)

(۲):......سوال وجواب کے انداز کو اختیار کرنا۔ مثلا: کیا تم جانتے ہو' مسلمان کون ہے؟ کیا تم جانتے ہو' مؤمن کون ہے؟ وغیرہ۔

(۳):......وعظ ونصیحت کو اللہ تعالیٰ کی قسم سے شروع کرنا۔ مثلا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، وغیرہ۔

(۴):...... وعظ کو دل لگی کے ساتھ ملا دینا تا کہ ذہن کو حرکت دی جائے' سستی دور ہوجائے، مثلا: اونٹنی کے سائل سے آپ ﷺ فرمایا: اونٹنی کے بچہ پر سوار کریں گے۔

(۵):......وعظ ونصیحت میں درمیانہ روی اور توسط کو اختیار کرنا تا کہ باعث ملال نہ ہو۔ مثلا آپ ﷺ وعظ روزانہ نہیں فرماتے، اور وعظ کو نہ اتنا مختصر فرماتے کہ مقصد سمجھ میں نہ آسکے

اور نہ طویل کہ تنگ دل وآزردہ خاطر کردے۔

(٦):......وعظ کی قوت تاثیر کے ذریعہ حاضرین پر چھا جانا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ' حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسی (زبردست) وعظ ونصیحت کی جس سے جسم جل گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل لرزنے لگے، تو ہم نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے شخص کی پند ونصیحت ہے جو رخصت کرنے اور الوداع کہنے والا ہو، لہذا آپ' ہمیں کیا نصیحت کرنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی سے ڈرو اور میری سنت اور میرے بعد میرے خلفاء کی ہدایت یافتہ وہدایت دینے والی سنت کی پیروی کرو اور اس کو مضبوطی سے تھام لو، اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

''مسند احمد'' و''صحیح مسلم'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک روز رسول اللہ ﷺ نے منبر پر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وما قدروا الله حق قدره ط والارض جميعا قبضته يوم القيمة والسموات مطويٰت بيمينه سبحنه وتعالى عما يشركون﴾۔ (سورۂ زمر، آیت نمبر: ٦٧)

ترجمہ:......اور ان لوگوں نے اللہ تعالی کی عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنی چاہئے تھی، اور حال یہ ہے کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے، وہ پاک ہے اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

اور رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک کو آگے پیچھے کی جانب حرکت دے رہے تھے، اپنے رب کی بزرگی بیان فرمارہے تھے کہ رب فرماتا ہے: میں جبار ہوں' میں متکبر ہوں' میں بادشاہ ہوں' میں عزیز ہوں' میں کریم ہوں اور اس وقت ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ منبر تھرانے لگا' حتی کہ ہم یہ کہنے لگے کہ منبر گر پڑے گا اور رسول اللہ ﷺ کو لے کر گر جائے گا

واعظ وداعی لوگوں پر قوت تاثیر و چھانے سے اس وقت تک متصف نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں خلوص نیت، رقت قلب، خشوع نفس، صفائی باطن اور روح کی پاکیزگی نہ ہو۔

(۷):......ضرب الامثال کے ذریعہ نصیحت کرنا۔

(۸):...... ہاتھ کے اشارے سے وعظ ونصیحت کرنا۔ جیسے آپ ﷺ نے مؤمن کی مثال مؤمن سے دیتے ہوئے اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل فرمادیں۔ یتیم کی پرورش کی مثال دیتے ہوئے اپنی دو انگلیوں کی جانب اشارہ فرمایا۔ ایک موقع پر اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر سمجھایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۹):......لکیروں اور خطوط کے ذریعہ وضاحت اور نصیحت کرنا۔

(۱۰):......عمل کے ذریعہ نصیحت کرنا۔ جیسے وضو کے لئے پانی کا برتن منگوا کر عملاً سکھایا، اسی طرح منبر پر نماز پڑھ کر سکھلائی تاکہ سب دیکھ لیں۔

(۱۱):......موقع ومناسبت سے فائدہ اٹھا کر وعظ ونصیحت کرنا، جیسے ایک مرتبہ مردار کو دیکھ کر دنیا کی بے رغبتی کی طرف متوجہ فرمایا۔

(۱۲):...... اہم چیز کی طرف متوجہ کرکے نصیحت کرنا، جیسے ایک اعرابی کے قیامت کب آئے گی' والے سوال پر فرمایا: تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی؟

(۱۳):......جس حرام چیز سے روکنا ہے اسے سامنے پیش کرکے وعظ ونصیحت کرنا، جیسے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ریشم اور سونا ہاتھ میں لے کر بلند کرکے فرمایا: یہ میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ (اسلام اور تربیت اولاد ص۶۹ تا ۹۶، ملخصا)

کثرت وعظ سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ لوگ اکتا نہ جائیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی اکرم ﷺ مختلف دنوں میں

ہمیں نصیحت فرمانے کے لئے احوال کی رعایت کرتے تھے، اس خطرے سے کہ ہمیں ملال نہ ہوجائے، ہماری طبیعت اکتانہ جائے۔ (بخاری شریف، کتاب العلم ، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ والعلم کی لا ینفروا)

حضرت ابو وائل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے، تو ان سے ایک شخص نے کہا کہ: اے ابو عبد الرحمٰن ! میری خواہش ہے کہ آپ ہمیں روزانہ نصیحت فرمایا کریں۔ (اس درخواست پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ نے) فرمایا: روزانہ وعظ ونصیحت سے میرے لئے مانع یہ ہے کہ مجھے پسند نہیں کہ میں تمہیں اکتاہٹ میں مبتلا کروں، میں نصیحت کرنے میں تمہارے واسطے موقع اور وقت کی رعایت کرتا ہوں جیسا کہ نبی کریم ﷺ ہمارا موقع اور وقت دیکھ کر ہمیں نصیحت فرمایا کرتے تھے، آپ کو یہی ڈر تھا کہ کہیں ہم اکتانہ جائیں۔

(بخاری شریف، کتاب العلم ، باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومۃ)

حضرت شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن ہمارے پاس باہر تشریف لائے اور فرمایا:

مجھے خبر مل جاتی ہے کہ آپ لوگ باہر بیٹھے ہیں، لیکن بعض دفعہ میں جان بوجھ کر آپ لوگوں کے پاس باہر نہیں آتا' تاکہ میرے زیادہ بیانات اور زیادہ حدیثیں سنانے کی وجہ سے آپ لوگ اکتانہ جائیں، کیونکہ حضور ﷺ وعظ اور بیان میں ہمارا خیال فرماتے تھے تاکہ ہم اکتانہ جائیں۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا: تم ہر جمعہ کو ایک بار لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرو، اگر اسے قبول نہ کرو (یعنی ہفتہ

میں ایک بار وعظ ونصیحت کو کافی نہ جانو' تو ہفتہ میں) دو بار، اور بہت کرو تو ہفتہ میں تین بار وعظ ونصیحت کر سکتے ہو، اور تم لوگوں کو اس قرآن سے تنگ نہ کرو (ہفتہ میں تین بار سے زیادہ وعظ ونصیحت کر کے لوگوں کو ملول نہ کرو)۔ (مشکوۃ، کتاب العلم ، الفصل الثالث)

آپ ﷺ بلند آواز سے وعظ فرماتے تھے

حدیث شریف میں ہے کہ: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم اذا خطب احمرت عیناہ و علا صوتہ و اشتد غضبہ حتی کانہ منذر جیش۔

ترجمہ:......آنحضرت ﷺ جب خطبہ دیتے تو چشم مبارک سرخ ہو جاتی ، آواز بلند اور طرز کلام میں شدت آجاتی ، اور ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی لشکر حملہ کرنے والا ہے، اور آپ ﷺ مخاطبین کو اس خطرہ سے آگاہ فرما رہے ہیں۔ (مسلم شریف ص ۲۸۴ ج ۱، کتاب الجمعة)

اسی طرح حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم یخطب یقول : انذرتکم النار ' انذرتکم النار ' انذرتکم النار' حتی لو کان رجلا بالسوق لسمعہ مقامی ھذا۔

ترجمہ:...... میں نے آپ ﷺ کو (اتنا بلند آواز سے) خطبہ دیتے ہوئے سنا' آپ ﷺ فرما رہے تھے : میں تم کو آگ سے ڈراتا ہوں' میں تم کو آگ سے ڈراتا ہوں' میں تم کو آگ سے ڈراتا ہوں، یہاں تک کہ کوئی آدمی (مدینہ کے) بازار میں ہوتا تو بھی یہاں (مسجد نبوی) سے اس آواز کو سن لیتا۔

(مسند احمد ص ۲۷۲ ج ۴، احادیث النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما)

ایک اور روایت میں ہے: "حتی لو کان رجل فی اقصی السوق سمعہ وسمع اھل السوق صوتہ وھو علی المنبر "۔ (حوالہ بالا)

ضرورت کے وقت خطیب کو بلند آواز سے خطاب کرنا چاہئے اور اتنا زور سے بولنا تو ہر حال میں مطلوب ہے کہ تمام حاضرین کو آواز پہنچ جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب العلم'' میں ایک باب قائم کیا ہے'' باب من رفع صوتہ بالعلم'' اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کی ہے کہ: ایک سفر میں آپ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے، بعد میں آپ تشریف لائے اور ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے اور اپنے پیروں پر مسح کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے دو یا تین مرتبہ فرمایا: ایڑیوں کے لئے آگ کے عذاب کی خرابی ہے۔''فنادی باعلی صوتہ ویل للاعقاب من النار ، مرتین او ثلاثا''۔

البتہ جہاں بلند آواز سے غیر متعلق لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو وہاں آواز اتنی رکھنی چاہئے کہ صرف حاضرین مجلس تک پہنچے، علماء کرام فرماتے ہیں کہ: ینبغی ان لا یعد و صوت العالم مجلسہ۔ (انعام الباری ص ۴۳ ج ۲)

وعظ وتقریر میں لاؤڈ اسپیکر کا ناجائز استعمال

ایک اہم اور بہت ہی قابل فکر امر کی طرف مقررین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ وعظ وتقریر ایک خالص دینی پروگرام ہے، مگر کسی دینی پروگرام سے بھی کسی کو ایذا پہنچتی ہو تو وہ ناجائز ہے۔ اب ہمارے ماحول میں ایک برائی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ وعظ کی تقریبات رات نو، دس بجے شروع ہوتی ہیں، اور محلّہ میں کرسیوں اور اسٹیج کا ایک خوبصورت شامیانہ لگ جاتا ہے، اور یہ پروگرام کبھی کبھی رات کو بارہ، ایک بجے ختم ہوتا ہے، اور مختلف حضرات کی تقریریں ہوتی ہیں، اسی محلّہ میں اس وعظ کی وجہ سے کئی بیمار حضرات رات کے آرام سے محروم ہو جاتے ہیں، بعض حضرات کو نیند نہ آنے کی مستقل شکایت رہتی ہے کہ

ایک مرتبہ آنکھ کھل گئی تو صبح تک بستر پر کروٹ لیتے رہتے ہیں۔حضرات علماء وخطباء امت کو اس بات کی طرف بطور خاص غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اس طرح کی دینی مجالس بجائے ثواب ودینی خدمت کے باعث عذاب ووبال تو نہیں ہو رہی ہیں؟

ایک عورت نے مجھ سے بیان کیا کہ: جس رات کو ہمارے سورت میں کوئی وعظ کی مجلس ہوتی ہے وہ رات میرے لئے بجائے رحمت کے زحمت بن جاتی ہے، مجھے رات جلدی سونے اور صبح جلدی اٹھنے کی عادت ہے، مگر وعظ کی مجلس رات کو دیر تک جاری رہتی ہے اور مائک کی آواز سے رات بھر نیند حرام ہو جاتی ہے، اور پورا دن میرا بے چینی اور درد سر میں گذرتا ہے۔

اس لئے خطباء ومقررین حضرات علماء کرام سے بہت مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس ماحول کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ بیان فوراً عشاء کے بعد ہو اور مساجد میں ہو، تاکہ جلدی فراغت ہو جائے اور کسی کی ایذاء کا سبب نہ بنے۔

کئی جگہ کرسیوں اور اسٹیج وشامیانے کی وجہ سے ٹریفک کا مسئلہ بن جاتا ہے، کتنے گذرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

’’افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں مذہبی پروگرام منعقد کرنے والے حضرات بھی شریعت کے اس اہم حکم کا بالکل خیال نہیں کرتے،....لاؤڈ اسپیکر کی موجودگی میں کوئی شخص اپنے گھر میں نہ آرام سے سوسکتا ہے، نہ یکسوئی کے ساتھ اپنا کوئی کام کرسکتا ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان کی آواز دور تک پہنچانا تو برحق ہے، لیکن مسجدوں میں جو وعظ وتقریریں یا ذکر وتلاوت لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں، ان کی آواز دور دور تک پہنچانے کا

کوئی جواز نہیں۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد میں بہت تھوڑے سے لوگ وعظ و درس سننے کے لئے بیٹھے ہیں، جن کو آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، یا صرف اندرونی ہارن سے بآسانی کام چل سکتا ہے، لیکن بیرونی لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھلا ہوتا ہے، اوراس کے نتیجے میں یہ آواز محلے کے گھر گھر میں اس طرح پہنچتی ہے کہ کوئی شخص اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

بسا اوقات یہ حضرات (منتظمین) پوری نیک نیتی سے یہ کام کرتے ہیں، وہ اسے دین کی تبلیغ کا ایک ذریعہ سمجھتے اوراسے دین کی خدمت قرار دیتے ہیں، لیکن ہمارے معاشرے میں یہ اصول بھی بہت غلط مشہور ہوگیا ہے کہ نیت کی اچھائی سے کوئی غلط کام بھی جائز اور صحیح ہوجاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی کام کے درست ہونے کے لئے صرف نیک نیتی ہی کافی نہیں، اس کا طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے۔اور لاؤڈ اسپیکر کا ایسا ظالمانہ استعمال نہ صرف یہ کہ دعوت وتبلیغ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے، بلکہ اس کے الٹے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

جن حضرات کو اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی ہو ان کی خدمت میں دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ چند نکات ذیل میں پیش کرتا ہوں:

بلند آواز سے وعظ کہنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت

(ا):......ایک واعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ کہتے رہتے ہیں، جس

سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور مجھے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو پیغام بھیج کر انہیں وعظ کہنے سے منع کیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ پھر شروع کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود جا کر ان صاحب کو پکڑا اور ان پر تعزیری سزا جاری کی۔

(۲):...... بات صرف یہ نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں، بلکہ دراصل وہ اسلامی معاشرت کے اس اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دعوت وتبلیغ کا پروقار طریقہ کیا ہے؟

سامعین متوجہ ہوں تو وعظ کہو ورنہ رک جاؤ

چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ وتبلیغ کے آداب تفصیل کے ساتھ بتائے اور ان آداب میں یہ بھی فرمایا کہ: ''اپنی آواز کو انہی لوگوں کی حد تک محدود رکھو جو تمہاری مجلس میں بیٹھے ہیں، اور انہیں بھی اسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک ان کے چہرے تمہاری طرف متوجہ ہوں، جب وہ چہرے پھیر لیں تو تم بھی رک جاؤ..... اور ایسا کبھی نہ ہونا چاہئے کہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں اور تم ان کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دو، بلکہ ایسے موقعہ پر خاموش رہو، پھر جب وہ تم سے فرمائش کریں تو انہیں دین کی بات سناؤ''۔ (مجمع الزوائد ص۱۹۱ ج۱)

واعظ کی آواز اس کی مجلس سے آگے نہ بڑھے

(۳):...... حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا مقولہ ہے کہ: عالم کو چاہئے کہ اس کی آواز اس کی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے۔ (ادب الاماء والاستملاء للسمعانی ص۵)

حضرت عمرؓ سے آپ ﷺ کا ارشاد: اپنی آواز کو تھوڑا پست کردو

(۴):...... یہ سارے آداب درحقیقت خود حضور سرورِ کونین ﷺ نے اپنے قول وفعل سے تعلیم دیئے ہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ: آپ ﷺ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے، وہ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: وہ بلند آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: میں سوتے ہوئے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنی آواز کو تھوڑا پست کردو۔ (مشکوۃ ص ۱۰۷ ج ۱)

آپ ﷺ تہجد کے لئے آہستہ اُٹھتے تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہو

اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ جب تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی کے ساتھ اُٹھتے تھے (تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو)

تہجد میں اور چھت پر بلند آواز سے تلاوت کسی کی تکلیف کا باعث ہو تو جائز نہیں

(۵):...... انہی احادیث وآثار کی روشنی میں تمام فقہاء امت اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا جس سے کسی کی نیند خراب ہو، ہرگز جائز نہیں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے جبکہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گنہگار رہے۔

(خلاصۃ الفتاوی ص ۱۰۳ ج ۱۔ وشامی ص ۴۰۳/۴۴۴ ج ۱۔ ذکر وفکر ص ۲۶ تا ۲۸)

فصل دوم: واعظ کے اوصاف کے بیان میں

واعظ کا قول اس کے فعل کے مطابق ہو

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون﴾۔ (سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۴۴)

ترجمہ:...... کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور اپنے آپ کو بھولتے ہو، اور تم تو کتاب پڑھتے ہو پھر سوچتے کیوں نہیں؟

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿یایھا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون ، کبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون﴾۔ (سورۂ صف، آیت نمبر:۲/۳)

ترجمہ:...... اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، اللہ تعالی کے نزدیک یہ بات بہت ناراضگی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا، تو لوگ اس سے کہیں گے کہ اے فلانے! تمہیں کیا ہو گیا؟ کیا تم اچھی باتوں کا حکم نہیں دیتے تھے اور بری باتوں سے نہیں روکتے تھے؟ تو وہ کہے گا: کیوں نہیں! میں دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتا تھا، لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور دوسروں کو برائیوں سے روکتا تھا، لیکن خود برائیاں کرتا تھا۔

ایک اور حدیث میں میرے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس رات مجھے اسراء (معراج) پر لیجایا گیا، میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے منہ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے معلوم کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے

فرمایا کہ: یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں کہتے تھے' جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالی کی کتاب پڑھتے تھے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

سلف صالحین رحمہم اللہ کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے نفوس اور اپنی اولاد وگھر والوں کے محاسبے اور ان کو اچھی باتوں کا حکم دینے اور تقوی وعمل صالح کی ترغیب دینے سے قبل دعوت الی اللہ اور دوسروں کو تعلیم دینے سے تنگ دل ہوا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے سے قبل اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان سے فرماتے تھے:

''حمد وصلوۃ کے بعد سن لو کہ میں لوگوں کو فلاں فلاں چیز کی دعوت دوں گا اور فلاں فلاں بات سے روکوں گا، اور میں خدائے ذوالجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ: یاد رکھو کہ اگر مجھے تم میں سے کسی کی طرف سے یہ اطلاع ملے گی کہ اس نے وہ کام کیا جس سے میں نے لوگوں کو روکا ہے یا اس نے اس کام کو چھوڑ دیا جس کا میں نے لوگوں کو حکم دیا ہے تو میں اسے سخت ترین سزا دوں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر جاتے اور جو بات کہنا چاہتے وہ لوگوں سے فرما دیتے، اور پھر کوئی شخص بھی اطاعت وفرمانبرداری کئے بغیر نہیں رہ پاتا تھا''۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ جب لوگوں سے مندرجہ ذیل حدیث بیان کرتے کہ:

''کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ وہ کوئی وعظ کرے، مگر یہ کہ اللہ تعالی قیامت کے روز اس سے یہ سوال کرے گا کہ اس نے ایسا کیوں کیا''۔ (رواہ البیھقی و ابن ابی الدنیا)

تو رونے لگتے، پھر فرماتے کہ: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں وعظ کر کے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، حالانکہ مجھے یہ بخوبی معلوم ہے کہ اللہ تعالی مجھ سے اس وعظ کے بارے میں ضرور باز پرس کرے گا، مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے یہ وعظ کیوں کیا تھا؟ تو میں یہ عرض کروں

گا کہ اے اللہ! آپ میرے دل کے حال کو بخوبی جاننے والے ہیں، اگر مجھے یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ آپ وعظ ونصیحت کو پسند کرتے ہیں تو میں کبھی دو آدمیوں کے سامنے بھی وعظ و نصیحت نہ کرتا۔

اس لئے دعاۃ وواعظین کو اپنے اندر یہ شاندار وعظیم عادت پیدا کرنا چاہئے، تا کہ لوگ ان کی بات قبول کریں اور ان کے وعظ ونصیحت پر لبیک کہیں۔ (اسلام اور تربیت اولاد ص۴۸۲ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے وعظ کی اجازت چاہی تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ نے قرآن کی آیت ﴿ یایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون ﴾۔ (سورۃ الصّف:۲) پر غور کیا؟ اس نے جواب نفی میں دیا، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو وعظ کی اجازت نہیں دی۔ (تفسیر کشف الرحمٰن)

شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: جنتی لوگ بعض دوزخیوں کو دیکھ کر تعجب کریں گے، ارے تم یہاں کیسے؟ تمہاری ہی تعلیم وتربیت سے تو ہمیں جنت ملی ہے، دوزخی جواب دیں گے: سچ ہے، مگر ہم تمہیں تو نیکی کی تعلیم دیتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔

ابو عمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے بھی اپنی کتاب حمید میں اس بات کی مذمت کی ہے، اور یہ مذمت قیامت تک باقی رہے گی، فرمایا:

﴿اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون ﴾۔

ترجمہ:......کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ کتاب اللہ کی تلاوت بھی کرتے ہو؟ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟

ابوالعتاھیہ کا شعر ہے ۔

یا واعظ الناس قد اصبحت متھما   اذعبت منھم امورا انت تأتیھا

لوگوں کو وعظ سنانے والے اب تو خود متہم ہو رہا ہے، جن باتوں کی برائی کرتا ہے، انہی سے خود آلودہ ہے۔

عبداللہ بن عروہ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ: اللہ تعالی سے میرا شکوہ بس اتنا ہے کہ اس بات کی مذمت کرتا ہوں جسے خود نہیں چھوڑتا اور اس بات کی تعریف کرتا ہوں جس پر خود عمل نہیں کرتا۔

انہی عبداللہ رحمہ اللہ کا قول ہے: دین، دین چلا کر لوگ دنیا پر رو رہے ہیں۔

حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رحمہ اللہ نے کہا: دوسروں کو نصیحت کرنے والا اور خود کو بھول جانے والا، شمع کی طرح ہے، جو خود جل کر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔

ابوالاسود الدولی نے خوب کہا ؎

یا ایّھا الرجل المعلّم غیرہ هلا لنفسک کان ذا التعلیم
لا تنہ عن خلق و تأتی مثلہ عار علیک اذا فعلت عظیم
وابدأ بنفسک فأتھا عن غیرھا فاذا انتھت عنہ فانت حکیم
فنھاک تقبل ان وعظت ویقتدی بالقول منک وینفع التعلیم
تصف الدواء لذی السقام من الضنا کیما یصح بہ وانت سقیم
وراک تلقح بالرشاد عقولنا نصحا وانت من الرشاد عدیم

دوسروں کو تعلیم دینے والے، تو خود اپنے آپ کو تعلیم کیوں نہیں دیتا؟
یہ کیا ہے کہ جس بات سے منع کرتا ہے، خود وہی کرتا ہے، کیسا شرمناک طریقہ ہے تیرا۔
اپنے نفس سے شروع کر، اسے گمراہی سے باز رکھ، درست ہو جائے تو بیشک تو حکیم ہے۔
تب تیرا وعظ بھی مقبول ہوگا، تیری پیروی کی جائے گی اور تیری تعلیم مفید ہوگی۔

تو بیماروں کے لئے نسخے تجویز کرتا ہے‘ حالانکہ تو خود بیمار ہے۔
ہماری عقلوں میں اپنی نصیحتوں کے پیوند لگاتا ہے‘ حالانکہ تو خود ہدایت سے محروم ہے۔
منصور فقیہ نے کہا ہے ؎

ان قوما یأمرونا بالذی لا یفعلونا لمجانین وان هم لم یکونوا یصرعونا

جو لوگ ہمیں تو حکم دیتے ہیں، مگر خود عمل نہیں کرتے۔ دیوانے ہیں، اگرچہ ہم پر حملہ آور نہیں ہوتے۔ (العلم والعلماء ترجمہ جامع العلم وفضلہ، ازص ۱۲۷تا۱۳۰)

واعظ مدینہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تین نصیحتیں: دعا میں کافیہ بندی سے بچو‘ ہفتہ میں ایک دفعہ بیان کرو‘ باتوں کے درمیان بیان شروع نہ کردو‘

حضرت شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ والوں کے واعظ حضرت ابن ابی سائب رحمہ اللہ سے فرمایا: تین کاموں میں میری بات مانو‘ ورنہ میں تم سے سخت لڑائی کروں گی۔ حضرت ابن ابی سائب رحمہ اللہ نے عرض کیا وہ تین کام کیا ہیں؟ اے ام المؤمنین! میں آپ کی بات ضرور مانوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

پہلی بات یہ ہے کہ:......تم دعا میں بتکلف قافیہ بندی سے بچو، کیونکہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس طرح قصداً نہیں کیا کرتے تھے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ:...... ہفتہ میں ایک دفعہ لوگوں میں بیان کیا کرو اور زیادہ کرنا چاہو تو دو دفعہ ورنہ زیادہ سے زیادہ تین دفعہ کیا کرو، اس سے زیادہ نہ کیا کرو ورنہ لوگ (اللہ تعالی کی) اس کتاب سے اکتا جائیں گے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ:......ایسا ہرگز نہ کرنا کہ تم کسی جگہ جاؤ اور وہاں والے آپس میں بات کررہے ہوں اور تم ان کی بات کاٹ کر اپنا بیان شروع کردو بلکہ انہیں اپنی بات کرنے

دواور جب وہ تمہیں موقع دیں اور کہیں تو پھران میں بیان شروع کرو۔

واعظ کے لئے چند آداب وشرائط: اپنی اصلاح اور اللہ تعالی کی رضا مقصود ہو وعظ سے پہلے دعا کا اہتمام ہو

ضرورت ہے کہ وعظ ونصیحت کے ساتھ اپنی اصلاح کی پوری فکر ہو اور اللہ کی رضا مقصود ہو، کہنے کا سلیقہ ہو تو انشاء اللہ یہ خدمت معاشرہ کی اصلاح میں نمایاں کامیابی دلاسکتی ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ وعظ ونصیحت سے مقصود امت کی اصلاح کا جذبہ ہو۔

خطیب کے لئے یہ بھی بہت ضروری امر ہے کہ وعظ وتقریر سے مقصود اللہ تعالی کی رضا ہو نام ونمود اور شہرت سے بالکلیہ پرہیز کرتا ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ''الجامع الصغیر'' اور''البدور السافرة فی امور الاخرة''میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَامِنْ عَبْدٍ يَخْطُبُ خُطْبَةً اِلَّا اللّٰهُ سَائِلُهُ عَنْهَا مَااَرَادَ بِهَا''۔

جو شخص بھی تقریر کرتا ہے قیامت کے دن اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ اس کا اس سے کیا ارادہ تھا؟ (فیض القدیر ص۶۲۳ ج۵۔آخرت کے عجیب وغریب حالات ص۳۰۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وعظ میں فرمایا: خطیب اپنے بیان سے پہلے دعا اور اللہ تعالی سے نفس وشرور سے حفاظت کا اہتمام کرے تاکہ شیطان اس عظیم خدمت کو ریاء اور نام ونمود کے ذریعہ ضائع نہ کردے۔

حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری رحمہ اللہ سے سنا کہ: جب میرا بیان طے ہوتا ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اور اخلاص اور نفس وشیطان سے حفاظت، اور بیان سے میرا اور سامعین کا فائدہ ہو اس کی دعا کرتا ہوں۔

وعظ سے مقصود شہرت وریا اور دنیوی کوئی غرض نہ ہو، بلکہ خالص اللہ کی رضا مقصود ہو ورنہ غیر اللہ کی خاطر وعظ وتذکیر انبیاء کا طریقہ نہیں بلکہ غیر کا طریقہ ہے۔علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الدرالمختار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''التذکیر علی المنابر للوعظ والا تعاظ سنة الانبیاء والمرسلین ، ولریاسة ومال وقبول عامة من ضلالة الیھود والنصاری ''۔(شامی،ص۶۰۴ ج۹، کتاب الحظر والاباحة ، باب الاستبراء وغیرہ ، مکتبه دار الباز ، مکة الکرمه)

یعنی پند ونصیحت کے لئے منبر پر وعظ کرنا حضرات انبیاء مرسلین علیہم السلام کا طریقہ اور سنت ہے،اور سرداری ومال وشہرت اور ریا کے لئے کرنا یہود ونصاری کا طریقہ ہے۔

شیخ الہند رحمہ اللہ کا اخلاص وللّٰہیت کا بے مثال واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ جب کانپور میں مدرس تھے، انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ادھر علماء دیوبند کی توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی ، اس لئے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علماء دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس وقت جوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت رحمہ اللہ کی تقریر ہوگی تو کانپور کے علماء کو پتہ چلے گا کہ علماء دیوبند کا علمی مقام کیا ہے؟اور وہ معقولات ومنقولات دونوں میں کیسی کامل دست گاہ رکھتے ہیں،چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تقریر شروع ہوئی۔حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آگیا،اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانوی

رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تقریر سنانا چاہتے تھے جلسہ میں نہیں آئے تھے، جب حضرت رحمہ اللہ کی تقریر شباب پر پہنچی اور معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لائے جن کا حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا، لیکن ہوا یہ کہ جونہی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ان علماء کو دیکھا تو تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ موجود تھے انہوں نے تو تعجب سے پوچھا کہ: حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا، آپ بیٹھ کیوں گئے؟ شیخ الہند رحمہ اللہ نے جواب دیا: ہاں! دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔

مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ تعالی کے لئے ہو رہی تھی، لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لئے ہوتی، اس لئے اسے روک دیا۔

(اکابر دیو بند کیا تھے؟ ص ۲۰)

واعظ: قرآن وحدیث اور سلف کے حالات سے واقف ہو' معصیت سے محترز ہو' نرم گفتار ہو' تعلقات کم رکھتا ہو' ترغیب وترہیب کا جامع ہو' بقدر ضرورت وعظ کہتا ہو

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے واعظ کے لئے چند شرطیں لکھی ہیں:

(۱)...... واعظ قرآن وحدیث اور حضرات سلف کے مناسب مقدار حالات اور سیرت سے واقف ہو۔

(۲)......واعظ کو ان معصیتوں سے محترز ہونا لازم ہے جن سے لوگوں کو ڈراتا ہے اور ان اطاعتوں کا پابند ہونا لازم ہے جن کی طرف دوسروں کو بلاتا ہے۔

(۳)......واعظ کو نرم گفتار ہونا چاہئے، گفتگو میں درشتی نہ کرے۔

(۴)......واعظ کو تعلقات کم کرنے چاہئیں تا کہ زیادہ خوف نہ ہو، اور مخلوق سے طمع کو قطع کر دینا چاہئے تا کہ مداہنت وچشم پوشی جاتی رہے۔

(۵)......وعظ کو صرف ترغیب یا تخویف ہی کے ساتھ مخصوص نہ کرے بلکہ مخلوط کرے کہ ترغیب بھی ہو اور ترہیب بھی۔

(۶)......حاجت اور ضرورت کے موافق وعظ ونصیحت کرے، بہت کثرت سے وعظ نہ کرتا رہے کہ لوگ اکتا جائیں۔(البصائر فی تذکیر العشائر از:ص۲۶ تا ۳۳ ج۱، پہلی بصیرت)

نوٹ: ان شرائط کی تفصیل ودلائل دیکھنے ہوں تو حضرت کی ''البصائر'' کا مطالعہ کیا جائے۔

(۷)......واعظ، عمل سے خالی ہو تو اس کے لئے حدیث شریف میں نفاق کا خوف ظاہر فرمایا گیا ہے۔

عن ابی عثمان النّھدی قال : انی جالس تحت منبر عمر وھو یخطب الناس ، فقال فی خطبتہ : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کُلُّ مُنَافِقٍ عَلِیْمِ اللِّسَانِ۔

(مسند احمد، رقم الحدیث: ۳۱۰و۱۴۳۔ طبرانی فی الکبیر ص۲۳۷ ج۱۸۔ ابن عدی فی الکامل ص۱۰۴ ج۳)

ترجمہ:......حضرت ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ دیتے وقت آپ کے منبر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ میں نے: رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: مجھے سب سے زیادہ خوف اپنی امت میں علیم اللسان

منافق کا ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: اس سے مراد وہ عالم ہے جو علوم میں ماہر ہو اور اس میں اس کی زبان خوب چلتی ہو، لیکن دل اور عمل کے اعتبار سے وہ بالکل جاہل ہو، اور عقیدہ بھی اس کا فاسد ہو، مگر لوگوں کو اپنی زبان دانی سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہو کہ اس کی اتباع کی وجہ سے بڑی مخلوق گمراہی میں پڑ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت بیان فرمائی کہ بصرہ کے سردار احنف جو فاضل، فصیح اور اپنی بات کے سمجھانے میں ملکہ تامہ رکھتے تھے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو اپنے پاس ایک سال کے لئے محبوس کر دیا، ہر دن و رات وہ آپ کے پاس لائے جاتے تھے، اس عرصہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی ناپسند و نا مناسب بات ان میں نہیں دیکھی، تو ایک مرتبہ ان کو بلایا اور پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم کو اپنے پاس کیوں محبوس رکھا ہے؟ احنف نے کہا: نہیں، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرمائی اور کہا کہ: مجھے تمہارے بارے میں یہ خوف تھا کہ تم بھی ان میں سے ہوں گے۔ اور ابن عساکر کی روایت میں اس طرح ہے کہ احنف آئے اور خطبہ دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی فصیح زبان کا خطبہ بہت پسند آیا تو ان کو ایک سال محبوس کر دیا کہ ان کا امتحان لیں، پھر فرمایا کہ: مجھے تمہارے متعلق علیم اللسان منافق ہونے کا خوف تھا اور آپ ﷺ نے اس بات سے ہمیں ڈرایا ہے، لیکن میں امید کرتا ہوں کہ تو مؤمن ہے، اب اپنے شہر کی طرف لوٹ جاؤ۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ص ۲۸۶ ج ۱، رقم الحدیث: ۳۰۵۔ البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث ص ۴۸)

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ اس حدیث کونقل فرما کرتحریر فرماتے ہیں کہ:ایک دوسرے محشی نے ’’کل منافق علیم اللسان ‘‘ کے تحت لکھاہے کہ علوم فصاحت میں زبان چلانے والا ہواور قلب اس کا خالی ہواس پرعمل کرنے سے،اور حضور ﷺ نے اپنی امت میں اس شخص کا خوف اس لئے کیا کہ اس کےعلوم میں ماہر ہونے کی وجہ سےلوگ اس کی اقتدا کریں گےاور وہ لوگوں کوگمراہ کرے گا۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایسے شخص سے خوف فرمارہے ہیں۔مفہوم حدیث میں غور کرنے سے اوراس کواپنے پرمنطبق کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج ہم میں بہت لوگ ایسے ہیں جواس کے مصداق ہورہے ہیں۔کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے اپنی حالت ایسی بنائی کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے خوف فرمارہے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج وعظ وتبلیغ کے مؤثر نہ ہونے کا یہی (یعنی فقط لسانی تبلیغ بدون شرکت قلب) سب سے بڑا مانع ہے ؎

ہر کسے ناصح برائے دیگراں ناصح خود یافتم کم درجہاں

(’’تحذیر العلماء‘‘ تالیفات مصلح الامت ص۱۱۸ ج۱)

واعظ کے لئے چند کام کی باتیں: وعظ سے پہلے حمد ودرود اور امابعد کہے موقع کے مناسب بیان ہو٭وقت کا پابند ہو٭طویل وعظ نہ کہتا ہو٭زیادہ مزاح نہ کرتا ہو٭مستورات کے بیان میں زیادہ احتیاط رکھتا ہو

(۱)......وعظ شروع کرنے سے پہلے اللہ کی حمد وثنا اور حضور ﷺ پر درود شریف ضرور پڑھ

لے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مواعظ اور بیانات میں اس کا اہتمام ملتا ہے۔

(دیکھئے! حیاۃ الصحابہ جلد۲)

(۲)......آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خطبہ کے بعد ''اما بعد'' کہنے کا بھی معمول ملتا ہے۔(حوالہ بالا)

حمد وصلوۃ کے بعد خطبہ میں اور خطوں میں ''امابعد '' لکھنا چاہئے۔''امابعد'' کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ اور حمد وصلوۃ کے بعد آگے کی بات کہتا ہوں۔(الادب المفرد)

''شرح منظومۃ الادب'' میں ہے کہ: مکتوبات اور خطابت میں ''اما بعد'' کولانا مستحب ہے، کیونکہ قیصر روم، کسریٰ فارس اور مقوقس کو جو خطوط لکھے گئے، اس میں اس کا ذکر ہے۔

قاضی علی بن سلیمان نے: ۳۵/اور زرقانی نے: ۴۰/صحابہ سے اسے منقول بتایا ہے۔

(عہد نبوی کا اسلامی تمدن ص۸۱)

(۳)......بیان موقع کے مناسب ہو، مجلس اور وقت کی مناسبت کے بغیر بیان کی اہمیت وہ نہیں رہتی جو ہونی چاہئے۔حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمہ اللہ اپنے مریدین و متعلقین علماء سے فرمایا کرتے تھے کہ: وعظ و نصیحت موقع کے مناسب ہو، ایسا نہ ہو کہ زخم پیر پر ہو اور آپ دوا ہاتھ پر لگاؤ۔

(۴)......مقرر کو وقت کا اہتمام کرنا چاہئے، اس میں بڑی کوتاہی دیکھی گئی۔کسی کانفرس یا جلسہ میں جب الاؤنسر کی طرف سے وقت کی تحدید کردی جائے تو اس کا پورا اہتمام کرے تاکہ منتظمین کو کسی قسم کی پریشانی نہ ہو، اکثر ایسا دیکھا گیا کہ دس منٹ کا وقت دیا مگر مقرر کو تمہید ہی میں دس منٹ لگ گئے۔

جمعہ سے پہلے وعظ میں بھی وقت کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، بکثرت حضرات نماز جمعہ

کے لئے کام سے محدود وقت کی رخصت لے کر آتے ہیں، مقرر کی تھوڑی سی بے احتیاطی کی وجہ سے دین سے محبت کے بجائے نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ دیہات وغیرہ میں اس قسم کی مشکلی نہ ہو وہاں پانچ دس منٹ کی تاخیر میں بظاہر کوئی حرج نہیں۔

(۵)......عموماً وعظ مختصر ہو تاکہ لوگ بشاشت سے سنیں، طویل وعظ سے اکثر اکتاہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ عموماً آدھ پون گھنٹہ میں بات ختم کردے، کبھی بضرورت گھنٹہ ہوجائے تو ٹھیک ہے، اس سے زیادہ تو ہرگز وقت نہ لے۔

(۶)......وعظ میں زیادہ ہنسی مزاق نہ ہو، وعظ مکمل امت کی اصلاح اور بھلائی کے جذبہ سے ہو۔ حدیث پاک میں حضرت نبی کریم ﷺ کے وعظ کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ جب لوگوں میں بیان فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آواز بلند ہوجاتی اور غصہ تیز ہوجاتا جیسے کہ آپ لوگوں کو دشمن کے لشکر سے ڈرا رہے ہوں، اور فرما رہے ہوں کہ دشمن کا لشکر تم پر صبح حملہ کرنے والا ہے، شام کو حملہ کرنے والا ہے، پھر شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر ارشاد فرماتے: مجھے اور قیامت کو اس طرح ملا کر بھیجا گیا ہے، پھر فرماتے: سب سے بہتر سیرت محمد (ﷺ) کی سیرت ہے، اور سب سے برے کام وہ ہیں جو نئے ایجاد کئے گئے ہوں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور جو مر جائے اور مال چھوڑ کر جائے تو وہ مال، اس کے گھر والوں کا ہے اور جو قرضہ یا چھوٹے بچے چھوڑ کر جائے، جنہیں سنبھالنے والا کوئی نہ ہو تو وہ میرے ذمہ ہیں، وہ قرضہ میں ادا کروں گا اور ان بچوں کو میں سنبھالوں گا۔

(حیاۃ الصحابہ اردو ص ۶۴۱ ج ۳۔ مترجم: حضرت مولانا احسان الحق صاحب مدظلہ)

حضور اکرم ﷺ سے زیادہ امت کے خیر خواہ کون ہوسکتے ہیں؟ اسی خیر خواہی کا نتیجہ

تھا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صبح سے شام تک وعظ فرمایا۔حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن حضور ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم میں ظہر تک مسلسل بیان فرمایا، پھر منبر سے نیچے اتر کر ظہر کی نماز پڑھائی، پھر عصر تک بیان فرمایا، پھر اتر کر عصر کی نماز پڑھائی پھر مغرب تک بیان فرمایا اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب ہم سے بیان فرما دیا، اب جسے حضور ﷺ کی بتائی ہوئی یہ باتیں جتنی زیادہ یاد رہ گئیں وہ ہم میں اتنا زیادہ جاننے والا ہے۔(حیاۃ الصحابہ اردو ص۶۴۱ ج۳)

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کے متعلق حضرت مولانا سعید احمد خانصاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کو میں نے دیکھا کہ وہ بیان میں روک دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ: تم تقریر اور وعظ کہہ رہے ہو ہماری بات نہیں کہہ رہے ہو، اور فرماتے تھے کہ: تواضع کے ساتھ اور سمجھانے کے طریقے سے کہو اور کہنے میں سادگی اختیار کرو، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤ، اپنے بیان سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش مت کرو، بیان مقصود نہیں، اپنا کہنا ایک رانڈ عورت کا رونا ہے جو اپنے اکلوتے بیٹے کے مرنے پر روتی ہے، اپنی علم دانی مت دکھلاؤ، ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں سمجھو‘‘۔

(مکاتیب حضرت مولانا سعید احمد خانصاحب ص۹۶، حصہ اول)

(۷)......مستورات کے بیان میں تو بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔کم عمر بچوں سے عورتوں میں بیان ہرگز نہ کروانا چاہئے۔درمیانی عمر رکھنے والے اور سنجیدہ قسم کے ہی حضرات سے مستورات میں بیان کروایا جائے۔مستورات میں وعظ کرنے والے کو چاہئے کہ پورے بیان میں سنجیدگی سے بات کرے۔عورتوں کے مجمع میں ذرہ برابر بھی ہنسی مذاق

کا مظاہرہ نہ ہو، بے حیائی اور بے شرمی کے الفاظ اور ایسے واقعات سے بھی پرہیز کیا جائے جن میں بے حیائی کا شائبہ تک نظر آتا ہو۔عشقیہ واقعات‘ عشقیہ اشعار بھی نہ ہوں۔انسانی تخلیق کی ایسی کیفیت جس میں منی اور مرد وزن کے اختلاط کا ذکر ہو‘ بیان نہ کی جائے۔ جنت کی حوروں کا تذکرہ‘ ان کے حسن و جمال‘ ان کے جوڑوں اور لباس کی خوبصورتی‘ ان کے چال ڈھال کا انداز اور حور کے عشقیہ اشعار وغیرہ بھی بیان نہ کئے جائیں۔

واعظ ومبلغ کے لئے ضروری ہدایات: اختلافی مسائل بیان نہ کرے‘ عموما دعوت قبول نہ کرے‘ سیاسی وذاتی امور میں دخل نہ دے‘ تعویذ‘ چندہ‘ و بیعت لینے سے پرہیز کرے‘ دینیات کا عالم ہو

(۱):...... بلاضرورت اختلافی مسائل بیان نہ کرے، اور اگر ضرورت پڑ جائے تو عنوان نرم وسہل ہو۔اگر کسی شخص کا نام لینا پڑے تو اس کی نسبت کوئی سخت کلمہ نہ کہے، بس متانت سے شبہ حل کر دے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

(۲):...... عام طور پر واعظ کسی کی دعوت قبول نہ کرے، البتہ داعی اگر پہلے سے شناسا (جانا پہچانا) ومخلص ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یا شناسا نہ ہو مگر قرائن سے مخلص ہونا دل کو لگتا ہو تو بھی مضائقہ نہیں، مگر از قسم ہدیہ‘ نقد وغیر نقد ہرگز قبول نہ کرے۔

(۳):...... سیاسی امور یا کسی کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں واعظ دخل نہ دے، اگر اس کی درخواست بھی کی جائے تو صاف انکار کر دے۔

(۴):...... کسی کو تعویذ گنڈے دینے یا بیعت لینے سے واعظ کو قطعا منع کر دیا جائے، اگر چہ وہ اس کا اہل بھی ہو۔

(۵):......کسی مدرسہ یا انجمن کے لئے چندہ کی ہرگز ترغیب نہ دے، بلا ترغیب کوئی دے تب بھی انکار کردے، پھر بھی نہ مانے تو کہہ دے کہ براہ راست مرکز میں بھیج دو میں نہیں لیتا۔(تجدید تعلیم ص ۱۸۹۔ تحفۃ العلماء ص ۱۰۷ ج ۱)

ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا: واعظ خواہ متبحر عالم نہ ہو مگر دینیات پر کافی نظر ہو کہ تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت یا غلط مسئلہ بیان نہ کرے۔(حوالہ بالا)

خطیب کو چاہئے کہ سامعین کی ہدایت کی فکر کرے اوران کیلئے دعا کرے

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز وہ اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص آیا اور کہا: حضرت! آپ کا وعظ شہر ہی میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر بخشتا ہے؟

آپ نے حال پوچھا، اس نے عرض کیا: چندلوگ فلاں مقام پر جنگل کے اندر مصروفِ رقص وسرور اور دورِ شراب سے مخمور ہیں۔ آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی، جب آپ قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے، فرمایا: بھاگو مت، میں بھی تمہارا ہی ہم مشرب ہوں، ہمارے لئے بھی لاؤ، شہر میں تو پی نہیں سکتے، پوشیدہ طور پر یہاں آئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا: افسوس ہے کہ اس وقت شراب نہیں رہی، فرمائیں! تو شہر سے منگوادی جائے؟

حضرت نے فرمایا: کیا تمہیں کوئی ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آجایا کرے؟ وہ بولے: صاحب یہ کمال تو ہم میں نہیں، فرمایا: آؤ تمہیں ایک ایسی بات سکھادوں کہ شراب خود بخود آجائے، پھر شراب کا مزہ دیکھو۔ وہ سب مشتاق ہوئے کہ یہ کمال تو ضرور بتادیجئے!، فرمایا: اچھا اول نہاؤ، پھر کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ، سب نے غسل کیا،

کپڑے دھوئے اور پاک وصاف ہوکر آموجود ہوئے، تب فرمایا سب دو رکعت نماز پڑھو، جب وہ نماز میں مشغول ہوئے تو آپ نے دعا مانگی: یا خدایا! میرا تو اتنا ہی کام تھا کہ تیرے حضور کھڑا کردیا، اب تجھے اختیار ہے' خواہ گمراہ کر' خواہ ہدایت بخش۔ چنانچہ حضرت کی دعا منظور ہوئی اور سب ہدایت کامل سے مستفیض ہوئے۔

(مخزن اخلاق، اعمال الصالحین ص ۳۰۸۔ تحفۃ الائمہ ص ۳۵۰)

خطیب' طعنہ وطنز سے پرہیز کرے

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''المؤمن مرآۃ المؤمن'' ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے۔ (ابوداؤد شریف ص ۳۱۷ ج ۲، باب فی النصیحۃ)

یعنی کوئی شخص اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھ لے تو چہرہ میں کوئی عیب یا داغ ودھبہ ہوتو وہ نظر آجاتا ہے اور انسان اس کی اصلاح کرلیتا ہے۔ اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے سامنے آنے کے بعد اس کو بتا دیتا ہے کہ تمہارے اندر فلاں بات ہے اس کو درست کرلو۔

پھر آئینہ کے ساتھ تشبیہ کی وجہ یہ بھی ہے کہ آئینہ عیب اور برائی صرف اس کو بتاتا ہے جس کے اندر وہ عیب ہوتا ہے اور جو اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح مؤمن کا کام یہ ہے کہ جس میں کمزوری ہو اس کو محبت اور پیار سے بتادے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، لیکن دوسروں کے سامنے اس کو ذلیل کرنا' رسوا کرنا' اس کی برائیاں بیان کرنا مؤمن کا کام نہیں۔

اسی طرح آئینہ' جتنا عیب ہے اس سے زیادہ نہیں بتاتا، یہ نہیں کہ چھوٹے سے عیب کو بڑا بنادے، بلکہ جتنا عیب ہو صرف اتنا ہی بتاتا ہے۔ مؤمن کی صفت بھی یہ ہونی چاہئے۔

اسی طرح آئینہ پچھلے عیبوں کو نہیں بتاتا، اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ مؤمن کے

پرانے عیبوں یا اس کی پچھلی زندگی کی برائیاں تلاش کر کے اس کو بدنام نہ کرے۔

اسی طرح آئینہ صرف اس کے سامنے آنے والے کا عیب بتاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی جماعت میں کوئی فرد ہے جس میں کوئی کمی ہے تو اس کی وجہ سے پوری جماعت کو عیب دار بنایا جائے' یہ مؤمن کی شان نہیں۔

اس حدیث میں بڑا سبق ہے کہ مؤمن دوسرے مؤمن کا خیر خواہ ہونا چاہئے نہ کسی برائی پر اس کو طعنہ یا طنز دے کر رسوا کرتا پھرے۔

آج ہمارے معاشرے میں طعنہ دینے کا رواج پڑ گیا ہے، بلکہ ''طنز'' با قاعدہ ایک فن بن گیا ہے اور اس کو ایک ہنر سمجھا جاتا ہے کہ کس خوبصورتی کے ساتھ کسی پر طعن وطنز کیا جائے۔ حتی کہ وعظ وتقریر میں بھی یہ کمال سمجھا جاتا ہے اور اس طرح طعنہ زنی کرنے والا صاحب کمال سمجھا جاتا ہے، لیکن اہل اللہ واہل بصیرت کی نظر میں یہ بڑا نادان ہے کہ اس نے ایک مؤمن کی دل آزاری کا کوئی خیال نہ رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وعظ سے اصلاح و تذکیہ مقصود ہی نہ رہا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ:

اللہ تعالی نے تقریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، کسی نبی کی زندگی میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملتی کہ انہوں نے اپنے مخالف یا کسی کافر کو طعنہ دیا ہو یا طنز کیا ہو، جو بات فرماتے وہ محبت وخیر خواہی سے فرماتے، کہ دوسروں کی اصلاح ہو۔

(اصلاحی خطبات ص۹۹ ج۱۱)

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: '' اذا زنت امۃُ احدِکم فَلْیَجْلِدْھا الحدَّ ولا یُثَرِّبْ علیھا ''یعنی باندی زنا کرے تو اس پر حد شرعی جاری کرو، مگر زبانی ملامت

اور طعن وتشنیع نہ کرو۔

(ترمذی، باب ماجاء فی اقامة الحد علی الامام ، رقم الحدیث:۱۴۴۰۔ابوداؤد، باب فی الامة تزنی ولم تحصن ، رقم الحدیث:۴۴۷۱)

بہت غور کا مقام ہے کہ ایک باندی کے زنا پر بھی طعن وتشنیع سے بچنے کا حکم فرمایا گیا، واقعی ہمیں اپنی حالت کا بہت اہتمام سے جائزہ لینا چاہئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ’’افسوس کہ خطاب اور کلام میں غلظت جس کو کفار کے مقابلے میں بھی اسلام نے اختیار نہیں کیا، آج کل کے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بے دھڑک استعمال کرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ تو اس کو دین کی خدمت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘۔

(معارف القرآن ص۴۲۲ ج۴،سورۂ توبہ)

اور ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

’’ہماری تبلیغ ودعوت اور اصلاحی کوششوں کو بے کار کرنے اور تفرقہ اور جنگ وجدل کی خلیج کو وسیع کرنے میں سب سے زیادہ دخل اس کو ہے کہ آج کل کے اہل زبان اور اہل قلم علماء نے عموما دعوت واصلاح کے پیغمبرانہ طریقوں کو نظر انداز کر کے صحافیانہ زبان اور فقرے چست کرنے ہی کو بات میں وزن پیدا کرنے اور مؤثر بنانے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ اور تجربے ومشاہدے سے واضح ہے کہ یہ ایک ایسا منحوس طریقہ ہے کہ اس سے خطا کار یا گمراہ کی اصلاح کی کبھی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔

یہ طریق کار ان کو ضد اور ہٹ دھرمی پر اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔ اور اصلاح کے بجائے دلوں میں دشمنی کے بیج بوتا ہے۔ اور عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔

ہاں اپنے ہوا خواہوں اور معتقدین کے لئے کچھ دیر کا سامان تفریح ضرور ہو جاتا ہے اور ان کی داد سخن دینے سے لکھنے والے بھی کچھ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے دین کی بڑی اچھی خدمت کی ہے''۔ (تحفۃ الائمہ ص ۶۹۵)

واعظ کو نرم مزاج اور خوش اخلاق ہونا چاہئے

لوگوں کو خیر کی طرف بلانے اور برائیوں سے روکنے والے حضرات کو جن عمدہ صفات سے متصف ہونا ضروری ہے ان میں سے نرم مزاجی اور خوش اخلاقی بھی ہے، تاکہ دوسروں پر پورا اثر ہو اور دوسرے اس کی بات پر فوراً لبیک کہیں۔

اور نرم مزاجی، بردباری اور رفق یہ ایسی صفات ہیں، جنہیں دعوت واصلاح اور تبلیغ دین میں لگنے والوں کا امتیازی وصف ہونا چاہئے، بلکہ نبی کریم ﷺ اس کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے صحابہ کے لئے اس سلسلہ میں آپ مقتدی ونمونہ تھے۔

بیہقی رحمہ اللہ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اچھی بات کا حکم دے تو اسے چاہئے کہ عمدگی سے دے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نرمی کسی چیز میں شامل نہیں ہوتی، مگر یہ کہ اسے زینت بخشتی ہے اور اسے کسی چیز سے بھی جدا نہیں کیا جاتا، مگر یہ کہ وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔

''مسلم شریف'' کی ایک روایت میں آتا ہے کہ: اللہ تعالی رفیق ومہربان ہیں اور رفق ونرمی کو پسند فرماتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتے ہیں جو سختی اور اس کے سوا کسی اور چیز پر عطا نہیں کرتے۔

برائی کی روک تھام کے سلسلہ میں فقہاء نے جو بنیادی نقطہ ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر

کسی برائی کو نرمی سے ختم کیا جا سکتا ہو تو سختی اختیار نہیں کرنی چاہئے۔

اس لئے مصلحین کو چاہئے کہ وہ برائیوں کی اصلاح کے لئے ان حکیمانہ اصول وقواعد کو سمجھیں اوران کی پیروی کریں اور حکمت سے کام لیں تاکہ ایسی غلطیوں میں گرفتار نہ ہوں جن کا نتیجہ برا نکلتا ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ جسے حکمت کی دولت دیدی گئی ہو تو واقعی اسے بہت بڑی بھلائی کا مالک بنا دیا گیا۔

ایک اعرابی کے مسجد نبوی میں پیشاب کرنے پر آپ ﷺ نے کس شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا۔

اسی طرح ایک نوجوان کی اجازت زنا کی درخواست پر آپ ﷺ سے کس حکمت و دانائی سے ان کے دل میں زنا کی برائی وقباحت بھر دی۔

اسی طرح حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ نے نماز میں کسی کی چھینک پر ’’یرحمک اللہ‘‘ کہہ دیا، اس پر آپ ﷺ کی نرمی ورفق کا کیا اثر ہوا، ان ہی کے الفاظ میں پڑھئے: فرماتے ہیں:

’’میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، میں نے آپ سے قبل اور نہ آپ کے بعد کوئی ایسا معلم دیکھا جو آپ سے زیادہ اچھے انداز سے تعلیم دینے والا ہو، بخدا نہ آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، نہ برا بھلا کہا، بلکہ یہ فرمایا کہ: یہ نماز ایسی عبادت ہے کہ جس میں لوگوں کی باتیں وغیرہ منع ہیں، نماز تو تسبیح وتکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت کا نام ہے‘‘۔

ان واقعات سے اہل علم وواعظین ناواقف نہیں ہوں گے۔

ایک واعظ کی سختی پر ابو جعفر منصور کا حکیمانہ جواب

ایک واعظ ابو جعفر منصور کے پاس گئے اوران سے بہت سخت باتیں کیں، تو ابو جعفر نے

کہا: جناب ذراسی نرمی کیجئے! اللہ تعالی نے آپ سے زیادہ بہتر شخصیت یعنی حضرت موسی علیہ السلام کو مجھ سے بدتر یعنی فرعون کے پاس بھیجا تو حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى ﴾۔

(سورۂ طٰہٰ، آیت نمبر:۴۴)

ترجمہ:...... پھر اس سے نرم گفتگو کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے۔

وہ صاحب اپنی فروگذاشت پر شرمندہ ہوئے اور سمجھ گئے کہ واقعۃً وہ حضرت موسی علیہ السلام سے افضل نہیں اور ابو جعفر فرعون سے کمتر نہیں ہیں۔

اللہ جل شانہ نے جب نبی کریم ﷺ کو مندرجہ ذیل، آیت سے خطاب فرمایا تو بالکل سچ فرمایا، اورشاد فرمایا:

﴿ فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم و شاورهم فى الامر ، فاذا عزمت فتوكل على الله ، ان الله يحب المتوكلين ﴾۔ (سورۂ آل عمران، آیت نمبر:۱۵۹)

ترجمہ:...... سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان کو نرم دل مل گئے، اور اگر آپ تندخو، سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے متفرق ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف کریں اور ان کے لئے بخشش مانگیں اور کام میں ان سے مشورہ لیں، پھر جب اس کام کا قصد کر چکیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (اسلام اور تربیت اولاد ص ۴۸۷ ج۱)

وعظ میں غضب کی گنجائش ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب العلم '' میں ایک باب قائم فرمایا ہے: باب : الغضب فى الموعظة والتعليم ' اذا رأى ما يكره '' اس کے تحت حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ

عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ: ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے جماعت کی نماز ملنی مشکل ہوگئی ہے، کیونکہ فلاں صاحب ہمیں لمبی نماز پڑھاتے ہیں، (اس پر راوی فرماتے ہیں کہ:) میں نے آپ ﷺ کو کسی وعظ میں اس دن سے زیادہ غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم لوگ تنفر پھیلاتے ہو، جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے وہ تخفیف کرے، اس لئے کہ ان نمازیوں میں بیمار، کمزور اور حاجت مند لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے یہی ہے کہ جن نصوص میں آپ کی رفق و شفقت کا بیان ہے ان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ غضب کی گنجائش نہیں بلکہ بعض مواقع میں غضب اور شدت نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

ہر جگہ شدت تیسیر کے منافی نہیں ہے، بعض اوقات اظہار ناراضگی وشدت بہت مفید ہوتی ہے۔

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ وعظ میں اظہار غضب جائز بلکہ واعظ کے لئے اظہار غضب مقصود ہوتا ہے تاکہ لوگوں میں بیداری پیدا ہو۔

ہاں یہ بات ضروری ہے کہ ہر موقع پر اظہار غضب مناسب نہیں، بلکہ جہاں واقعی موقع ہو وہاں اظہار ہونا چاہئے۔ (کشف الباری ص ۵۳۵، ج ۳ کتاب العلم)

فصل سوم: وعظ وتقریر کے آداب میں

وعظ کیسا ہو

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں دین کی سمجھ رکھنے والا حقیقی عالم نہ بتاؤں؟ یہ وہ عالم ہے جو لوگوں کو اللہ تعالی کی رحمت سے ناامید نہ کرے، اور نہ اللہ تعالی کی نافرمانی کی انہیں کھلی چھوٹ دے، اور نہ انہیں اللہ تعالی کی پکڑ سے بے خوف اور بے فکر ہونے دے، اور نہ قرآن کے علاوہ کسی اور چیز میں ایسا لگے کہ قرآن چھوٹ جائے۔ اس عبادت میں خیر نہیں ہے جس میں دینی علم نہ ہو، اور اس دینی علم میں خیر نہیں ہے، جسے آدمی سمجھا نہ ہو یا جس کے ساتھ پرہیزگاری نہ ہو، اور قرآن کی اس تلاوت میں کوئی خیر نہیں جس میں انسان قرآن کے معنی اور مطلب میں غور وفکر نہ کرے۔

(حیاۃ الصحابہ ص۲۰۹و۲۱۰ ج ۳، مطبوعہ دار القلم، دمشق۔ حیاۃ الصحابہ اردو ص۳۲۹/۳۳۰)

وعظ میں اللہ تعالی کی رحمت سے لوگوں کو ناامید نہ کرے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تو ان دونوں کو یہ ہدایات دیں کہ: آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا، اور ایک دوسرے کی بات ماننا، اور لوگوں کو خوشخبریاں سنانا اور لوگوں کو مت بھگانا۔

حضرت اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک آدمی پر گذر رہوا جو قوم میں وعظ کہہ رہا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے وعظ ونصیحت کرنے والے! لوگوں کو (اللہ تعالی کی رحمت سے) ناامید نہ کرنا۔

وعظ میں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے واقعات بیان کئے جائیں

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باجماع امت معصوم ہیں، اور صحابۂ عظام رضوان اللہ علیہم وہ جماعت ہیں جن کے متعلق اللہ تعالی نے رضا مندی کا پروانہ عطا فرمایا ہے، اس لئے وعظ وتقریر میں بکثرت ان حضرات کے ملفوظات و واقعات بیان کرنا چاہئے، خاص طور پر مجمع میں ہندو پاک کے علاوہ مثلاً عرب وغیرہ کا مجمع ہو تب تو اس بات کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہئے۔ ویسے بھی امت کے لئے قابل تقلید صحابہ کی جماعت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

’’جو آدمی کسی کے طریقے کو اختیار کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو دنیا سے جا چکے ہیں، اور وہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ہیں‘ جو اس امت کے سب سے بہترین اور سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف برتنے والے تھے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کے پھیلانے کے لئے چن لیا ہے، لہذا ان جیسے اخلاق اور ان جیسی زندگی گذارنے کے طریقے اپناؤ، رب کعبہ کی قسم! نبی کریم ﷺ کے یہ تمام صحابہ ہدایت مستقیم پر تھے۔

یہ افسوس کا مقام ہے کہ مواعظ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہی نہ ہوا یا ہو تو بھی شاذ و نادر۔ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمہ اللہ تاریخ کے ایک ایسے دور کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’مسلمانوں پر ایک ایسا وقت بھی آیا جب وہ اس تاریخ سے بے گانہ ہو کر اس کو

فراموش کر بیٹھے۔ ہمارے اہل وعظ وارشاد اور اہل قلم ومصنفین نے اپنی تمام تر توجہ اولیاء متأخرین کے واقعات اور ارباب زہد ومشیخت کی حکایات بیان کرنے پر صرف کردی اور لوگ بھی اس پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ وعظ وارشاد کی مجالس، درس وتدریس کے حلقے اور اس دور کی ساری تصانیف اور کتابیں ان ہی واقعات سے بھر گئیں، اور سارا علمی سرمایہ صوفیائے کرام کے احوال وکرامات کی نذر ہوگیا‘‘۔ (مقدمہ حیاۃ الصحابہ اردو ص۲۰ ج۱)

اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ حضرات اکابرین وصوفیائے عظام کے واقعات سنانا کوئی ناجائز اور قبیح امر ہے۔ بعض مواقع پر حضرات اکابر کے حالات و واقعات بھی سنانے چاہئے، خصوصاً جہاں لوگ اکابر سے عدم واقفیت کا شکار ہوں یا ان کے کارنامے سامعین کی نظروں سے اوجھل ہوں تو ان کے احوال کا سنانا بھی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ’’عند ذکرِ الصّالحین تنزِلُ الرّحمۃ‘‘۔

(الموضوعات الکبری ص۱۶۱، حدیث نمبر:۶۲۴)

صالحین میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، صحابۂ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور امت کے اکابرین سب ہی شامل ہیں۔

خطبۂ جمعہ میں بزرگوں کے ملفوظات سنانے سے احتراز کرنا چاہئے

اسی طرح اکابرین امت کے ملفوظات یقیناً دلوں کی تبدیلی اور تزکیہ نفس کے لئے بے حد مفید وکار آمد ہیں، مگر وعظ وتقریر میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ملفوظات وآثار کا سنانا اس سے بھی زیادہ مفید ہے۔ ہمارے یہاں بعض مجالس میں بزرگوں کے مواعظ وملفوظات کا اس قدر زور ہوگیا کہ بعض حضرات نے جمعہ کے خطبہ میں بھی تحمید وتسبیح اور چند احادیث پڑھنے کے بعد بزرگوں کے ملفوظات کا عربی میں ترجمہ

کر کے سنانا شروع کر دیا۔

پاکستان کے ایک شہر میں ایک بزرگ کی وفات کے بعد ان کی مسجد کے امام صاحب نے یہی سلسلہ شروع فرمایا تو کسی نے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں استفتاء بھیجا، حضرت نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ:

''اگر چہ خطبۂ جمعہ میں کسی بزرگ کا کوئی مفید مقولہ بیان کرنا شرعاً جائز ہے، لیکن ہر خطبے میں کسی ایک ہی شخص کے ملفوظات بیان کرنے کا التزام کرنے سے یقیناً غلو کا اندیشہ ہے، لہٰذا اسے حکمت اور نرمی سے روکنا چاہئے''۔ (فتاوی عثمانی ص ۵۲۹ ج ۱)

ہر طرح کی باتیں عوام میں بیان نہ کی جائیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب العلم'' میں ایک باب قائم کیا ہے: ''باب من خص العلم قوما دون قوم کراھیة ان لا یفھموا''، یعنی یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جو علم کو ایک جماعت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے دوسری جماعت کو وہ علم نہیں سکھاتا، اس خوف سے کہ یہ دوسری جماعت سمجھ نہیں پائے گی۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل فرمایا ہے کہ:

''حدثوا الناس بما یعرفون ، اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ''

یعنی ''لوگوں کو (دین کی) وہی باتیں بتاؤ جن کو وہ سمجھ سکتے ہوں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول جھٹلائے جائیں''؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس میں بہت سے علوم ہیں، بشرطیکہ ان کا سمجھنے والا کوئی ہو، یعنی میں ان کو اس لئے ظاہر نہیں کرتا کہ ان علوم کا کوئی متحمل نہیں۔ (آداب المعلمین ص ۴۸۔ تحفۃ الائمہ ص ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''ما انت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم الا كان لبعضهم فتنة''۔

(مقدمہ صحیح مسلم، باب النهى عن الحدث بكل ما سمع)

یعنی جب بھی تم کسی کو ایسی حدیث سناؤ گے جہاں تک اس کی عقل نہ پہنچ پائے تو اس کے لئے وہ آزمائش کا ذریعہ بن جائے گی۔ (کشف الباری ص ۵۶۵ ج ۴)

حضرت عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ما حدثت احدا بشئى من العلم قط لم يبلغه عقله الا كان ضلالا عليه''۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ص ۵۳۹، حدیث نمبر: ۸۸۹)

یعنی میں نے جب بھی کسی سے اس کی عقل سے اونچی بات کی وہ اس کے لئے غلطی اور گمراہی میں پڑنے کا باعث بن گئی۔ (کشف الباری ص ۵۶۵ ج ۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لقد حدثتكم باحاديث لو حدثت بها زمن عمر رضى الله عنه لضربنى بالدّرة''۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۰۰۳ ج ۲)

یعنی میں نے تمہیں وہ احادیث سنائی ہیں کہ اگر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ حدیثیں سناتا تو وہ میری درّے سے خبر لیتے۔ (کشف الباری ص ۵۶۵ ج ۴)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لا ينبغى للعالم ان يتكلم بالعلم عند من لا يطيقه''، یعنی عالم کے لئے مناسب نہیں کہ کسی کے سامنے ایسی بات کرے جس کا سمجھنا اس کی طاقت میں نہ ہو۔ (باادب بانصیب ص ۱۵۷)

حضرت یونس بن عبدالاعلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: امام شافعی رحمہ اللہ ہمارے سامنے ہماری سمجھ کے مطابق تقریر کرتے تھے، اس لئے ہم سمجھ جاتے تھے، اگر وہ اپنی عقل کے

مطابق فرماتے تو ہم بالکل نہ سمجھ پاتے۔

(حلیۃ الاولیاء؛ ذکر التابعین ص ۱۴۴ ج ۹، رقم: ۱۳۴۳۵۔ تحفۃ الائمہ ص ۲۶۷)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: طالب علم (یا مقتدی) کے سامنے ایسی بات نہ کی جائے جس کا وہ اہل نہ ہو ورنہ نقصان ہوگا۔ (تحفۃ الائمہ ص ۲۶۸)

علماء ہر بات عوام کو نہ بتائیں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ''بخاری شریف'' کے اس باب کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''معلوم ہوا کہ عالم کا کام یہ نہیں ہے کہ اس کو جو کچھ بھی معلوم ہے ہر جگہ اس کو بیان کرتا پھرے، یہ دیکھے بغیر کہ سننے والے اس بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں، اور اس سے کہیں فتنہ میں تو مبتلا نہیں ہو جائیں گے، کیونکہ ہر انسان کی فہم کی استطاعت جدا ہوتی ہے''۔

اصولوں کی رعایت ضروری ہے

ایک مولوی صاحب عوام کے مجمع میں گئے اور انہوں نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ: نبی کریم ﷺ جس روضۂ اقدس میں تشریف فرما ہیں وہ کعبہ اور عرش سے افضل ہے۔ اب یہ بات غلط نہیں تھی، صحیح تھی اس واسطے کہ جہاں رسول ﷺ کا جسد اطہر موجود ہے وہ مکان ہے جسد اطہر کے لئے، لہذا اس جگہ کو تلبس مکانی حاصل ہے، بخلاف کعبہ اور عرش کے کہ وہ اللہ تعالی کے لئے مکان نہیں ہیں، بلکہ ان کی اللہ تعالی کی طرف نسبت محض تشریفی ہے، لہذا مولوی صاحب کی یہ بات غلط نہیں تھی، لیکن جب عوام کے مجمع میں یہ بات کہی تو ان میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ اس بات کو سمجھ سکیں، اس لئے وہ مولوی صاحب کے پیچھے پڑ گئے کہ

یہ کیا کہہ دیا، یہاں تک کہ جھگڑا ہوگیا۔ میں نے کہا: بھائی! ایسی بات کرنے کی کیا ضرورت ہے، جس کا معلوم ہونا عوام کے لئے ضروری نہیں، نہ اس کے بارے میں ان سے سوال ہوگا، نہ ایمانیات وعقائد سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

دوسری بات یہ کہ ایسی جگہ جہاں لوگ اس کی حقیقت نہ سمجھتے ہوں اس طرح کی بات کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ کس وقت کون سی بات لوگوں کے سامنے کہی جائے' جس سے ان کو فائدہ ہو اور ان کے حق میں مضر نہ ہو، اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

ہمارے ہاں لوگ ان اصولوں کی بھی رعایت نہیں رکھتے، خاص طور پر فضائل اعمال میں بہت ساری حدیثیں آتی ہیں، بعض احادیث کا مفہوم لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کا انکار کردیتے ہیں، اب انکار کرنے کے نتیجہ میں- اللہ بچائے- تکذیب اللہ اور تکذیب رسول ﷺ تک بات پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(انعام الباری ص ۲۱۷/۲۱۸ ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعاء ین ، فاما احدھما فبثثتہ ، واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم۔ (بخاری شریف، کتاب العلم ، باب حفظ العلم)

یعنی میں نے حضور اکرم ﷺ سے دو وعاء (تھیلے) علم کے یاد کئے، سو دونوں میں سے ایک نوعِ علم تو میں نے پھیلادی، رہی دوسری نوع' سو اسے اگر پھیلادوں تو گلا کاٹ دیا جائے۔

''وعاء' برتن کو کہتے ہیں، یعنی دو قسم کی حدیثیں یاد کی تھیں، ہر قسم کی حدیث کو ایک 'وعاء'

سے تعبیر کیا۔(انعام الباری ص ۱۹۷ ج ۲)

اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: مثلا اس میں ظالم حکمرانوں کے نام تھے، یا فتنوں کا تذکرہ تھا، یا وہ روایات ہیں جن میں فساد دینی، تغیر احوال اور تضیع حقوق خداوندی کا ذکر ہیں، یا علم الاسرار وغیرہ۔(کشف الباری ص ۴۶۵ ج ۴)

وعظ کے دوران احادیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کی جائے

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب قائم فرمایا ہے:"باب : اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم "۔حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:اس باب سے مقصود یہی ہے کہ تبلیغ وتعلیم (وعظ وتقریر) میں نہایت احتیاط واہتمام لازم ہے۔

نبی کریم ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: لا تکذبوا علیّ ، فانه من کذب علیّ فلْیلجِ النّار۔یعنی مجھ پر جھوٹ مت باندھو، اس لئے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت مختلف الفاظ سے نقل کی ہے۔ایک روایت کے الفاظ ہیں: من کذب علیّ فلْیتبوّأ مقعده من النّار۔ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں: من تعمّد علی کذبا فلْیتبوّأ مقعده من النّار۔ایک روایت اس طرح ہے: من یقل علیّ ما لم اقل فلْیتبوّأ مقعده من النّار۔ایک اور روایت میں ہے: من کذب علیّ متعمّدا فلْیتبوّأ مقعده من النّار۔

ان تمام روایات کا خلاصہ یہی ہے کہ میری طرف غلط بات منسوب کرنا حرام ہے' چاہے وہ دین کی تائید میں یا تردید میں۔"فلیلج النار"اور"فلْیتبوّأ مقعده" یہ صیغے اگرچہ امر کے ہیں، لیکن ان کے معنی خبر کے ہیں، گویا حضور ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ جو شخص میری

طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ٹھکانہ دیں گے، جیسا کہ ''مسلم شریف'' کی روایت میں ''من یکذب علیّ یلجِ النّار '' آیا ہے۔اور ابن ماجہ کی روایت میں'' الکذب علیّ یولجِ النّار '' کے الفاظ ہیں۔

یہ بھی امکان ہے کہ اس سے تہدید اور تہکم مقصود ہو، گویا اس میں خبر مقصود نہیں، بلکہ سزا کا بیان مقصود ہے کہ اس فعل کے بدلہ میں جہنم کی سزا ملے گی۔

اسی طرح اس معنی کا امکان بھی ہے کہ جس طرح اس نے بالقصد کذب کا ارتکاب کیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بالقصد اپنے لئے ٹھکانہ بھی خود تلاش کرے۔

نیز بمعنی دعاء بھی مراد لے سکتے ہیں، گویا حضور اکرم ﷺ اس کے لئے بد دعا فرما رہے ہیں کہ جس نے کذب علی النبی ﷺ کے فعل شنیع کا ارتکاب کیا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ٹھکانہ دے۔

کیا کذب کی تعریف میں عمد کی قید ملحوظ ہے؟

ان روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر روایات میں تعمد کی قید نہیں، جبکہ بعض طرق میں یہ قید موجود ہے۔اس لئے اس بات میں اختلاف ہے کہ ''کذب'' کے اندر''عمد'' قید لازمی ہے، یا یہ کہ ''کذب'' عام ہے، عمداً یا عمداً نہ ہو؟

صحیح اور مختار قول اہل سنت کا ہے کہ '': کذب : الاخبار بالشی علی خلاف ما ھو' سواء کان عمدا أو خطأ'' کو کہتے ہیں۔(فتح الباری ص۲۰۱ ج۱)

حدیث شریف کا اطلاق تو عامد و خاطی اور ساہی و ناسی سب کو شامل ہے، البتہ اس بات پر اجماع ہے کہ عامد کے علاوہ باقی لوگوں پر گناہ نہیں ہے۔

(فتح الباری ص۲۰۱ ج۱۔عمدۃ القاری ص۱۵۲ ج۲)

یہاں اگر چہ ’’قول‘‘ کا ذکر ہے، فعل کا ذکر نہیں ہے، لیکن ’’فعل‘‘ بھی ’’قول‘‘ میں داخل ہے، کیونکہ ممانعت کی علت میں دونوں شریک ہیں، یعنی جس علت کی وجہ سے قول کی نسبت ممنوع اور حرام ہے، بعینہ وہی علت فعل کے ممنوع ہونے کی بھی ہے۔ پھر پیچھے جو احادیث گذر چکی ہیں ان میں عموم ہے، کیونکہ ان میں ’’من کذب علیّ ‘‘یا’’من تعمّد علیّ کذبا ‘‘ کے الفاظ ہیں، جن میں قول کے ساتھ فعل بھی داخل ہے، لہذا اگر کوئی کام حضور اکرم ﷺ نے نہ کیا ہوتو اس کے بارے میں’’فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ‘‘ کہنا ایسا ہی گناہ اور مستوجب وعید ہے جس طرح ایسی بات کے بارے میں’’قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ‘‘ کہنا جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے! کشف الباری جلد چہارم، کتاب العلم ، باب : اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وعظ وتقریر میں مسائل نہیں بیان کرنے چاہئے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے کہ:

پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ علماء وعظ میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے‘ صرف ترغیب وترہیب پر اکتفا کرتے ہیں، اپنے بزرگوں پر بھی یہی شبہ تھا، لیکن پھر تجربہ سے معلوم ہوا کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک نہیں ، بالخصوص اس زمانے میں جب کہ بدفہمی کا بازار گرم ہے، مگر ترغیب دینا مناسب ہے، ترغیب ہی دینا چاہئے۔

یہ تجربہ مجھ کو لکھنؤ کے ایک وعظ میں ہوا ، میں نے چند مسئلے ایک دم بیان کر دیئے، سامعین میں بعض مسائل میں اختلاف ہو گیا، میرے پاس مکرر تحقیق کے لئے آئے ، معلوم ہوا کہ قلت فہم یا سوء حفظ سے کسی مقدمہ کا مقدم دوسرے کی تالی سے جوڑ دیا‘ وبالعکس، اس

لئے گڑبڑ ہوگئی۔ اور جب خود واقعہ پیش آئے گا تو اس کے پوچھنے میں صرف واقعہ نظر میں ہوگا، اس میں غلط نہیں ہوسکتا۔ (الافاضات الیومیہ ص ۳۷ ج ۶۔ تحفۃ العلماء ص ۱۸۹ ج ۲)

وعظ میں برائی کا زیادہ تذکرہ نہ کریں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے:

''ان لله عبادا یمیتون الباطل بهجره ویحیون الحق بذکره''

یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جو باطل کو ختم کرتے ہیں اس کے چھوڑنے کے ساتھ اور حق کو زندہ کرتے ہیں اس کے ذکر کے ساتھ۔

(حلیۃ الاولیاء، ذکر الصحابۃ من المهاجرین ص ۹۲ ج ۱، رقم ۱۵۴۔ تحفۃ الائمہ ص ۲۶۸)

جس برائی سے روک رہے ہوں، وہ متفق علیہ برائی اور امر منکر ہونا چاہئے

جن امور میں اہل علم و مصلحین کے دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہوسکتا، یہ بھی ہے کہ جس برائی و منکر سے مسلمان روک رہا ہے، وہ ایسی برائی ہو جس کے برا ہونے پر فقہاء و مجتہدین متفق ہوں، لیکن اگر کوئی امر ایسا ہو جس میں قابل اعتماد مجتہدین کا اختلاف ہو تو شریعت کی نظر میں وہ امر منکر شمار نہ ہوگا۔

اس لئے کسی حنفی المذہب کو اجتہادی مسائل میں شافعی المذہب پر نکیر نہیں کرنی چاہئے، اور اسی طرح کسی حنبل المذہب کو کسی مالکی المذہب پر اعتراض و نکیر نہیں کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ ان تمام ائمہ میں سے ہر امام حجت و دلیل کے ساتھ صحیح حکم اور حقیقت تک پہنچنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔

اور ان ائمہ میں سے ہر امام نے اپنے مذہب کی آبیاری شریعت کے مشہور و معروف مصادر و مراجع: قرآن، سنت نبویہ، اجماع اور قیاس سے کی ہے، اس لئے ایسی صورت میں

کسی دوسرے مذہب کے پیروکار پر نکیر کا کیا مطلب؟ جب کہ وہ ایک امام کی پیروی کررہا ہے، جو علم کا پہاڑ اور تقوی وورع میں مقتدی اور ذکاوت وفہم اور مہارت میں آیت اللہ ہے۔

اور یہ مثل تو پہلے سے چلی آرہی ہے کہ:''من قلّد عالماً لقی اللّٰه سالماً'' جو شخص کسی عالم کی تقلید کرلے گا وہ اللہ تعالی سے صحیح وسالم ومحفوظ رہ کر ملاقات کرے گا۔

برائی کا تذکرہ خطاب عام سے ہو

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نہی عن المنکر کی تبلیغ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے عام مجمع میں معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کے فسادات اور خرابیاں خوب کھل کر بیان کی جائیں، البتہ خطاب عام میں بھی اس بات کی رعایت نہایت ضروری ہے کہ انداز بیان میں ایسی درشتی اور تیزی نہ ہو جس سے سننے والوں کو وحشت ہو اور وہ اپنی توہین محسوس کریں، بلکہ خطاب' محبت' شفقت اور درد دل کے ساتھ ہو، اس لئے کہ دل سے نکلنے والی باتوں میں زیادہ اثر ہوتا ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اور ع

از دل خیزد بر دل ایزد
دل سے نکلنے والی بات دل پر ہی گرتی ہے''۔

(احسن الفتاوی ص۱۱۲ ج۹)

وعظ میں بلاضرورت الفاظ کی تکرار باعث اکتاہٹ ہے

واعظ کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ بلاضرورت ہر بات کو بار بار بیان نہ کیا کرے،

اسی طرح الفاظ کی تکرار سے بھی پرہیز کرے۔

ابن سماک تقریر کررہا تھا، اس کی باندی گھر بیٹھی سن رہی تھے، وہ تقریر سے فارغ ہوکر گھر آیا اور باندی سے پوچھا: میری تقریر کیسی رہی؟ اس نے جواب دیا: تقریر تو بہت اچھی تھی، مگر ایک بات کو بار بار دہرانا پسند نہیں آیا، ابن سماک نے کہا: میں بار بار اس لئے دہرا رہا تھا تاکہ جو نہیں سمجھا وہ سمجھ جائے، باندی نے کہا: جب تک نہ سمجھنے والوں کو آپ سمجھاتے رہے' اس وقت تک سمجھنے والے اکتاتے رہے۔

(عیون الاخبار ص ۱۷۸ ج ۲۔ کتابوں کی درس گاہ میں ص ۱۵۱)

نہی عن المنکر بھی ہو اور کسی کا دل بھی نہ توڑو' اس تعارض کی تطبیق

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

"بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جارہا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو، دوسری طرف یہ کہا جارہا ہے کہ دوسرے مسلمان کا دل نہ توڑو۔ اب دونوں کے درمیان تطبیق کس طرح کی جائے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہوگی کہ جب دوسرے شخص سے کوئی بات کہو تو خیر خواہی سے کہو، تنہائی میں کہو، نرمی سے کہو، محبت سے کہو اور اس انداز میں کہو کہ جس سے اس کا دل کم از کم ٹوٹے۔ مثلاً تنہائی میں اس سے کہے کہ بھائی! تمہارے اندر یہ بات قابل اصلاح ہے، تم اس کی اصلاح کرلو، لیکن طعنہ کے انداز میں کہنا یا لوگوں کے سامنے برسر بازار اس کو رسوا کرنا، یہ چیز انسان کے دل میں گھاؤ ڈالدیتی ہے، اس لئے حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ (اصلاحی خطبات ص ۹۴ ج ۱۱)

فصل چہارم: وعظ ونصیحت کے متعلق اکابر کے چند فتاوی

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاوے

وعظ میں خطاب کا طریقہ

سوال:......اکثر علماء مخاطب' تم سے کرتے ہیں کہ تم نے ایسا کیا، تم نے ایسا کیا تو عذاب نازل ہوا۔ تو کیا ان کو مغفرت کا پرمٹ مل چکا ہے؟

جواب:......اس طرح مجمع کو خطاب کرنا جس سے تمام قصور اور گناہ سامعین کا معلوم ہو اور واعظ صاحب اپنے آپ کو بے قصور اور سب سے اعلی بے گناہ سمجھتے ہوں درست نہیں۔ ایسے وعظ کا اچھا اثر نہیں پڑتا۔

جلسہ میں غزل ونعت پڑھنا

سوال:......ہمارے ملک میں جلسہ میں تقریر سے پہلے غزل' قوالی' نعت وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:......نعت پڑھنے کی اجازت ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ قوالی کی اجازت نہیں۔ ''فتاوی بزازیہ'' میں اس کو ناجائز لکھا ہے۔

تقریر میں سونے والوں کو جگانا

سوال:......علماء کرام تقریر کے لئے اٹھے، سامعین کی طرف نگاہ ڈالی، سب کے سب نیند میں اونگھ رہے تھے۔ نیند اڑانے کے لئے کچھ ایسی بات بولے کہ سب کی نیند ٹوٹ گئی، حدیث وقرآن کی طرف دل رجوع ہوا، اور قرآن وحدیث سنانے لگے۔ اس پر کیا فتوی

ہے؟

جواب:……نیند سے جگانا اور جگا کر حاضرین وسامعین کو وعظ سنانا درست ہے، مگر اس مقصد کے لئے غلط اور خلاف شرع بات نہ کہے۔

غیر عالم کا تقریر کرنا

سوال:……غیر عالم کا تقریر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:……غیر عالم کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ کتاب پڑھ کر سنادے، مستقل تقریر نہ کرے، کیونکہ عامۃً حدود کی رعایت نہیں کر پاتا، اگر حدود کی رعایت کرے اور جو بات کہے مستند کہے تو اس کو اجازت ہے۔

غیر عالم کی تقریر سننا

سوال:……یہاں کے مسلمانوں نے ایک بیرونی مقرر کو بلایا، جن کی تقریر سے بدعقیدہ لوگوں کے عقیدے درست ہوگئے، بے نمازی' نمازی بن گئے، بے داڑھی والے' داڑھی والے بن گئے، عورتوں' بچوں' علماء وعوام مردوں سب ہی نے ان تقریروں کو دلچسپی سے سنا، ہر بات قرآن وحدیث وفقہ کے دلائل سے مبرہن ہوتی ہے۔ بہت سادہ اور شیریں بیان رہا، لیکن اس کے باوجود مقرر محترم لکھنے' پڑھنے کی استعداد مکمل نہیں رکھتے۔ قرأت وار دو کا تلفظ صحیح نہیں ہے۔ گجراتی لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ اردو بالکل نہیں آتی، البتہ اردو کی کتاب لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ دینی مطالعہ بہت وسیع ہے۔ کبھی یہ صاحب قوال تھے، اب اللہ رب العزت نے ان کا رخ اپنی طرف موڑلیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پڑھ کی تقریر سننا اور ان کی تقاریر میں شرکت کرنا درست نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:……وعظ واصلاح اصالۃً صاحب باطن علماء حقانی کا منصب اور فریضہ ہے۔ غیر

عالم عامۃً حدود کی رعایت کرنے اور حق و باطل میں تمیز کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ آج کل صحیح علم دین عمومی طور پر تو باضابطہ محقق علماء کی خدمت میں رہ کر کتابیں پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے، کبھی محض اکابر کی صحبت اور مطالعہ کتب سے بھی کافی علم آجاتا ہے اور طبیعت میں سلامتی ہو اور غباوت وغوایت سے حق تعالی محفوظ رکھے تو یہ علم بھی جو کہ محض اکابر کی صحبت سے حاصل ہوا ہے' بہت نافع ہو جاتا ہے، پھر صحبت اکابر سے قوت مجاہدہ بھی بیدار ہو جائے تو ایسے علم والے کے سامنے اکابر علماء بھی جھکتے اور اس کی صحبت وتذکیر کو اکسیر سمجھتے ہیں۔ اس کی نظیریں ماضی قریب و بعید میں بھی موجود ہیں، اور زمانہ حال بھی خالی نہیں، حضرت گنگوہی' حضرت نانوتوی' حضرت تھانوی رحمہم اللہ بڑے اونچے درجے کے محقق و مستند علماء تھے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی صحبت سے وہ چیز حاصل کی جو مدرسہ میں ان کو نہیں ملی تھی، لیکن ایسی نظیریں خال خال ہوتی ہیں۔ پس اگر مقرر موصوف کو خدائے پاک نے اپنی رحمت سے تذکیر و تاثیر سے نوازا ہے اور علماء ان کی تقریر و تحریر کو اصول شرع کے مطابق صحیح اور ان کے حوالجات کو معتبر فرماتے ہیں تو ضرور ان کا وعظ سننا اور تقریر سے مستفید ہونا چاہئے۔

مقرر کو نبی پر قیاس کرنا

سوال:...... بار بار تقریر سے لوگ فائدہ نہ اٹھائیں تو اگر کوئی مقتدی یہ کہے کہ: کہنے والوں میں اخلاص نہیں۔ اس کے جواب میں امام مسجد یہ کہے کہ: ایسا کہنے سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضور ﷺ پر اعتراض ہوگا کہ ان میں بھی اخلاص نہیں تھا' جس کی وجہ سے ابو جہل اور دیگر کفار ایمان نہیں لائے، تو مقتدی کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:...... ہر مقرر کو نبی پر قیاس کرنا صحیح نہیں، نہ ہر مقرر کو غیر مخلص کہا جا سکتا ہے۔

اپنی نصیحت پر خود عمل

سوال:......مندرجہ ذیل واقعہ حضور ﷺ کا ہے یا کسی امام یا بزرگ کا؟ کہ:

’’ایک بڑھیا ان کے پاس آئی اور کہا کہ: میرا لڑکا گڑ بہت کھاتا ہے، نصیحت فرمادیجئے! جواب میں فرمایا: میں بھی گڑ کھاتا ہوں، پہلے میں کھانا ترک کردوں‘ تب نصیحت کروں گا، پہلے انہوں نے کھانا چھوڑا، پھر نصیحت فرمائی‘‘

جن صاحب کا واقعہ ہو تفصیل سے بیان کردیجئے!

جواب:...... یہ واقعہ حضور ﷺ کا نہیں اور کسی بزرگ کا ہوگا۔ فی نفسہ یہ بات صحیح ہے کہ دوسرے کے حق میں نصیحت کارگر جب ہوتی ہے کہ ناصح خود بھی اس پر عامل ہو۔

غیر تعلیم یافتہ شخص کی تقریر

سوال:......ایک شخص تعلیم یافتہ نہیں ہے، اس شخص کی تقریر معتبر ہے یا نہیں؟

جواب:......بغیر تقریر سنے کیسے بتایا جائے کہ ان کی تقریر سننا کیسا ہے؟

بے عمل واعظ کا حکم

سوال:......جو خود امر و نہی پر عامل نہ ہو‘ دوسروں کو تلقین و ترغیب دے، اس کے بارے میں کیا وعید ہے؟

جواب:......وہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے۔ حق تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ جو واعظ‘ وعظ کہتے ہیں‘ خود عمل نہیں کرتے‘ آگ کی قینچی سے ان کے ہونٹ کاٹے جائیں گے۔

جس کو وعظ کہنا ہو اس کو تو زیادہ فکر کی ضرورت ہے، کیونکہ بقول شخصے ؎

کہا اس کا ہرگز نہ مانے گی دنیا جو اپنی نصیحت پہ عامل نہ ہوگا

وعظ جب ہی مؤثر ہوتا ہے جب خود بھی واعظ باعمل ہو، جتنے لوگ وعظ پر عمل کریں گے اتنا ہی واعظ کے اجر میں اضافہ ہوگا۔

وعظ کہہ کر چندہ مانگنا

سوال:...... مسجد میں وعظ وتقریر فرما کر بعد میں جو چندہ کی وصولی کی جاتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:...... وعظ کہہ کر مسجد میں چندہ مانگنا اچھی بات نہیں، یہ پیشہ وروں کا کام ہے، اس سے وعظ کا اثر نہیں ہوگا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اصل مقصود چندہ مانگنا اور پیشہ کی خاطر وعظ کو اس کا ذریعہ بنا رکھا ہے، اس لئے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

وعظ ریڈیو لاؤڈ اسپیکر سے

سوال:...... ریڈیو میں وعظ کہنا شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب:...... وعظ سے مقصود چونکہ صرف اعلان وافہام ہی ہوتا ہے، اس لئے اگر دور والے نہ سن سکیں تو مقصود فوت ہو جائے گا، اس لئے ان کو عربی میں کوئی تغیر کرنا' مثلاً عربی زبان چھوڑ کر حاضرین کی زبان میں کہنا' یا لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے آواز بلند کرنا موجب کراہت نہ ہوگا۔ زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو تو مفتی شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کے رسالہ جس میں اس کی تفصیل وتحقیق مذکور ہے دیکھئے!

بغیر سامعین کے لاؤڈ اسپیکر پر وعظ کہنا

سوال : ...... ہمارے یہاں ایک امام صاحب فجر کی اذان کے بعد اور نماز سے قبل لاؤڈ اسپیکر میں اپنے کمرہ میں بیٹھ کر جبکہ سامعین بھی ان کے سامنے نہیں ہوتے' وعظ کہتے

ہیں۔ایسے ہی کبھی عشاء کے بعد بھی لوگ اپنے اپنے گھروں میں اور اپنی اپنی جگہ سے سنتے رہتے ہیں۔

جواب:......وعظ کا یہ طریقہ غیر موزوں ہے،اس میں نہ وعظ کا احترام ہے' نہ واعظ کا،نہ ہی وعظ وتذکیر کے فوائد مرتب ہوتے ہیں' جو کہ سامعین کے قلوب کے قلب واعظ سے ربط کی بناء پر مرتب ہونے چاہئیں۔

مردوں کا ٹیپ عورتوں کے لئے،عورتوں کا مردوں کے لئے

سوال:......جو عورتیں' مرد سے پردہ کرتی ہیں' ان کو غیر مرد کا ریڈیو ٹیپ ریکارڈ میں سننا جائز ہے یا نہیں؟ عورتیں گنہگار رہیں یا نہیں؟

جواب:......اگر ریڈیو میں تقریر آئے' جو ضروری امور پر مشتمل ہو،اس کا سننا عورتوں کو درست ہے۔مردوں کی آواز عورتوں کے حق میں منع نہیں۔عورتوں کا ٹیپ مردوں کو نہیں سننا چاہئے۔

عورت کی تقریر لاؤڈ اسپیکر پر

سوال:......مستورات کو لاؤڈ اسپیکر پر بیان کرنا رات میں جائز ہے یا نہیں؟ عورتوں کی آواز گھر سے باہر نکلنی چاہئے یا نہیں؟

جواب:......اگر صرف مستورات کا مجمع ہو اور آواز نامحرموں تک نہ پہونچے' تو عورت کا وعظ کہنا اور اپنی بات بتانا درست ہے۔

کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا

سوال:......اکثر علماء مسجد کے اندر کرسی کے پائے دھلوا کر اور مسجد کے اندر کرسی پر بیٹھ کر

وعظ کہتے ہیں۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ: کرسی پر وعظ کہنا ناجائز ہے،لہذا ان لوگوں کو شریعت کی روشنی میں مطلع فرمائیے کہ کرسی پر بیٹھ کر مسجد کے اندر علماء کا وعظ کہنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:......''مسلم شریف'' ص ۲۸۷ ج ۱ر میں حضرت نبی اکرم ﷺ کا مسجد میں کرسی پر تشریف فرما کر دین کی باتیں ارشاد فرمانا مذکور ہے۔کرسی کے پائے لوہے کے معلوم ہوتے تھے۔''الادب المفرد'' ص ۲۱۰ر میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے' جو حدیث شریف سے ثابت ہے،اس پر اعتراض کرنا عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔

وعظ سنتے وقت وظیفہ میں مشغول ہونا

سوال:......کسی عالم کی تقریر کے وقت یا درس حدیث یا کسی دینی کتاب پڑھنے کے وقت اپنے وظیفہ یا کلمہ سوم' استغفار' درود شریف میں مصروف رہنا خلاف اولی تو نہیں؟

جواب:......اس طرح نہ تو تقریر کا پورا فائدہ حاصل کرسکتا ہے' نہ وظیفہ کی طرف پوری توجہ ہو سکتی ہے، بلکہ دونوں کام ادھورے رہتے ہیں۔(فتاوی محمودیہ ص ۱۱۲ تا ۱۲۴ ج ۶، ترتیب جدید)

غیر عالم معتبر کتابوں سے تبلیغ کا کام کرسکتا ہے

سوال:......تبلیغ کا کام اگر کوئی شخص اردو' فارسی خواں کتاب دیکھ کر بیان کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص کو دلچسپی ہے اور اکثر اشخاص کو امر معروف' نہی منکر کرتا ہے، اور کئی سال سے دینیات سے شوق ہے،تو ایسا شخص کسی کو وعظ و پند وغیرہ کہنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

جواب:......اگر یہ شخص خود عالم نہ ہو تو تبلیغ کا کام کتابوں سے کرسکتا ہے،مگر صرف کتابیں سنا دے، اپنی طرف سے کچھ بیان نہ کرے اور کتابیں بھی معتبر اور معتمد علیہ ہوں۔

''ثم انه كان يامر و ينهى من كان عالما بما يامر به وينهى عنه ، وذلك يختلف باختلاف الشئ ' فان كان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة كالصلوة

والصيام والزنا والخمر ونحوها ، فكل من المسلمين عالم بها ' وان كان من دقائق الافعال والاقوال وما يتعلق بالاجتهاد فلم يكن للعوام مدخل فيه''۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۳۲۹ ج۹)

فحش گو فسادی وعظ کرنے کے لائق نہیں

سوال:......فحش گو' گالیاں دینے والا' بہتان تراش' وعظ کہہ سکتا ہے؟ (خلاصۂ سوال)

جواب:......ایسا شخص اس لائق نہیں کہ اس کو وعظ کی اجازت دی جائے ، وعظ وتذکیر کا مقصود لوگوں کی اصلاح اوران کے اخلاق کی درستی ہے،ان میں اسلامی اتفاق واتحاد پیدا کرنا واعظ کا پہلا فرض ہے۔ (کفایت المفتی ص۳۷ و۴۷ ج۲، دارالاشاعت کراچی)

وعظ کہنے کا حق دار کون ہے؟

وعظ کے لئے پہلی شرط عالم ہونا ہے:''الامر بالمعروف يحتاج الى خمسة اشياء: اولها العلم لان الجاهل لا يحسن الامر بالمعروف''۔(فتاوی عالمگیری ص۳۵۳ ج۵)

جو عالم نہ ہو اور عربی وفارسی کی تعلیم باقاعدہ حاصل نہ کی ہو،تفسیر قرآن اوراس کے اصول،علم حدیث اورعلم فقہ اوراس کے اصول وقوانین سے واقف نہ ہو، وہ وعظ کہنے کا اہل نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ''القول الجمیل''میں فرماتے ہیں:

''محدثا ' مفسرا ' عالما بجملة كافية من اخبار السلف الصالحين وسيرتهم''

یعنی وعظ کے لئے ضروری ہے کہ قرآن' حدیث' تفسیر کا اچھی طرح عالم و ماہر ہو اور سلف صالحین' تابعین' تبع تابعین' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے صحیح حالات اورسیرت کا علم رکھتا ہو،صحیح' ضعیف اورموضوع حدیث میں امتیاز کرسکتا ہو۔اور یہ سب علوم کامل استاذ کے

پاس سیکھے ہوں۔

اور فرماتے ہیں کہ: وعظ گوئی کا عہدہ معمولی نہیں۔ اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو فرمایا: ﴿ فذكّر انّما انت مذكّر ﴾ آپ ﷺ سمجھاتے رہئے! آپ کا کام سمجھانا ہے۔

اور حضرت موسی علیہ السلام کو فرمایا: ﴿ وذكرهم بايام الله ﴾ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تذکیر اور وعظ دین کا بڑا اور عظیم الشان رکن ہے۔ دین کے معاملہ میں ہر کسی کا اعتبار نہ کیا جائے، دین' احکام' پہنچانے کا معمولی کام نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ''التذكير على المنابر للوعظ والا تعاظ سنة الانبياء والمرسلين' وللرياسة والمال وقبول عامة من ضلا لة اليهود والنصارى''۔

(درمختار مع الشامی ص۳۷۲ ج۵)

یعنی وعظ ونصیحت کے لئے منابر اور تخت پر براجمان ہونا (تشریف رکھنا) تو انبیاء اور مرسلین کی سنت وطریقہ ہے، مگر ریاست و مال اور عزت وقبولیت عامہ اور ناموری کے لئے کرنا' یہود اور نصاری کی گمراہیوں میں سے ہے۔

حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' ويحك كن عاقلا ' لا تزاحم القوم بجهلك بعد ما خرجت من الكتاب صعدت تتكلم على الناس ' هذا امر يحتاج الى احكام الظاهر واحكام الباطن ' ثم الغنى عن الكل ''۔

یعنی تجھ پر افسوس' سمجھ دار بن! اپنی جہالت لے کر حکماء امت واعظین کی صف میں مت آ، تو مدرسہ سے نکلتے ہی (منبر پر) چڑھ بیٹھا کہ لگا لوگوں کو عظ کہنے، اس (وعظ گوئی) کے لئے اول ضرورت ہے ظاہری اور باطنی مضبوطی کی (کہ اعمال وعقائد دونوں موافق شرع ہوں) اس کے بعد سب سے مستغنی ہونے کی۔ (فتح ربانی ص۴۳۸ م ۵۹)

اورفرماتے ہیں:’’ اعمی : کیف تداوی اعین الناس ، اخرس : کیف تعلم الناس ، جاھل : کیف تقیم الدین ، من لیس بحاجب : کیف یقیم الناس الی باب الملک‘‘

تو خود اندھا ہے‘ پھر لوگوں کی آنکھوں کا علاج کیونکر کرے گا، تو گونگا ہے‘ پھر لوگوں کو تعلیم کس طرح دے گا‘ اور تو جاہل ہے پھر دین کو کس طرح درست کر سکے گا۔ جو شخص دربان نہ ہو وہ لوگوں کو شاہی دروازہ تک کیونکر پیش کرسکتا ہے؟۔(فتح ربانی ص ۷۸ م ۶۱)

نااہل واعظین کو قوم کی اصلاح کا کام سپرد کرنا، آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:’’اذا وُسّد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ‘‘یعنی جب اہم امور نااہل کو سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کریعنی سمجھ لوکہ قیامت قریب ہے۔(بخاری، پ ا ص ۱۴)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جو قرآن کا مطلب اپنی رائے سے بیان کرے، اگر صحیح کرے گا تب بھی خطاوار ہے۔(مشکوۃ ص ۳۵)

اپنی رائے سے بیان کرنے والا عالم‘ فاضل بھی آنحضرت ﷺ کے نزدیک خطاوار ہے‘ تو بسبب ناواقفیت قرآن وحدیث کا مطلب غلط اور خلاف مراد بیان کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہونا چاہئے؟ مطلب یہ کہ نام کے مولوی اور پیشہ ور جاہل واعظین سے ضرور بچنا چاہئے۔(فتاوی رحیمیہ ص ۳۶۴ ج ۲)

مبلغین حضرات‘ بیان ووعظ میں خوب احتیاط کریں

تبلیغ کے اصولوں میں سے یہ تو بہت اہم اور مشہور اصول ہے کہ مبلغین چھ نمبروں سے باہر نہ جائیں، اپنی بات چھ نمبروں میں کریں۔مگر افسوس مبلغین اور ملکوں کے ذمہ داروں تک اس اصول کی خلاف ورزی میں مبتلا ہیں۔ بلکہ اب تو یہ حال ہو رہا ہے کہ ہر چار مہینے

لگانے والا بیان کرنے میں خود مختار ہے، جو زبان پر آیا بے دھڑک بول دیا۔ارباب شوری اور ذمہ داروں سے، مدارس و مکاتب، خانقاہوں، تصنیف و تالیف، وعظ وتقریر کے متعلق ایسے جملے راقم کے کان نے خود سنے جنہیں نقل کرنے تک کی ہمت نہیں۔بیانوں میں بے سند واقعات، ضعیف احادیث تو گویا بیان کا لازمی جز ہیں۔ان باتوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مولانا سعید احمد خانصاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''اللہ تعالی ہمیں صحیح اصول سکھلادے اور اخلاص عطا فرمادے۔ہم اپنے بیانوں میں بڑی غلطی اور بے اصولی کرتے ہیں۔بہت سنبھل کر بات کہنے کی ضرورت ہے۔ایسی حدیث نہ بیان کی جائے جو علماء میں مقبول نہ ہو، ایسا واقعہ نہ بیان کیا جائے جو بے سند ہو اور اس کی تصدیق نہ ہو اور علماء میں مشہور نہ ہو۔کسی پر تنقید نہ ہو، اور کسی پر اعتراض نہ پڑے، نہ جماعتی حیثیت سے نہ انفرادی حیثیت سے۔تو انشاء اللہ ہر ایک مستحسن سمجھے گا، اور بے اختیار اس کام کی طرف بڑھے گا''۔(ذکر صالحین ص۸۷ ج۳)

بعض مبلغین حضرات کے بیان کے غلو آمیز جملے

(۱):......اس راستے میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ہے۔

جواب:......اول تو ایسی کوئی صریح حدیث نہیں ملی جس میں کسی عمل کا ثواب انچاس کروڑ بتلایا گیا ہو، البتہ ایک حدیث میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ اور دوسری حدیث میں اعمال کا ثواب سات سو گنا بتلایا گیا ہے، اس طرح سات لاکھ کو سات سو میں ضرب دینے سے انچاس کروڑ بن جاتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ یہ دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں، اس لئے ان سے استدلال اور ان کے ضعف پر تنبیہ کئے بغیر ان کی تشہیر عام طور پر جائز نہیں۔دوسرے اگر دونوں حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو ''فی سبیل اللہ''

کے مفہوم میں درس وتدریس، تحصیل علم، وعظ ونصیحت، اصلاح باطن، دعوت وتبلیغ، خواہ تبلیغی جماعت کے ذریعہ ہو یا کسی اور طریق سے، سب کے لئے یہ ثواب ثابت ہوگا۔

(۲):...... چھ نمبرات کو بیان کرتے وقت دوسرا کوئی عمل قابل قبول نہیں خواہ تلاوت ہو یا کوئی اور نیک عمل ہو۔

جواب:...... یہ جملے کہنا بدترین گمراہی اور سخت غلو اور جہالت کی بات ہے، جس سے توبہ واجب ہے، اور آئندہ ایسا طرز عمل اختیار کرنے سے گریز لازم ہے۔

(۳):...... بیت اللہ شریف پر رائے ونڈ کی فضیلت زیادہ ہے، کیونکہ رائے ونڈ میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ ہے اور بیت اللہ شریف میں ایک لاکھ۔

جواب:...... یہ بھی بدترین غلو ہے، اگر دونوں حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں حج وعمرہ کا سفر بھی شامل ہے، تو اس کو مذکورہ اجر کے علاوہ بیت اللہ شریف کی فضیلت یعنی ایک لاکھ گنا ثواب ملنے کی فضیلت بھی حاصل ہوگی، اور رائے ونڈ جانے پر بیت اللہ شریف والی فضیلت حاصل نہیں ہوگی، اس طرح بیت اللہ کا ثواب انچاس کروڑ سے بے شمار گنا بڑھ جائے گا۔

(۴):...... کئی حضرات پورے دین کا انحصار اسی ایک راستے میں کرتے ہیں کہ دنیا میں دین پھیلانا ہو یا ایمان بنانا ہو تو اس راستے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

جواب:...... اشاعت دین اور تبلیغ دین کسی بھی جائز طریقہ سے ہو، درست اور معتبر ہے، تبلیغی جماعت کے ساتھ مل کر تبلیغی جماعت کے اصول وقواعد کی روشنی میں تبلیغ کرنا کوئی فرض وواجب نہیں۔ نیز تبلیغ دین، تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کرنے میں شرعاً منحصر نہیں، جو کوئی ایسا سمجھتا ہے یہ اس کی جہالت ہے یا غلو ہے جو کھلی گمراہی ہے۔

ضروری تنبیہ

واضح ہو کہ سوال میں تبلیغی جماعت کے جن بعض افراد کا حال تحریر کیا گیا ہے' ان کا یہ انفرادی حال اور انفرادی طرز عمل ہے' جوان افراد کی نادانی' جہالت اور تبلیغ کی شرعی حقیقت سے ناواقف ہونے پر مبنی ہے، ان کی اس نادانی اور جہالت کی وجہ سے پوری تبلیغی جماعت کو غلط سمجھنا اور ان جیسا سمجھنا درست نہیں ہے۔

تبلیغی جماعت مجموعی اعتبار سے صحیح جماعت ہے اور اس پر خیر غالب ہے، اس کے ذریعہ خلق خدا کو دینی نفع پہنچ رہا ہے، جو قابل قدر ہے' اعتدال پر قائم رہتے ہوئے اس جماعت کے ساتھ تعاون اور شرکت بلا شبہ نافع اور مفید ہے، بعض افراد کی نادانی کی وجہ سے ساری جماعت کو غلط سمجھنا اور اس کی نافعیت سے انکار کرنا غلط اور جہالت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: محمد یاسین محراب پوری

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد تقی عثمانی	محمد رفیع عثمانی	رشید احمد لدھیانوی	عبدالرؤف سکھروی	عبدالرحیم

(احسن الفتاوی از: ص ۱۶۷ تا ۱۷۴ ج ۹)

دین کے بقیہ شعبے بے کار ہیں' یہ جہالت کفر کی سرحد کو پہنچتی ہے ایسوں کے لئے تبلیغ میں نکلنا حرام ہے

جو جاہل صرف تبلیغ میں نکلنے کو دین کا کام اور دین کی فکر سمجھے بیٹھے ہیں، اور ان کے خیال میں دین کے باقی سب شعبے بے کار ہیں۔ یہ جہالت کفر کی سرحد کو پہنچتی ہے کہ دین کے تمام

شعبوں کو لغو سمجھا جائے ،اور دینی مدارس کے وجود کو فضول قرار دیا جائے ۔ میں اپنی اس رائے کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ تبلیغ میں نکل کر جن لوگوں کا یہ ذہن بنتا ہو وہ گمراہ ہیں اور ان کے لئے تبلیغ میں نکلنا حرام ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل ص ۲۶ ج ۱۰)

واعظ کے لئے ضروری شرطیں

مجمع کے سامنے (وعظ وتقریر) ہر ایک کا کام نہیں' جس کا دل چاہے کھڑا ہو جائے، بلکہ اس کے لئے ضروری علم کا ہونا بہت ہی اہم ہے، کم سے کم اتنا علم تو ہونا ہی چاہئے کہ وعظ و تقریر میں غلط بات کہنے کا اندیشہ نہ رہے، اگر اتنا علم ہے تو اجازت ہے ورنہ نہیں۔

وعظ وتقریر کا معاملہ بہت ہی نازک ۔ وعظ وتقریر میں عوام کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ کس وقت کونسی بات کس طرح کہنی چاہئے ۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ فتنہ وفساد کا خطرہ نہ ہو۔کسی ایک کو نشانہ بنا کر برائی نہ کی جائے ۔اور کوئی بات یا غلط مسئلہ بیان نہ کیا جائے ۔

’’ووجوبه بعد علمه شرطان : احدهما ' ان يظن انه لا يصير موجبا لشورات فتنة ' والا لم يجب ، وثانيهما : عدم التجسس والتفتيش عن احوال الناس لقوله تعالى ولا تجسسوا ‘‘ ۔(شرح موافق ص ۷۴۶)

’’وينبغی للآمر بالمعروف والناهی عن المنكر ان يرفق ' ليكون اقرب الى التحصيل المطلوب ، فقد قال الامام الشافعی : من وعظ اخاه سرا فقد نصحه وزانه ومن وعظه علانية فضحه وشانه ‘‘ ۔(نووی علی مسلم ص ۵۱ ج ۱)

واعظ کے لئے پانچ شرطیں ہیں:

(۱):......عالم ہونا۔

(۲):......جو بات دوسرے کو کہے اس پر خود عامل ہو۔

(۳):......اللہ تعالی کی رضا اور اس کی بات پہونچانا مقصود ہو۔

(۴):......لوگوں کو نرمی اور محبت سے سمجھانے والا ہو۔

(۵):......لوگوں کی باتوں پر صبر اور تحمل کرنے والا ہونا۔

’’الامر بالمعروف يحتاج الى خمسة اشياء : اولها العلم لان الجاهل لا يحسن بالمعروف ، والثاني: ان يقصد وجه الله تعالى واعلاء كلمة العليا، والثالث : الشفقة على المأمور فيأمره باللين والشفقة ، والرابع : ان يكون صبورا حليما، والخامس : ان يكون عاملا بما يأمره كي لا يدخل تحت قوله : لم يقولون ما لا تفعلون‘‘۔(الفتاوی الھندیہ ص۳۵۳ ج۵)

لہذا وعظ کہنے والے کو خود عمل کرنا ضروری ہے، جو لوگ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے ہیں ایسے لوگوں سے اللہ تعالی ناراض ہوتے ہیں۔قرآن حکیم میں ہے:

﴿يايها الذين آمنوا لم تقولون مالا تفعلون﴾۔(سورۃ الصّف:۲)

ترجمہ:......اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے ، اللہ تعالی کے وہاں یہ چیز ناراضگی کا سبب ہے کہ ایسی بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے وعظ کی اجازت چاہی تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ نے قرآن کی مذکورہ آیت پر غور کیا؟ اس نے جواب نفی میں دیا، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو وعظ کی اجازت نہیں دی۔

(تفسیر کشف الرحمٰن)

اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اپنے اہل بیت کو نماز کا حکم دینے اور خود بھی عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔﴿وأمر اهلک بالصلاة واصطبر عليها﴾

آپ ﷺ ارشاد ہے کہ: میں نے معراج کی رات کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے ہیں، اس کی وجہ پوچھی تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے تھے، لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں دھوکے دینے والے اور جھوٹے لوگ رونما ہوں گے، جو باطل احکام اور غلط عقائد بیان کریں گے، لوگوں کے دلوں میں غلط عقائد پیدا کریں گے، تمہارے سامنے ایسی باتیں بیان کریں گے جو تم نے اور تم سے اولین نے بھی سنی نہیں ہوں گی، تم لوگ ان سے دور رہنا تا کہ غلط عقیدے کی طرف نہ لے جائیں اور تم کو گناہ میں مبتلا نہ کریں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۸، مرقاۃ ص ۱۹۰ ج ۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے مددگار اور صحابہ ان کے زمانے میں پیدا کئے گئے تھے جو ان کے طریقے اور ان کے احکام پر عمل کرتے تھے، لیکن ان کے بعد ایسے نالائق لوگ آئیں گے جو ایسی بات کہیں گے جن پر خود عمل نہیں کریں گے اور شریعت کے خلاف کام کریں گے، لہذا ایسے لوگوں کو جو ہاتھ سے روکے وہ کامل مؤمن شمار ہوگا، اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، وہ بھی مؤمن شمار ہوں گے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے۔ (مشکوۃ ص ۲۹۔ روضۃ الفتاوی ص ۲۱۵ ج ۱، کتاب العلم)

مسجد میں عورت کے وعظ کہنے کا حکم

س:......محلّہ کی مسجد میں ایسے اہتمام وانتظام سے کہ کوئی مرد داخل مسجد نہ ہو سکے، عورتوں کا اجتماع کیا جائے کہ ایک وعظ عورت کا کہلوایا جائے، اور عام اعلان کیا جائے کہ فلاں روز فلاں وقت واعظہ کا وعظ ہوگا، حاضرین میں سے جو چاہیں اپنی مستورات کو استماعِ وعظ کی

غرض سے بھیجیں۔ یہ اجتماع واعلان کیا ہے؟ آیا منجملہ حسنات کے ہے یا سیئات کے؟

ج:...... یہ صورت جائز نہیں، گو کیسا ہی اہتمام کیا جائے۔ کسی زنانہ گھر میں وعظ کہنے کا مضائقہ نہیں، بشرطیکہ واعظہ علوم شرعیہ سے واقف ہو۔ اور ناواقف ہونے کی صورت میں نہ مرد کو وعظ کہنے کی اجازت ہے اور نہ عورت کو۔ (امدادالاحکام ص ۵۰۳ ج ۴)

وعظ میں موضوع روایات بیان کرنے کا حکم

س:...... ایک شخص نے وعظ میں بیان کیا کہ ایک روز بی بی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نماز میں مشغول تھیں کہ اسی اثناء میں دونوں حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما رو رہے تھے، اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر دونوں کو بہلانے لگے۔ صاحب موصوف حضرات اور بھی زیادہ رونے لگے تو بحکم خدا حضرت عرش معلیٰ پر لے گئے، وہاں اور بھی زیادہ رونے لگے اور شوروغل مچانے لگے، تب خدا نے مخاطب ہو کر فرمایا: اے شہزادو! تمہیں نہیں معلوم یہ کون مقام ہے؟ یہ وہ مقام ہے جہاں پر تمہارے نانا رسول اکرم ﷺ آتے ہوئے گھبرائے تھے، تو حضرت نے جواب دیا کہ خدا! وہ عبداللہ کے لڑکے تھے، اس لئے خوف زدہ ہوئے تھے، ہم لوگ تو علی رضی اللہ عنہ کے لڑکے ہیں ہم کیوں خوف کھائیں؟ آیا مندرجۂ بالا روایت درست ہے؟

ج:...... واعظ صاحب کی بیان کردہ روایت بالکل جھوٹ ہے، اور اس کا بیان کرنے والا کذاب وفاسق وجاہل ہے، اور ایسی بے سروپا روایت کا واضع ملعون ہے۔ اسلامی حکومت میں ایسے جاہل بے سروپا اور لغو اور جھوٹی روایت بیان کرنے والوں کو شرعی تعزیر دی جاتی ہے، اگر مسلمانوں میں قدرت ہو تو ایسے جاہل واعظوں کو وعظ کہنے سے روک دیں۔

(مرغوب الفتاوی ص ۳۷۴ ج ۱)